17

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلی بار 1941ء میں دار الاشاعت سیاسیہ حیدرآباد نے بہادر یار جنگ کی سیاسی تقاریر کے زیر عنوان ۲۲ تقاریر پر مشتمل آپ کی تقاریر کو کتابی صورت میں شائع کیا۔ جس میں ایک مذہبی تقریر دو ادبی تقاریر اور دو خطبات بھی شریک اشاعت تھے۔ اور بعض تقاریر کے کچھ حصے پہلی بار شریک اشاعت نہ ہو سکے۔

زیر نظر کتاب میں پہلی بار جو حصے اشاعت پذیر ہو سکے تھے ان کی شمولیت کے ساتھ ساتھ متذکرہ کتاب سے ۱۷ سیاسی تقاریر کو شامل کرتے ہوئے ۵۹ تقاریر جو تلاش و جستجو کا ثمر ہیں شریک اشاعت ہیں۔

الطرح جملہ ۷۶ تقاریر زیر نظر کتاب

میں شریک رہا تھا۔

سلسلہ مطبوعات بہادر یار جنگ ۱۷

بہادر یار جنگ

کی

سیاسی تقاریر

(مرتبہ)

نذیر الدین احمد (عثمانیہ)
سابق کونسلر

ناشر:
قائد ملت اکیڈیمی

قیمت:- بیس روپے

طبع اول	ایک ہزار
تاریخ اشاعت	ستمبر ۱۹۸۱ء
ناشر	قائد ملت اکیڈیمی چیلہ پورہ حیدرآباد ۲ آندھراپردیش
کتابت	محمد منظہر
مسودہ ٹائپ	مولوی عبدالقادر ٹائپسٹ مرحوم
طباعت	اعجاز پرنٹنگ پریس
سرورق ڈیزائین	ایم۔ اے۔ غفار۔ آرٹسٹ
سرورق طباعت	انتخاب پریس
قیمت	بیس روپے ۲۰

(ملنے کے پتے)

سوپر سانک کاپینگ سنٹر دیوان دیوڑھی حیدرآباد

حسامی بک ڈپو مچھلی کمان حیدرآباد

الیاس ٹریڈرس شاہ علی بنڈہ حیدرآباد

موضوعات تقریر

نشان سلسلہ		صفحہ نمبر
۱	دعائے مضطر	۱۷
۲	اچھی حکومت	۲۱
۳	وقت کی ضرورت اور وقت کی بات	۳۲
۴	تحریک خاکسار	۴۱
۵	اطاعت امیر	۵۲
۶	تشریح اصلاحات دستوری اجلاس اول	۶۷
۷	〃 〃 〃 دوم	۸۴
۸	〃 〃 〃 سوم	۱۰۵
۹	افغانی کا پیام	۱۳۵
۱۰	حیدرآباد کا ماضی اور مستقبل	۱۴۵
۱۱	یادداشت (مجلس اتحاد المسلمین مملکت آصفیہ اسلامیہ)	۱۶۱
۱۲	امداد جنگ	۱۷۰
۱۳	جشن یوم خود مختاری۔ مکہ مسجد	۱۸۱
۱۴	دولت آصفیہ کا سیاسی مرتبہ	۱۸۸
۱۵	یوم حیدرآباد	۲۰۰
۱۶	توضیح یادداشت	۲۱۶
۱۷	موجودہ مجلس وزراء سے ہمیں توقع نہیں	۲۴۱

۱۸	رقت انگیز تقریر	۲۷۰
۱۹	لاتور کے سالانہ جلسہ میں قائد ملت کی تقریر	۲۸۲
۲۰	حیدرآباد اور بعض خود مختار ممالک	۲۹۷
۲۱	تحریک سپاس گذاری	۳۱۵
۲۲	مسجد سلیمانیہ میں قائد ملت کی تقریر	۳۲۴
۲۳	حضرت قائد ملت کی تقریر افاغنہ کے جلسے میں	۳۲۶
۲۴	ایران (پہلی تقریر)	۳۲۸
۲۵	بلاد عربیہ (دوسری تقریر)	۳۳۲
۲۶	ترکوں کا اسلام (تیسری تقریر)	۳۳۷
۲۷	ایشیاء کدھر سفر کر رہا ہے	۳۴۱
۲۸	حیدرآباد کے ایک رئیس کی تقریر	۳۶۷
۲۹	نواب صاحب کی تقریر	۳۷۱
۳۰	ایشیاء کی دنیا بدل جائے گی	۳۷۲
۳۱	نواب بہادر یار جنگ کی بصیرت افروز تقریر	۳۸۲
۳۲	ممالک اسلامیہ کی سیاحت کے تاثرات	۳۹۶
۳۳	جواب سپاس نامہ	۴۰۳
۳۴	خان بہادر احمد علاء الدین	۴۰۶
۳۵	میں اپنا ووٹ کس کو دوں گا	۴۰۸
۳۶	تقریر (شولاپور)	۴۱۶
۳۷	مہاراجہ بہادر سے اظہار تشکر	۴۲۰

۳۸	صدارتی تقریر جلسہ سالانہ مجلس اتحاد المسلمین ورنگل	۴۳۱
۳۹	قائد ملت کا موتمر کے ارکان سے خطاب	۴۳۳
۴۰	خاکسار کیمپ سے قائد ملت کا خطاب	۴۳۵
۴۱	قائد ملت کا ایک مشتعل ہجوم سے خطاب	۴۳۷
۴۲	قائد ملت کا جلسہ اظہار عقیدت و وفاداری سے خطاب	۴۴۰
۴۳	رضاکاروں سے خطاب	۴۴۳
۴۴	حضرت قائد ملت کا کل ہند اسٹیٹس مسلم لیگ کی پہلی میقات سے خطاب	۴۴۵
۴۵	میلاد النبی کے اختتام پر عشائیہ میں قائد ملت کی تقریر	۴۴۷
۴۶	جلالت الملک کا حلیف ہم سب کا حلیف ہے	۴۶۱
۴۷	ضلع بیر کے عوام سے خطاب	۴۷۱
۴۸	کانفرنس مجالس اتحاد المسلمین حلقہ ب	۴۷۴
۴۹	جلسہ سالانہ مجلس اتحاد المسلمین تلنگانہ سے حضرت قائد ملت کا خطاب	۴۸۶
۵۰	مردم شماری ۔ قائد ملت کی تقریر	۴۸۸
۵۱	حضرت قائد ملت کی افتتاحی تقریر	۴۹۰
۵۲	حیدرآباد ہمیشہ آزاد سلطنت رہا ہے اور رہے گا۔	۴۹۳
۵۳	قائد ملت کا اجلاس مسلم لیگ صوبہ متوسط و برار سے خطاب	۴۹۹
۵۴	دارالسلام کے دوسرے عظیم الشان اجلاس سے قائد ملت کا خطاب	۵۰۱
۵۵	جریدۂ غیر معمولی	۵۰۴
۵۶	فرمان	۵۰۵
۵۷	دارالسلام میں کشادگی پرچم آصفی	۵۰۷

۵۸	مسلم نوجوانوں کی کانفرنس	۵۱۲
۵۹	پرچم آصفی	۵۱۹
۶۰	مجلس اتحاد المسلمین لاتور کے جلسے میں قائد ملت کی تقریر	۵۲۲
۶۱	کانفرنس کارکنان و رضا کاران اتحاد المسلمین	۵۲۴
۶۲	ورنگل میں پرچم کشائی	۵۲۸
۶۳	دارالسلام میں جلسہ پر قائد ملت کی تعارفی تقریر	۵۳۰
۶۴	اختتامی تقریر	۵۳۲
۶۵	قائد ملت کی عربی زبان میں تقریر	۵۳۵
۶۶	کارکنان مجلس اتحاد المسلمین چنچلگوڑہ سے حضرت قائد ملت کا خطاب	۵۴۰
۶۷	اعلیٰ حضرت جلالت الملک کا جام صحت	۵۴۳
۶۸	حریت و آزادی ایک فطری جذبہ ہے	۵۴۴
۶۹	ناگپور کی ادبی انجمنوں کے سپاسناموں کا جواب	۵۵۶
۷۰	قائد اعظم کی سالگرہ پر مبارک باد	۵۵۹
۷۱	رسم پرچم کشائی میں قائد ملت کی تقریر	۵۶۵
۷۲	حضرت قائد ملت کا خطاب	۵۷۳
۷۳	حضرت قائد ملت کا رضا کاران ورنگل سے خطاب	۵۷۹
۷۴	خواتین کانفرنس	۵۸۰
۷۵	شعلہ نوائیاں	۵۸۱
۷۶	قائد ملت نواب بہادر یار جنگ کی تاریخی تقریر	۵۸۹

انتساب

میں اپنی اس کاوش کو محترم المقام مولوی محمد احمد خاں صاحب کے نام معنون کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں یہ وہ خوش نصیب انسان ہیں جن کی اعلیٰ صلاحیتوں سے حضرت قائد ملت ان کی طالب علمی کے زمانے سے متعارف و معترف رہے۔

حضرت قائد ملت، حیدر آباد کے جن چند لائق فخر نوجوان شخصیتوں کو عزیز از جان سمجھتے تھے یہ اسی خوش نصیب قافلے کے رکن رکین ہیں ؎

اللہ کرے مرحلہ شوق نہ ہو طے

نذیر الدین احمد

مولوی محمد احمد خاں

پھول کچھ ہم نے چُنے ہیں ان کے دامن کیلئے

کیا حسین اتفاق ہے۔ اس خوش نصیب کی بخت رسا کے صدقے۔
۔۔۔ ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ کو سرکار نامدار صلعم کی پیدائش کے مقدس و مبارک دن ملت کی مقدر کا یہ ستارہ چمکا۔

حیدرآباد دکن وطن تھا۔ ابتدائی تعلیم محلے کے مکتب میں ہوی۔ پھر مدرسہ مفید الانام میں پہلی سے دسویں جماعت تک تعلیم پائی۔ یہ وہی مدرسہ ہے جہاں حضرت قائد ملت نے بھی تعلیم پائی تھی۔ ہر جماعت میں دسویں تک درجہ اول میں کامیاب ہوتے رہے۔ تحریر و تقریر کا شوق چھٹی جماعت سے شروع ہوا مضمون نگاری و تقریری مقابلوں میں انعام اول پاتے رہے۔

اسکول کی انگریزی و اردو بزم مباحثہ کے معتمد منتخب ہوے ۱۹۳۵ء میں میٹرک کے بعد منطق نفسیات اور معاشیات مضمون اختیاری سے جامعہ عثمانیہ سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان امتیاز سے پاس کیا۔ بی اے معاشیات سے کیا بزم معاشیات کے معتمد منتخب ہوے۔ پھر ۳۸ - ۱۹۳۹ء میں انجمن اتحاد طلباء جامعہ عثمانیہ کے معتمد منتخب ہوے۔ ۳۹ - ۱۹۴۰ء

میں مجلہ عثمانیہ کے مدیر و مہتمم مدیر ہوئے۔ طالب علمی کے اس دور میں اخبارات و رسائل میں موصوف کے مضامین شائع ہوتے رہے۔ ایک معاشی تحقیقی مضمون پر جامعہ کی جانب سے میکینزی انعام ملا۔ بین الجامعاتی مقابلوں میں جامعہ عثمانیہ کی نمائندگی کرتے رہے اور ہمیشہ انعام اول کے مستحق قرار پائے۔ بہادر یار جنگ کے دست مبارک سے بھی تقریری مقابلوں میں انعام اول حاصل کیا۔ حضرت قائد ملت لسان الامت جیسے سحر البیان اور فقید المثال خطیب نے اپنی صدارتی تقریر میں اس نوجوان کی تقریری صلاحیتوں کو از حد پسند فرمایا۔

مولوی احمد خاں صاحب کی جادو بیانی کی سند اس طرح مستند ہوئی کہ حضرت قائد ملت نے ان کی جادو بیانی کو خراج تحسین ادا فرمایا اس طرح یہ طالب علمی ہی سے حضرت قائد ملت کی انتخاب کردہ شخصیتوں میں سے ایک تھے ایل ایل بی کی تکمیل کے لیے علی گڑھ گئے۔ قربان علی بین الجامعاتی تقریری مقابلوں میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی نمائندگی کی اور انعام اول حاصل کیا۔

۱۹۴۲ء میں علی گڑھ سے درجہ اول میں ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا پھر جامعہ عثمانیہ کی کشش نے انھیں واپس بلا لیا۔ جامعہ عثمانیہ میں ایم اے آخر میں تھے ان ہی دنوں جامعہ عثمانیہ میں ایک زبردست ہڑتال شروع ہوئی اس تاریخی ہڑتال کا پس منظر یہ تھا کہ ایک ہندو طالب علم کو بغیر ٹکٹ

سفر کرنے کے الزام میں ریلوے پولیس نے گرفتار کرلیا تھا۔ اس ہڑتال کے سلسلے میں طالب علموں کی جانب سے چار نمائندے منتخب ہوئے جن میں ایک مولوی محمد احمد خاں صاحب بھی تھے۔ ہڑتال ختم ہوئی اور مولوی محمد احمد خاں صاحب کو ارباب جامعہ کی طرف سے اس ہڑتال کے ضمن میں یہ سزا دی گئی کہ وہ معافی مانگیں۔ ورنہ انھیں شریک امتحان ہونے سے محروم کر دیا جائے گا۔ معافی نہ مانگنے کی سزا کے طور پر انھیں شریک امتحان ہونے سے روک دیا گیا اس طرح دوسرے سال ایم اے آخر کا امتحان دیا اور امتیازی کامیابی حاصل کی۔

حضرت قائد ملت سے انھیں اوائل عمر ہی سے عشق کے درجے کی محبت تھی جب یہ چھٹی جماعت کے طالب علم تھے ان ہی دنوں نواب صاحب کی ڈیوڑھی میں پہلی بار نواب صاحب کو سنا۔ منزل آشنا ہو گئے۔ مرد حر کی چشم بینا نے منزل کے سراغ سے آشنا کر دیا۔ اب کوئی میلاد کی مجلس ایسی نہ ہوتی جس میں لسان الامت گویا ہوتے اور یہ اس جلسے میں موجود نہ ہوتے۔

جب یہ ہٹرک کے طالب علم تھے ان دنوں درس قرآن درس تاریخ اسلام اور درس اقبال کی کوئی محفل ایسی نہ ہوتی جس میں یہ شریک نہ ہوتے۔ بعد ازاں انجمن مسلم نوجوانان کے نام سے ایک انجمن بنائی جس کے زیر اہتمام میلاد کے جلسے ہوتے اور قرآن کا درس دیا جاتا۔ اس انجمن کے سرپرست حضرت قائد ملت تھے۔ جب ۱۹۳۸ء میں مجلس کی نشاۃ ثانیہ ہوئی اور اصلاحات دستوری

کے خلاف مہم شروع ہوئی اس وقت مولوی احمد خاں صاحب بی اے کے طالب علم تھے اور انجمن اتحاد طلبہ جامعہ عثمانیہ کی یونین کے معتمد تھے۔ قائد ملت کی ایماء پر اصلاحات کے خلاف جامعہ عثمانیہ کے طلبہ کی ہڑتال کروائی۔ دل سے دل میں راہ ہوتی گئی حضرت قائد ملت کی گوہر شناس نظر اس گوہر آبدار پر تھی مجلس اتحاد المسلمین کا جب دوسرا سالانہ جلسہ ہوا تو قائد ملت نے بطور خاص اس نوجوان ابھرتے ہوئے قائد کو مجلس موضوعات کارکن منتخب فرمایا اور مجلس کے آخری جلسۂ سالانہ منعقدہ ورنگل میں مجلس اتحاد المسلمین کی عاملہ کارکن مقرر فرمایا جب کہ مولوی محمد احمد خاں جامعہ عثمانیہ کے طالب علم تھے مخفی مبادہ حضرت قائد ملت کے دور صدارت میں مجلس اتحاد المسلمین مسلمانان دکن کی وہ واحد سیاسی تنظیم تھی اور اس جماعت کا سیاسی اثر اس درجہ تھا کہ نظام اور انگریزوں کے مقرر کردہ وزیر باب حکومت کی سیٹیوں کو طے کرتے ہوئے دار السلام میں واقع اس تنظیم کے تصور سے لرزہ براندام ہو جایا کرتے تھے ان کی آنکھیں اور ان کے کان کنگ کوٹھی کی بجائے دار السلام کی طرف ہوتے اتنی عظیم تنظیم کی عاملہ کی رکنیت جامعہ عثمانیہ کے ایک طالب علم کو ملے! اس سے اس طالب علم کے کام اور مقام کا اندازہ ہوتا ہے ؎ این سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت قائد ملت کے انتقال کے بعد مولوی ابوالحسن سید علی صاحب کے

دور میں بھی یہ مجلس عاملہ کے رکن رہے اور معاشی کمیٹی کے کنوینر، بعد ازاں مولوی مظہر علی صاحب کامل کے دور صدارت میں بھی یہ رکن عاملہ منتخب کیے گئے۔

مولوی مظہر علی صاحب کامل کے دور میں مسجد ڈھیلی ڈوھائی گئی جس کے خلاف ایک احتجاجی جلسہ زمرد محل میں منعقد ہوا۔ اس جلسے کے مقررین میں مولوی احمد خاں صاحب بھی تھے۔ جلسے کے بعد سارا مجمع وزیر اعظم کی کوٹھی شاہ منزل اور شاہ منزل کی اینٹ سے اینٹ بجادی مجلسی قائدین کی گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ مولوی احمد خاں صاحب بھی محرومین میں شامل تھے۔ کافی عرصہ تک مقدمہ چلتا رہا بالآخر حکومت نے مقدمہ واپس لے لیا۔

مولوی قاسم رضوی صاحب کے دور صدارت میں یہ مجلس سے علیحدہ ہوگئے چونکہ رضوی صاحب کی پالیسیوں سے انھیں اختلاف تھا۔

پھر پولیس ایکشن کا پُر آشوب زمانہ آیا۔ کئی باکمال بے وطن ہوئے۔ بے وطن کیے ہوئے چرخ کہن کے ستائے ہوئے اکثروں کا وطن پاکستان بن گیا۔

مارچ ۱۹۴۹ء میں یہ کراچی چلے گئے۔ کچھ عرصہ وکالت کی۔ پھر اپنی زمینات کی الجھنوں میں پھنسے رہے لیکن لکھنے پڑھنے کا سلسلہ جاری رہا۔

ویسے بی اے، اور ایم اے کی طالب علمی کے زمانے میں ان کی حسب ذیل کتابیں شائع ہو چکی تھیں۔ (۱) ہندوستان کے زر پر جنگ کے اثرات (۲) جنگ اور ہندوستان کا قومی قرضہ (۳) انگلستان اور

بین الاقوامی زر کے منصوبے (۴) ہندوستان کی معیشت اور جنگ۔

حضرت قائدِ ملت پر ہمارا قائد کے نام سے آپ نے ایک کتاب شائع فرمائی جو اپنی طرزِ نگارش اور معلومات کے لحاظ سے اپنی طرز کی منفرد کتاب ہے۔ پاکستان آنے کے بعد "اقبال کا سیاسی کارنامہ" کے زیرِ عنوان ایک کتاب لکھی جو بے حد مقبول ہوئی۔ اقبال صدی کے موقع پر حکومت پاکستان نے اس کتاب کا دوسرا اضافہ شدہ ایڈیشن شائع کیا۔ اور حکومت پاکستان کی طرف سے ایوارڈ دیا گیا۔ اسی جشنِ اقبال صدی کے موقع پر دوسری کتاب "اقبال اور مسئلہ تعلیم" کو اقبال اکیڈیمی کراچی نے شائع کیا جس کا اکیڈیمی کی جانب سے معقول معاوضہ ادا کیا گیا۔ زیرِ اشاعت کتابیں اقبال اور اسلامی قوانین، قائدِ ملت اور تحریکِ پاکستان، اور انگریزی زبان میں ایک کتاب بعنوان HIZRETUN-NABI ORIENTALISTS AND IQBAL. ہیں جو جلد منظرِ عام پر آئیں گی۔

ایک عرصہ سے حضرت قائدِ ملت کے نام اور کام سے وابستہ عظیم ادارہ بہادر یار جنگ اکیڈیمی کراچی کے اعزازی صدر ہیں۔ آپ کے مبارک دور میں کئی کتابیں اکیڈیمی نے شائع کیے اور حضرت قائدِ ملت کے کام اور مقام سے پاکستان کی نئی نسل کو متعارف کروایا۔

یہ ایک مختصر تعارف ہے اس ہستی کا جو اقبال کا شاہین زادہ ہے۔

قم طیبہ کی بجی ہوئی جو شیشۂ دل میں بند تھی، حضرت قائدِ ملّت نے جنھیں پلائی ان میں یہ خوش نصیب محمد احمد خاں بھی تھے اور اب اسی شیشۂ دل سے ہمراہانِ رمیدہ خو کے لیے یہ آنسو دل کی کمند بلکہ دل سے دل کے چراغ جلاتے اور ایک نیا طور و نئی برقِ تجلّی سے سوئی ہوئی قوم کو جگاتے ہیں۔ ع

اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے

ابتدائیہ

قائد ملت اکیڈیمی کی جانب سے زیر نظر کتاب "بہادر یار جنگ کی سیاسی تقاریر" پیش خدمت ہے۔ اگرچہ کہ سیاسی تقاریر لسان الامت نواب بہادر یار جنگ کے زیر عنوان ۱۹۴۱ء میں پہلی بار قائد ملت کی تقاریر دارالاشاعت سیاسیہ حیدرآباد نے شائع کیں۔ اس تقریری مجموعہ میں قائد ملت کے صرف ۲۲ تقاریر شریک تھے اور بہ اعتبار عنوان ۵ تقاریر غیر متعلق جن میں دو ادبی ایک مذہبی اور دو خطبات تھے۔ کتاب مذکور سے ۱۷ تقاریر اس تقریری مجموعہ میں شامل ہیں اور باقی ۵۹ تقاریر ہماری اپنی تلاش و جستجو کا ثمر ہیں۔ یہ تقاریر اس دور کے اخبارات، رسائل اور کتب سے ماخوذ ہیں۔

دارالاشاعت سیاسیہ نے جو تقریری مجموعہ شائع کیا تھا اس میں نواب صاحب کی بعض تقاریر کے کچھ حصے سہواً شریک اشاعت نہ ہو سکے تھے۔ مثلاً تحریک "خاکسار" کے زیر عنوان قائد ملت کی تقریر کا ایک بڑا جز جو ۴ صفحات پر ذیلی عنوان "خاکسار کے لیے اقرار توحید کا لزوم" تھا۔ اخبار اقبال مورخہ یکم آبان ۱۳۱۸ء کے حوالے سے اس حذف شدہ حصہ کو شامل کیا گیا۔

قاری کو تقریر کے پس منظر سے واقف رکھنے کے لیے ہر تقریر سے پہلے ایک نوٹ لکھ دیا گیا ہے۔ اخباری نامہ نگاروں کی مرتبہ تقاریر میں ربط، تقریر، زور بیان اور حسن خطابت کو آپ مجروح پائیں گے، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اخباری نامہ نگار مقررین کی تقریر کے صرف مفہوم کو ادا کرنے کے عادی ہوتے ہیں اور ادبی ذوق اور ادبی مزاج سے ان کا کم ہی ربط و تعلق ہوتا ہے۔

یہ تقاریر اس شعلہ نوا اور سحر البیان خطیب کی ہیں جس کی تقاریر قلب کو تڑپاتی اور روح کو گرماتی تھیں۔

اقبال کے الہامی نغموں کا راز داں، جمال الدین افغانی کے خواب کی تعبیر، مولانا محمد علی کے دل کی دھڑکن، قائداعظم کا دستِ راست جس کو قدرت نے شعور کی روشنیاں بکھیرنے والی زبان، مدحتِ رسول میں گل افشانی کرنے والی زبان، مسلمانوں کے درد پر بے تابانہ شکوہ کرنے والی زبان اور دل کی گہرائیوں سے بولنے والی زبان عطا کی تھی۔ وہ چپ ہوگیا تو ؎

سحر نغمہ بھی گیا شانِ خطابت بھی گئی

قائدِ ملت اکیڈیمی بے سروسامانی کے عالم میں حضرت قائدِ ملت کے فیضان سے اپنا کام چلا رہی ہے۔ اور ناقدری و عدم تعاون کے باوجود الحمدللہ ایک فرد فرید بہادر یار جنگ اکیڈیمی کراچی کے اعزازی معتمد مولوی وحید الدین خاں بوزنی کی ہمت افزائیوں کے باعث اس منزل تک کام کر سکی ہے۔ اپنی کوششوں اور ان کے اس خصوص میں انجام کردہ کام کو دیکھ کر شرمساری سے کہنا پڑتا ہے کہ ؎ پھر بھی او نیچے تیری مسجد کے مینارے نکلے میری یہ خدمت کسی صلے کی تمنا سے بے نیاز ہے مگر ہاں ؎

یہ مدعا نہیں کہ وفا کا صلہ ملے
بس اتنی التجا ہے کہ دادِ وفا ملے

نذیر الدین احمد

۲۱ چیلہ پورہ حیدرآباد ۔ ۶ ۔ ۷۲۳

دعائے مُضطرب

(قائدِ ملت نواب بہادر یار جنگ کی دعا بارگاہِ رب العزت میں)

اے کائنات کے پیدا کرنے والے آفتاب کے چمکانے والے، ستاروں میں نور بخشنے والے، زمین کو پہنائی عطا کرنے والے اور آسمان سے ابر، ابر سے پانی، پانی سے ندیاں اور ندیوں سے کھیت کھیت سے اناج پیدا کرنے والے تو نے اس کائنات ارضی کو ہمارے لیے پیدا کیا۔ ہم تیرے جلیل القدر احسانات کے بوجھ کے نیچے دبے جا رہے ہیں۔ ہم تیرے ان احسانات کا کس طرح شکریہ ادا کریں۔ ہماری توبہ کو قبول فرما ہم گناہ گار ہیں ہماری بدکاریاں اور سیاہ کاریاں اس قابل نہیں کہ تیری بارگاہ میں کھڑے ہو سکیں۔ ہمارے قلوب کو نورِ ایمان سے منوّر کر دے اور ضلالت عداوت، شقاق، جھوٹ، کینہ، رشک اور بغض کو

ہمارے سینوں سے دور فرما۔ محبت و خلوص صدق و صفا، بے ریائی، ایک دوسرے سے ہمدردی اور غم کھانے کے جذبہ سے ہمارے قلب کو معمور کر دے اسی طرح جس طرح کہ تو نے آسمان کو تاروں سے زمینوں کو چرند و پرند سے اور سمندر کو پانی سے معمور فرمایا۔

بار الٰہا! اعلیحضرت نواب میر عثمان علی خاں بہادر کو جو تیرے عبادت گذار بندے اور تیرے پیارے رسول ﷺ سے محبت رکھنے والے بادشاہ ہیں ان کی عبادت میں مزید ترقی دے۔ ان کے قلب کو اپنی محبت اور اپنے خوف سے بھر دے، اور ساری دنیاوی طاقتوں سے ان کو نڈر بنا۔ خداوندا! ساری دنیاوی طاقتوں سے ان کو نڈر بنا اور اپنے خوف کو ان کے دل و دماغ پر مرتسم کر دے۔

خداوندا! ان کو حضرت ابوبکرؓ کی بردباری، حضرت عمرؓ کا رعب و عزم، حضرت عثمانؓ کا حلم اور حضرت علیؓ کا علم و شجاعت عطا فرما۔ خدایا! مسلمانوں سے

ان کے تاج و تخت کی عظمت ہے اور ان کی ذات سے مسلمانوں کی عزت، مسلمان ان کے لیے ہے اور مسلمان کے لیے وہ!

خدایا! اگر مسلمان قوی نہیں تو ان کا تخت بھی قوی نہیں۔ اس لیے اے الرحم الراحمین! مسلمانوں کو ہر قسم کی اجتماعی و انفرادی طاقت عطا فرما۔ ان کو اپنا صحیح ایمان عطا کر ان کو اپنے سیدھے راستہ پر چلا ان کو اتحاد اور اتفاق کی توفیق عطا کر۔ ان کو اخلاق حسنہ سے مزین فرما۔ ان کی سماجی اور معاشی زندگی میں برکتیں عطا کر اور ان کو اَنتُمُ الاَعلَونَ کا مصداق بنا دے۔ بارالٰہا! ان کے وزراء کی عقیدت و محبت کو ان ہی سے وابستہ کر دے۔ وزراء کو توفیق عطا فرما کہ اپنے بادشاہ کے منشاء حقیقی کو سمجھیں اور اس کی تکمیل کریں۔

بارالٰہا! ہمارے عہدیداروں کو عدل و انصاف سے کام کرنے کی توفیق مرحمت فرما۔ ہمارے اصحاب تمول کو اتفاق فی سبیل اللہ پر عمل پیرا ہونے کی توفیق

دے اور اپنی دولت کے صحیح مصرف سے واقف فرما۔ ہمارے وکلاء حکماء، گنہ دار اور تاجروں کو خدا کے راستہ میں قربانی کا صحیح جذبہ عطا فرما۔ ہمارے نوجوانوں میں صحیح جوشِ عمل اور کارکردگی کا اعلیٰ جذبہ پیدا کر ہمارے بچے اپنے آپ کو اسلامی تعلیمات کا صحیح خوگر ثابت کریں ہماری بہنوں کو توفیق عطا فرما کہ وہ اپنے نونہالوں کو گلشن اسلام کا گلِ سرسبد بنا کر بازارِ عالم میں پیش کریں اور ہم سیاہ کاروں کو فیروزمندی کا راستہ بتلا اور اس راستہ سے بچا جس سے اُمت محمدیہ دکن کو قعرِ مذلت سے دوچار ہونا پڑے۔

خدایا! اتحاد المسلمین کی مجلس عاملہ کو توفیق عطا فرما کہ وہ مسائل کو تیرے نورِ ایمان کی روشنی میں دیکھے اور مسلمانوں کے لیے صحیح راہِ عمل تجویز کرے اور مسلمانانِ دکن کو توفیق دے کہ وہ مرکزیت کا صحیح احساس پیدا کریں اتفاق کی قدر پہچانیں، شقاق اور تشتت سے حتی الوسع بچے رہیں۔ آمین۔

اچھی حکومت

حیدرآباد میں جو آریہ سماجی طوفان اٹھا اور ستیہ گرہ کی صورت میں برسا اس کا سب سے نمایاں پہلو حیدرآباد کے خلاف طول و عرض ہند میں آریہ سماجیوں کا غلط پروپگنڈا تھا۔ اس سے متاثر ہوکر ہمارا مدبر شہزادہ یمین السلطنۃ بہادر سابق مدار المہام و صدر اعظم نے ایک حقیقت افروز بیان شائع کیا۔ اس پر اظہارِ تشکر کے لیے ایک عظیم الشان جلسہ بتاریخ ۲۸ اپریل ۱۹۳۹ء زیر دامن ٹاکیز میں جلسۂ امن و اتحاد کے نام سے منعقد کیا گیا۔ اس جلسہ میں تحریک تشکر کی تائید کرتے ہوئے قائد ملت نے یہ تقریر کی اور تحریک میں ایک بنیادی ترمیم پیش کی جو تیس ہزار کے مقابلہ میں صرف تین آراء کے اختلاف سے منظور ہوئی۔ یہ جلسہ حیدرآباد کی سیاسی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔

میں ہمیشہ سے غیر محتاط رہا تمام مقررین نے اپنی اپنی تقریروں

کو مرتب کرلیا اور میں تہی دست آپ کے سامنے کھڑا ہوں مگر اس کا قائل ہوں کہ انسان اپنی تہی دامنی ہی کے عالم میں جذبہ تجسس سے کام لے کر دریائے معانی میں غوطہ لگاتا اور بہترین موتی تلاش کر سکتا ہے۔

انگریزی پریس یا تو میری تقریر کا مفہوم نہ سمجھنے کے باعث یا عمداً غیر صحافتی طریقہ اختیار کرتا جارہا ہے اور میرے خیالات کو خلط ملط کر دیتا ہے جس کے نتائج بعض دفعہ سخت تکلیف دہ ہوتے ہیں اس لیے انگریزی جرائد کے نامہ نگار میری تقریر کا متن مجھ سے حاصل کرلیں تو بہتر ہے۔

جس طرح کسی واقعہ کو بدل کر بیان کرنا جھوٹ ہے اسی طرح کسی کو جھوٹ کہتے اور دوسرے کو اس کا نقصان برداشت کرتے ہوئے دیکھ کر خاموش رہنا بھی جھوٹ سے کم نہیں۔ ہندوستان کے طول و عرض میں حیدرآباد کے خلاف جو غلط پروپگنڈہ کیا گیا وہ کوئی سہو یا غلطی نہ تھی بلکہ ایک فعل عمد تھا جو ایک مقررہ مقصد کے تحت کیا جارہا تھا اور کیا جارہا ہے۔ دنیا کا ہر سمجھدار آدمی جو حیدرآباد کو جانتا ہے اور اس کی حقیقت کو پہچانتا ہے حیران تھا کہ خود حیدرآباد کے زعماء اس کی تردید کیوں نہیں کرتے۔ اگر مسلمان تردید کرتے تو سند نہ ہوتی اور حکومت اس مقدمہ میں خود ایک فریق سمجھی جارہی ہے یا بدقسمتی

خود فریق بن گئی ہے (تالیاں) حالانکہ اس کے لیے جج کا پوزیشن زیادہ بہتر ہوتا۔ اس لیے تردید کا فرض ایک اور صرف ایک طبقہ پر عائد ہوتا تھا اور وہ طبقہ یہاں کے معزز ہندو باشندگان کا طبقہ ہے وہ اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں کہ جن بے بنیاد باتوں پر جھوٹ کے بے بنیاد قلعے تعمیر کیے جا رہے ہیں ان کا شائبہ بھی اس ریاست ابد مدت میں موجود نہیں مگر خاموش ہیں اور حیرت کا مقام یہ ہے کہ جن کے پیٹ میں درد بتایا جا رہا ہے وہ آرام و چین سے ہیں اور مفت کے تیماداران کے درد سے تڑپ رہے ہیں (فلک شگاف تالیاں)۔

مجھے مہاراجہ سر کیشن پرشاد بہادر سے محبت ہی نہیں بلکہ عقیدت ہے مہاراجہ چندو لال بکنٹھ باشی سے میرے جد اعلیٰ نصیب یاور جنگ اول کے محبت آگیں تعلقات تھے۔ راجہ نریندر پرشاد آنجہانی کی خدمت میں میرے دادا محمد دولت خاں نصیب یاور جنگ ثانی حاضر ہوا کرتے تھے اور میرے والد صاحب مرحوم نے آخر وقت تک مہاراجہ بہادر کی محبت کا عملی ثبوت دیا اور اب میں اور میرے بھائی ان کے عقیدت مند ہیں۔ مجھے اپنی ابتدائے طفولیت کی جو بعض نیم شعوری باتیں یاد ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عالم چہار رسالگی میں مہاراجہ کے زانوئے عظمت و جلال پر

بیٹھ کر ان کے ہاتھوں سے میوہ کھایا کرتا تھا وہ دن ہے اور آج کا دن کہ انھوں نے مجھے ہمیشہ اپنا بچہ سمجھا اور میں ان کو اپنا بزرگ سمجھتا ہوں۔ ہم نے اپنی ہر مشکل میں ان کے دامن میں پناہ لی۔ اس عقیدت کے باوجود میں اقرار کرتا ہوں کہ افترا پردازیوں کے اس طوفان میں ان کی خاموشی مجھ پر بہت گراں گزرتی تھی اور بعض دفعہ میں اپنے دل میں بدگمان ہونے لگتا تھا اور سوچتا تھا کہ کیا حیدرآباد میں ایک بھی مردِ حق پرست نہیں ہے آج میں اپنی اس بدگمانی بلکہ غلطی کا اعتراف کرتا ہوں۔ سچ ہے

خطائے بزرگاں گرفتن خطاست

آج ہمیں معلوم ہوا کہ "ان کا سکوت پُر معنی تھا"۔ وہ اس کے لیے صحیح وقت کا انتظار فرما رہے تھے۔ انھوں نے اپنی ایک ہی ضرب میں کذب و افترا کے سارے قلعوں کو جن کی بنیاد ہوا میں تھی پاش پاش کر دیا اور نہ صرف اس صداقت و خلوص کا شاندار مظاہرہ فرمایا جو ایک خاندانی و شریف چغتائی کی خصوصیات میں سے ہے بلکہ ملک کے قدیم وفادار طبقہ کو جس کی ایک ایک رگ میں آصفجاہی نمک خون بن کر دوڑ رہا ہے زندگی کی صحیح راہ سجھائی اور وقت کا سب سے اہم فریضہ یاد دلایا۔ اپنے بیان میں مہاراجہ بہادر نے

نہ صرف اس "سفید جھوٹ" پر اظہار نفرت و ملامت فرمایا ہے جو حیدرآباد سے متعلق بیرون حیدرآباد کہی گئی اور اس گندے پروپگنڈے سے بیزاری کا اظہار فرمایا ہے جو بیرونی اخبارات و دیگر ذرائع سے سلطنت آصفیہ اسلامیہ کے خلاف کیا گیا۔ بلکہ اس امر پر سب سے زیادہ زور دیا ہے کہ یہ ساری تحریکات بیرونی اشرار کی فتنہ پردازیوں کا نتیجہ ہیں۔ وہ اظہار تعجب فرماتے ہیں کہ:۔

"بیرونی اشخاص کو ہمارے اندرونی معاملات سے کیا تعلق ہو سکتا ہے جب یہاں ہندو ہر طرح سے امن و عافیت کی زندگی بسر کر رہے ہیں تو کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ بیرونی اصحاب کو یہاں کے باشندوں سے ہمدردی کیوں ہے وہ کونسے حقوق ہیں جو ہمیں حاصل نہیں، ساہوکاری ہماری ہے، دیسکھ ہم ہیں، دیسپانڈے ہم ہیں، زراعت ہماری ہے، تجارت ہماری ہے غرض کہ ہر شعبہ پر ہم قابض ہیں"

مہاراجہ بہادر نے ایک سچے حیدرآبادی کی طرح بخوبی سمجھا دیا کہ ہمارے معاملات کو سلجھانے کی ہم میں پوری طاقت و صلاحیت ہے۔ حیدرآبادی بلا امداد غیر یہاں کے حالات کو

بخوبی سلجھا سکتے ہیں۔ انھوں نے صاف اعلان کیا کہ "اپنا ئے وطن کو بیرونی لوگوں کے نہ کسی مشورہ کی ضرورت ہے نہ مدد کی"۔

مہاراجہ کو اپنی ماں کی گود سے درس سیاست ملا ہے۔ نہ صرف سلطنت آصفیہ کی وزارت عظمیٰ کا منصب جلیل ان کے خاندان کی خصوصیت رہا۔ اور ان کے تین اجداد نے اس سے سرفرازی پائی بلکہ ان کے اجداد ہندوستان کی عظیم الشان سلطنت اسلامیہ مغلیہ و افغانیہ کی روح رواں اور دست راست رہے ہیں۔ راجہ نریندر پرشاد اور مہاراجہ چندو لال کو کون حیدرآبادی نہیں جانتا بلکہ تاریخ کا کونسا طالب علم ہے جو سوری سلطنت کی یادگار اور شہنشاہ اکبر کے چہیتے وزیر راجہ ٹوڈرمل سے واقف نہ ہو۔ راجہ ٹوڈرمل مہاراجہ کے اجداد سے تھے۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ مہاراج نے سیاست و وزارت اپنے اجداد سے ترکہ میں پائی ہے۔ ان کی نگاہ دوررس و باریک بین نے صحیح اندازہ کیا کہ مذہب کے نام سے جو شورش اس وقت حیدرآباد میں اور بیرون حیدرآباد جاری ہے وہ فی الحقیقت مذہبی نہیں بلکہ سیاسی ہے۔ وہ جانتے ہیں اور خوب جانتے ہیں اور دوسروں کی طرح جان کر چھپانا نہیں چاہتے بلکہ اظہار کی جراءت رکھتے ہیں۔ انھوں نے ہندو بھائیوں سے سچ فرمایا کہ:۔

"ہمیں چاہیئے کہ موجودہ حالات ہی پر غور نہ کریں
بلکہ اس پشتینی امن وسکون کا جائزہ لے کر دیکھیں
جس کی بناء پر ہم اپنے پڑوسی ہندوؤں یا کسی قوم
سے پیچھے نہیں رہے"

مہاراجہ مہادر کو اچھی طرح اندازہ ہے کہ موجودہ شورش کا منشا کسی شکایت کا رفع کرنا نہیں بلکہ اندھی تقلید کا شکار ہوکر اور دنیا کے عام رجحانات کی رو میں بہہ کر ملک میں جمہوری نظام قائم کرنا ہے جو نہ صرف دنیا کا ٹھکرایا ہوا ناقص نظام ہے اور نہ صرف ہندوستان اور حیدرآباد کے مزاج کے لیے ناموافق اور ناموزوں ہے بلکہ جس کے نقائص ومضمرات ان کی نگاہِ حقیقت شناس کے نزدیک تباہ کن ہیں انھوں نے صاف الفاظ میں اعلان فرمایا کہ:-

"جمہوریت کی نام نہاد حکومت جو امن شکنی کا درس دیتی ہے جو معصوم بندگانِ خدا پر مصیبتوں کا پہاڑ توڑتی ہے جو انسانیت کے خون سے اپنی ہوسِ حکمرانی کی پیاس بجھاتی ہے جو نادان جہلا کو ابھار کر ان میں نفرت و حقارت کا بیج بوتی ہے ہماری حکومت کا مقابلہ نہیں کرسکتی اور نہ اس کی خصوصیات کا اندازہ کرسکتی ہے"

مہاراجہ بہادر نے اپنے عہد وزارت میں اپنے اس ایقان کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ اور جمہوری عناصر کو حیدرآباد کے دستور میں شامل نہ ہونے دیا۔ مجلس وضع قوانین کی توسیع کا سوال ان کی صدارت عظمیٰ پر دوبارہ فائز ہونے سے قبل پیدا ہو چکا تھا۔ اور غالباً رائے بالکنڈ آنجہانی کی رپورٹ ان کے ملاحظہ میں پیش بھی ہو چکی تھی۔ مہاراجہ بہادر نے اپنے صدارت کے پورے ۱۲ سال ختم کر دیئے لیکن اس اصول جمہوریت سے اپنے امن پرور و سکون بخش عہد وزارت کو داغدار نہ ہونے دیا۔

جس بات کو مسٹر گاندھی نے راجکوٹ پہنچ کر پہچانا کہ مطلوب حقیقی اچھی حکومت ہے نہ کہ کسی خاص قسم کی حکومت اس کو مہاراجہ نے اپنے تجربہ کی بنا پر آج سے برسوں قبل معلوم کر لیا تھا۔ اپنے اس بیان میں انھوں نے صاف اعلان فرمایا کہ :-

"ہماری صرف لفظوں کی غلامی ان کی خطرناک آزادی سے بدرجہا بہتر ہے اگر اس کو بیرون ملک کے باشندے غلامی سمجھتے ہیں تو اس پر ہزاروں آزادیاں قربان کی جا سکتی ہیں بلکہ میں تو یوں کہوں گا کہ اگر یہ غلامی ہے تو دنیا میں آزادی کا صحیح تصور کبھی پیدا ہی نہیں ہوا۔"

ہمارا راجہ چھتری ہیں ان کی رگوں میں سورج بنسی راجپوتوں کا وہی خون دوڑ رہا ہے جو ہمارا راجہ راجندر جی کی رگوں میں تھا۔ وہ امن وامان کا قیام ہر چھتری پر فرض سمجھتے ہیں اور قیام امن وامان کے لیے جانتے ہیں کہ دو امور نہایت ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ رعایا و حکومت میں حفظ مراتب قائم رہے۔ رعایا مانگنے کے طریقہ سے مانگے اور بادشاہ اپنے مراحم خسروانہ سے عطا کرے وہ فرماتے ہیں۔

"ہم کو اگر کچھ مانگنا ہی ہے تو اس سے مانگیں جس نے اب تک بے مانگے ہمیں بہت کچھ دیا ہے اور مانگنے پر بھی فیاضی سے عطا کیا ہے۔ ہم بیرون ملک کا کوئی احسان لینا نہیں چاہتے اور نہ ہم ان کی مدد کے محتاج ہیں۔"

کوئی دستور مملکت جو خدا کے سوا کسی اور کا بنایا ہوا ہو۔ نقائص وکمزوریوں سے پاک نہیں۔ اگر ہمارے ہندو بھائی بے بنیاد اور دور از کار افترا پردازی سے بچ کر حقائق پر نظر ڈالتے تو یہاں کی کمزوریوں کے گنانے میں میں بھی ان کے ساتھ شریک ہو جاتا۔ ملک کا روپیہ بیش قرار تنخواہوں پر لٹ رہا ہے۔ غیر ضروری الونس کا طومار بندھا ہوا ہے۔ ملازمتوں میں عزیز داری کی ضرورت سے زیادہ دخل دیا جا رہا ہے دفاتر میں رشوت ستانی کا بازار گرم ہے۔ یہ

تلخ حقائق و حکومت کی اصلی کمزوریاں ہیں جن کے انسداد کے لیے آئینی چارہ کار اختیار کرنا ہر حیدرآبادی کا فرض ہے اور وہ آئینی چارہ کار وہی ہے جو مہاراجہ بہادر نے بیان فرمایا کہ "ہم کو مانگنا ہے تو اس سے مانگیں جس نے اب تک بے مانگے بہت کچھ دیا ہے۔" چنانچہ اب ہم سن رہے ہیں کہ ان تمام امور کی طرف حضرت بندگان عالی اپنی کامل توجہ مبذول فرما رہے ہیں۔

مہاراجہ بہادر اس کے قطعاً قائل نہیں کہ کوئی حکومت کسی کی شر انگیزیوں اور فتنہ آرایوں سے متاثر ہو کر یا کم از کم ان کی موجودگی میں جب تک رفع نہ ہو جائیں کسی مطالبہ کو پورا کر کے ان کی جرأتوں کو بڑھائے۔ وہ حضرت بندگان اقدس کے اس فرمان کو دکن کی حکومت کا اصول سیاسی خیال کرتے ہیں کہ:

"ملک کی عمرانی ترقی اور امن و سکون رعایا کے حسن سلوک اور حکومت کے ساتھ اشتراک پر منحصر ہے۔"

مہاراجہ بہادر کی نسبت میں کہہ چکا ہوں کہ انھوں نے حکومت اور سلطنت آرائی اپنے اجداد سے ورثہ میں پائی ہے وہی اس نکتہ کو زیادہ بہتر طریقہ پر سمجھ سکتے ہیں کہ ایسے موقع پر اصلاحات دینا جب کہ ملک میں فتنہ و فساد کی

آگ بھڑک رہی ہے فتنہ پردازی و فساد انگیزیوں کی ہمتوں کو بڑھانے اور اور اُن کے اردوں کو تقویت دینے کا باعث ہوگا۔ پس میں مہاراجہ بہادر کے اس اہم بیان کی روح سے کامل اتفاق کرتے ہوئے آپ کی خدمت میں پیش شدہ پیزولیشن کی ذیل کے اضافہ کے ساتھ لفظاً لفظاً اور حرفاً حرفاً تائید کرتا ہوں۔" باشندگانِ حیدرآباد و سکندرآباد کا یہ جلسہ عالی جناب مہاراجہ یمین السلطنت بہادر کے عالیہ بصیرت افروز پیام امن و امان کی دل سے تائید کرتا ہے اور ہر قانون شکن تحریک سے اپنی انتہائی بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے پیام مذکور کو اپنی زندگی کے لیے مشعل ہدایت بنانے کا اقرار کرتا ہے۔ یہ جلسہ مہاراجہ بہادر کے برمحل ارشاد پر مودبانہ ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہے۔"

"یہ جلسہ مہاراج بہادر کے بیان کی اس روح سے کامل اتفاق کرتا ہے کہ جمہوریت کی نام نہاد حکومت سے ہماری موجودہ طرزِ حکومت بہتر ہے اور جب تک رعایا حسن سلوک اور حکومت کے ساتھ اشتراک عمل کے لیے تیار نہ ہو کوئی اصلاحات ملک میں جاری نہ کیے جائیں۔"

وقت کی ضرورت اور وقت کی بات

(قائد ملت کی تقریر بمقام مکہ مسجد مورخہ ۳ اگست ۱۹۳۹ء)

دوستو، عزیزو! مجھے بالکل توقع نہ تھی کہ میں آج آپ سے خطاب کر سکوں گا۔ آج کے اس غیر معمولی اجتماع نے مجبور کر دیا کہ میں آج کی ٹرنال اور اخبار وقت سے متعلق موجودہ فضاء پر کچھ کہوں۔

یہ تو آپ سب کو معلوم ہے کہ ہمارے ہندو بھائیوں نے ہمارے اور سلطنت آصفیہ اسلامیہ کے متعلق کیا کچھ نہ کہا، لکھا اور پروپگنڈا کیا۔ مذہبی آزادی کی آڑ میں انھوں نے مسلمانوں اور حکومت کے خلاف بہت کچھ زہر اگلا اور ہم تھے کہ جنھوں نے اپنے بیانات سے واضح کیا کہ یہ سب افترا ہے، جھوٹ ہے، کذب ہے، ہم نے طول و عرض ہند میں اپنے بیانات اور خاموش پروپگنڈے سے اس تغلیط کی۔ لیکن ہمیں یہ معلوم تھا کہ خود سلطنت میں ایسا وقت بھی آنے والا ہے جب کہ دوسروں کی آوازیں بلند ہوتی رہیں گی لیکن اگر کسی کا گلا گھونٹا جائے گا اور اس زمین پر زندہ رہنے کے باوجود مار ڈالے جائیں گے تو وہ اپنا آخری قطرۂ

خون بہادینے والے ہم مسلمان ہوں گے اس سے بڑھ کر بدبختی اور کیا ہو سکتی ہے!

اصلاحات ریفارم نہیں ڈیفارم ہیں

آج جبکہ اصلاحات کا اعلان ہو چکا ہے

لوگ اس کو ریفارم کے نام سے یاد کرتے ہیں لیکن میں اپنے الفاظ میں ڈیفارم کہتا ہوں لوگ اصلاح کہتے ہیں میں تخریب سے یاد کرتا ہوں مسلمانوں نے اس کے اعلان کے بعد جائز اور بجا طور پر حدودِ قانون میں رہ کر حکومت پر اس کے نقائص کا اظہار کیا تخریب کی نیت سے نہیں بلکہ تعمیر کی نیت سے، دشمنی اور مخالفت بس نہیں بلکہ دوستی میں تاکہ تخت و تاج آصفی کو دھکا پہنچانے والے اصلاحات میں جو خطرات موجود ہیں ان کا ازالہ اور تلافی ہو جائے۔

مسلمان آئین شکن نہیں ہوتا

مسلمانوں نے تصفیہ نہیں کیا تھا کہ وہ قانون شکنی کریں گے اس

لیے کہ مسلمان اپنی طرف سے آئین شکنی نہیں کرتا۔ اس سے بڑھ کر آئین پسند قوم کوئی پیدا نہیں ہوئی اس کی دشمنی غیر سے بالائی۔ اس کا ملنا بھرنا گویا اس کی ہر حرکت آئین و ضابطہ کے اندر ہوتی ہے کوئی اور قوم اس قسم کی نظیر پیش نہیں کر سکتی مسلمانوں نے خاموش مظاہرے کر کے انقلابی

آئین پسندی سے کام لیا لیکن مسلمانوں کے صبر و تحمل کو دعوت نا شکیبائی دی گئی صبر و تحمل اور قربانی سے مسلمانوں نے ثابت کر دیا کہ جب اپنی حکومت اپنا اپنے بادشاہ کا خیال اور اس کی بدنامی سے ان کو ڈرایا جائے تو وہ کبھی بھی ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہیں کرتا ایسی کئی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جو قابل شکایت تھیں جن کو میں نے گذشتہ جمعہ میں بیان کر دیا تھا۔

اصلاحات اور مسلمانوں کے منظم مظاہرے

مسلمانوں نے صدر مجلس کی ہدایات کے بغیر مظاہرے کر کے دوسروں کے لیے شماتت کا سامان پیدا کیا کوئی چیز خلاف آئین و ضوابط نہ تھی اور نہ کوئی قانون بتا سکتا ہے کہ اس قسم کے منظم مظاہرے تعزیری گرفت میں آ سکتے ہیں۔ انھوں نے کسی کا مذہبی کپڑے پر شاہ عثمان زندہ باد اور اصلاحات مردہ باد لکھا کسی پر کسی عہدہ دار کو دھمکی پر آمادہ کیا کسی سے استعفا دینے کی خواہش کی مگر انھوں نے کسی کو چھیڑا نہیں کسی کے جذبات کو ٹھیس پہنچانے والی کوئی چیز نہیں کی ان کو مشتعل کیا گیا تیر چھینکے گئے اور مختلف طریقوں سے کام لیا گیا جن انھوں نے نظم ضبط و صبر ہاتھ سے جانے نہیں دیا اس سے بڑھ کر اور کیا زیادتی ہو سکتی ہے کہ ان کی زبانی

تک بند کردی گئی۔ اخبارات کو آرڈر دیئے گئے کہ اصلاحات سے متعلق کوئی خبر تنقید یا مضمون شائع نہ کیا جائے۔

جبہ سائی اور آستانہ گردی کی منزلیں

میں آئینی طریقوں کو معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ یہ کہا جائے کہ اپنی پیشانیاں ان کی چوکھٹ پر رگڑی جائیں تو مجھے معاف کیجئے ہم نے اس منزل کو بھی ختم کر لیا۔ گذشتہ آٹھ ماہ میں جبہ سائی اور آستانہ گردی کی تمام منزلیں ختم کر دی گئیں۔ ایک چیز تھی کہ مسلمان اپنے حالات کا صحافت کے ذریعہ اظہار کرتے لیکن اخبارات کو بھی ان کے شائع کرنے کی ممانعت کر دی گئی البتہ اجازت دی گئی کہ ہر وہ چیز شائع کی جا سکتی ہے جس میں اصلاحات کی موافقت کی گئی ہو۔ "وقت" مرحوم نے کیا کیا۔ سر وزیر حسن کی تقریر کو حکومت کے سامنے پیش کیا کہ یہ شائع کی جائے یا نہیں؟ جواب آیا کہ شائع کی جا سکتی ہے۔ جب اس پر ایک نوٹ لکھ کر اشاعت کی اجازت کے لیے روانہ کیا گیا تو جواب ملتا ہے کہ یہ شائع نہیں کیا جا سکتا۔

حیدرآباد کی سیاست سے بے تعلقی

اصلاحات پر تنقید یا اصلاحات سے متعلق

مگر کچھ کہنے کی اجازت نہیں تو ہمیں بھی حیدرآباد کی سیاسیات سے کوئی

تعلق نہیں حکومت کو عام اجازت ہے کہ وہ ہندو ساتھیوں کو لے اور حکومت بنائے اس لیے کہ ع

ملک خدا تنگ نیست وپائے مرا لنگ نیست

ہر دلعزیز اخبار وقت کی بندش

نہ صرف اخبار رہبر دکن وصبح دکن پر پابندیاں

عائد کی گئیں بلکہ ہمارے ہر دلعزیز اخبار وقت کو جو عوام کے خیالات اور ذہنیت کی ترجمانی میں حصہ لیا تھا بند کر دیا گیا اس میں یہ بتایا گیا ہے چونکہ اس کے مضامین سے فرقہ وارانہ تصادم کا اندیشہ ہے اس لیے اس کو بند کر دیا جاتا ہے۔ کیا کبھی کسی مجرم کو قبل وقوع گرفتار کر لیا جاتا ہے؟ صرف وقت ہی وہ بدقسمت مجرم ہے جس کو قبل وقوع جرم سزا دی گئی وقت جیسے ہزاروں اخبار پیدا ہوں گے اور مٹ جائیں گے میں اس میں جو چیز دیکھ رہا ہوں اور اتحاد المسلمین نے جس چیز کو دیکھا ہے وہ ان مسلمانوں کی آواز کو دبا دینا ہے۔ جن کے اسلاف نے اس سرزمین کو اپنے خون سے سینچا اور جو بادشاہ کو اپنے سیاسی اور تمدنی اقدار کا مظہر سمجھتے ہیں۔

سہ رشتہ احتساب کی صلاحیتوں کا فقدان

آج کا مظاہرہ صرف اس

لیے نہیں ہے کہ وقت کو بند کر دیا گیا بلکہ حکومت کی پالیسی پر اظہار

رنج و ملال کرتا ہے۔ حکومت نے اجازت دے رکھی ہے کہ دکن کرانیکل بلوٹن، رعیت اور گولکنڈہ پیٹریکا وغیرہ جو چاہیں لکھیں اور شائع کریں مسلم اخبارات سے جواب طلب کیا گیا ہے انھوں نے اتحاد المسلمین کے ریزولیوشن کو کیوں طبع کیا!

گورنمنٹ کا سررشتہ احتساب جس کے ہاتھ میں اس قسم کے احکام ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تمام صلاحیتیں مفقود ہو گئی ہیں۔ اتحاد المسلمین کی تحریک کو جوں کا توں شائع کر کے صبح دکن بھی نوٹس کا شکار ہوا بہت ممکن ہے میری اس گفتگو پر بھی نوٹس لیا جائے!

مسلمان کو جینا ہے وہ جیے گا لیکن مسلمانو! تم کو سنا دیتا ہوں کہ بہادر یار جنگ یا بادشاہ حسینی اتحاد المسلمین میں رہیں یا نہ رہیں مسلمان کو جینا ہے وہ جیے گا اور اس کو رہنا ہے وہ رہے گا۔ سلطنت آصفیہ اسلامیہ مسلمانوں کا متروکہ اور ورثہ ہے۔ جس کو ان کے اجداد نے سوچا تھا۔ ہم آنے والی نسلوں کے لیے ہی نہیں بلکہ اسلاف کی روحوں کے نزدیک قابل ملامت قرار پائیں گے۔ اگر اس کے اقتدار کو ذرہ برابر بھی صدمہ پہنچا۔

مسلمانوں کا نظم و ضبط میں آپ میں جس چیز کو دیکھنا چاہتا ہوں وہ نظم و ضبط ہے

کسی ایک شخص یا جماعت کو اپنا امام بنالو اور اتحاد المسلمین جو پروگرام پیش کرے اس پر عمل پیرا ہو اس سے زیادہ نہ بڑھو۔ اس نے حکم دیا ہے کہ آج مکمل ہڑتال منائیں اور دوکانیں بند رہیں اور کاروباری لوگ اپنے رنج والم کا اظہار کریں۔

دوست اور دشمن کا امتیاز

حکومت پر واضح ہو جانا چاہیئے کہ اس سے بڑھ کر اس کی بدبختی نہیں ہو سکتی کہ وہ دوست اور دشمن میں تمیز نہ کر سکے جو دوست ہیں ان کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے اور جو دشمن ہیں ان کے آستانہ پر جبہ سائی کی جا سکتی ہے۔

اتحاد المسلمین کا پروگرام اور امام جماعت

اتحاد المسلمین پورے غور و فکر سے پروگرام مرتب کر رہی ہے۔

خبردار ـــــ اس کے خلاف نہ کیا جائے اور حاشا و کلا تمہاری جماعت امام سے خالی نہ رہے۔ ایک امام جب جاتا ہے تو دوسرا امام مقرر ہو جاتا ہے۔ مسلمان اپنی جماعت کو کبھی نہیں توڑتا امام بدلتے رہتے ہیں اگر ایک امام گرے تو تمہارا فریضہ ہے کہ دوسرے امام کو آگے بڑھائیں۔

خبردار ۔ تمہارے نظام میں فرق نہ آئے۔ کم درجہ کے شور و شر کے ذریعہ دوسروں کو اگر موقع دیا گیا تو پھر تمہاری کامیابی مشکل ہے۔

سیاسی برتری کا تحفظ

ایک ہفتہ اصلاحات کے لیے صرف کیا جا سکتا تھا بیکار کر دیا گیا ہمارے مخالفین کا منشا ہی یہ تھا کہ فرقہ وارانہ فساد ہو جائے ہندو اور حکومت دونوں چاہتے ہیں کہ اصلاحات نافذ ہوں۔ مسلمانو اس خطرہ کا احساس پیدا کرو۔ دس پانچ ہندوؤں کو مارنا تمہارا مقصد نہ ہو چاہیئے بلکہ تمہاری سیاسی برتری کا تحفظ تمہارا مقصد اصلی ہے۔

نواب بہادر یار جنگ بہادر کا ایثار

تمہارے اندر ایسے اشخاص چھوڑ دیئے گئے ہیں جو اتحاد المسلمین سے یا ہم سے جدا کرنے کی فکر میں ہیں وہ اصلاحات قبول کروا دینا چاہتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ بہادر یار جنگ جاگیردار ہے، جمعدار ہے، دولت مند ہے وہ تمہارا ساتھ نہ دے گا۔ میں صاف کہتا ہوں کہ مسلمانوں کے نزدیک دولت و حشمت کا درجہ ایک رائی کے برابر نہیں۔ بہادر یار جنگ یا اس کے ساتھی محمد رسول اللہ صلعم کے غلام ہیں۔ دولت و حشمت کی صداقت و خلوص

کے مقابلہ میں کبھی وہ پرواہ نہیں کرتے۔ سوال صرف وقت کا ہے بیوقت کا کام نقصان کا موجب ہوتا ہے۔

منافقین کی جماعت سے ہوشیار رہو

بہرحال وہ اشخاص تمہاری وعدت کو دھکا پہنچانا چاہتے ہیں تم لوگ ان سے ہوشیار رہو اور پھر ایک مرتبہ مضبوط عزم کرلو کہ اس مرکز وعدت کو نہ چھوڑیں گے اس کے حکم کی اتباع کے لیے ہر وقت تیار رہیں گے۔ خدا کے اس گھر میں تمہارے وعدے پر خوش خبری دیتا ہوں کہ تم ضرور کامیاب ہوں گے بشرطیکہ اپنی توجہات کو ایک طرف رکھو اور اشتعال انگیز کیفیات سے الگ رہو۔

تحریک خاکسار

یہ تقریر حضرت قائد ملّت نے خاکسار کیمپ کی جانب سے سالگرہ سلامی کی تقریب میں فرمائی تھی۔ ۱۸ر اگست ۱۹۳۹ء حیدرآباد)

محترم سالار اکبر صاحب میں آپ کو اور آپ کی جماعت کو مبارک باد دیتا ہوں کہ حالات حاضرہ کی شدید ترین مخالفتوں کے باوجود آپ کی جماعت کی ثابت قدمی میں کوئی فرق نہیں آیا گو یہ دیکھتا ہوں کہ جماعت کبھی گھٹتی اور کبھی بڑھتی رہتی ہے مگر میرے نزدیک یہ گھٹنا بڑھنا کچھ بُرا نہیں ہے۔ البتہ مٹنا بُرا ہے چاند کو دیکھیے کہ ہمیشہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اور مٹتا نہیں اس کے گھٹنے بڑھنے ہی میں اس کا حُسن اور خوبی ہے اور دنیا کے لیے اللہ تعالیٰ کی بہترین نعمت ہے اسی طرح آپ کی جماعت کی سیلاب وحوادث کا مردانہ وار مقابلہ کرنے والی مستقل مزاجی سے مجھے یقین ہے کہ یہ مٹنے والی نہیں ہے، بلکہ گھٹتے بڑھتے ہوئے بھی خلق خدا کو فائدہ پہنچاتی رہے گی۔

مسلمانو! اب میں آپ سے مخاطب ہوتا ہوں آپ اس جماعت کی قلت تعداد کو دیکھ کر ہنستے ہوں گے مگر یہ ہنسنے کا نہیں رونے کا مقام ہے۔ آپ ان پر کیا ہنس رہے ہیں اپنی آپ ہنسی اڑا رہے ہیں اس لیے کہ نہ یہ آپ سے جدا اور نہ آپ ان سے علیحدہ، سب مسلمان ہیں اور خاکسار تحریک مسلمانوں کی منظم تنظیم ہے میں اپنے کامل غور وخوض کے بعد اس تحریک کو دوسری تمام تحریکوں سے زیادہ مفید یقین کر کے شریک ہوا ہوں اور اب تک شریک ہوں چند روز پیشتر مجھ میں اور علامہ مشرقی میں کچھ خفیف سا اختلاف ہو گیا تھا اور وہ بھی محض اس بنا پر تھا کہ علامہ صاحب نے ہمارے ملک کے مقامی حالات سے ناواقف رہ کر انجمن اتحاد المسلمین کے معاملہ میں دخل دیا تھا میں انھیں اب بھی غلطی پر سمجھتا ہوں لیکن اس کی ذمہ داری بھی ان پر نہیں بلکہ یہیں کے بعض افراد پر ہے مذکورہ اختلاف فروعی اور جزوی تھا۔ اصول تحریک سے مجھے نہ کبھی اختلاف ہوا اور نہ اب ہے میرے علم میں اس وقت ہندوستان میں کوئی ایسی تحریک موجود نہیں ہے جو خاکسار تحریک سے زیادہ مسلمانوں کے حق میں مفید ہو۔ مسلمانوں میں سب سے زیادہ کمی اس بات کی ہے کہ ان میں مستقل مزاج کارکن نہیں ہیں۔ تحریک کی سب سے بڑی خوبی یہ

ہے کہ وہ ایسے افراد پیدا کر رہی ہے جیسے جیسے نظام مضبوط ہوتا جا رہا ہے ویسے ویسے برخود غلط رہنماؤں کی افواہی مخالفتیں ترقی کر رہی ہیں میدانِ عمل سے الگ رہ کر خدا کو راضی کرنے کے غلط تخیل میں مست رہنے والوں کو میں صاف صاف سنا دینا چاہتا ہوں کہ جب تک خدا کے سپاہی نہیں بنیں گے۔ خدا کی رضامندی کا پروانۂ رفعت بلندی ہرگز ہرگز نصیب نہ ہوگا۔ یہ کس قدر ظلم کی بات ہے کہ جس کام کو خود انجام دینا چاہیے تھا وہ اگر اپنی پست ہمتی و کم حوصلگی سے سرانجام نہ ہو سکا تو دوسرا کلمہ گو بھائی بھی اس کام کو انجام دیتا ہوا نہ دیکھا جا سکے۔ اس کے پیچھے ذاتی عقائد کا شاخسانہ کھڑا کیا جائے اسکے تجویز کردہ ہتھیار پر اعتراض کیا جائے اسکی غیر مسلموں کے ساتھ رواداری پالیسی پر تعزیر آمیز طنز کیا جائے۔

دوستو اور عزیزو! یہ تاریخ عالم کا کھلا ہوا واقعہ ہے کہ دنیا میں جب کبھی کوئی مخلص انسان خدا سے لو لگی ہوئی اور ذلت نصیب قوم کو بلندی اخلاق کا سبق دے کر عزت و شوکت کے بام عروج پر پہنچانے کا عزم صمیم لے کر نمودار ہوا تو خود غرض افراد قوم نے اس مخلص انسان میں کسی ذاتی عیب کو نہ پا کر ہمیشہ معتقدات ہی کے کمزور ہتھیار سے وار کیا آج بھی اس مخلص انسان غایت اللہ خاں المشرقی کے ساتھ یہی کیا جا رہا ہے۔ یہ یاد رہے کہ کسی مستقل مزاج

انسان کو اس اوچھے ہتیار سے گھائل نہیں کیا جا سکتا۔ عنایت اللہ خاں المشرقی نے امیرانہ زندگی پر لات مار کر صرف تین جوڑے معمولی کپڑوں پر زندگی بسر کرنے کا ایسا ریکارڈ قائم کیا ہے کہ ہندوستان میں ایک شخص ایسے مستقل ارادے کا نہیں ہے ان کی اسی ہمت مردانہ نے مجھے یقین دلایا کہ یہ شخص اپنے قافلہ کو منزل پر پہنچا کر رہے گا اور یہ کام سوائے ایسے دیوانے کے کسی اور سیانے سے ہونے کا نہیں کیوں کہ دنیا میں جس قدر انقلاب ہوئے وہ سب ایسے ہی دیوانوں سے ہوئے آج جب کہ قرآن حکیم دنیا کے سامنے بلفظہٖ موجود ہے اختلاف عقائد کا سوال پیدا کرنا محض بے معنی اور نہایت لغو ہے ہمارا ایمان ہے کہ اللہ کا کلام ہمیشہ محفوظ رہنے والا ہے اور عنایت اللہ خاں المشرقی آج نہیں کل مرنے والے ہیں مسلمانوں کا تعلق تو کسی مرنے والے سے نہیں بلکہ ہمیشہ زندہ رہنے والے سے ہوتا ہے آج تک لاکھوں عقائد پیدا ہوئے اور مٹے اور بعض تو اب تک بھی ہیں لیکن قرآنی عقائد میں کوئی فرق نہیں آیا اور مسلمانوں کے لیے قرآنی عقائد کافی ہیں اور مسلمان کرۂ ارض کے گوشہ گوشہ میں قرآن حکیم کو سنبھالے ہوئے موجود ہیں نیز میں جہاں تک بغور تمام دیکھ رہا ہوں عنایت اللہ خاں المشرقی نے آج تک کبھی عقائد کا سوال ہی پیدا نہیں کیا بلکہ ہزاروں دفعہ لکھا کہ

ہر شخص اپنے عقائد پر مضبوطی سے جما رہے۔ شیعہ شیعہ رہے سُنّی سُنّی رہے حتیٰ کہ یہ بھی حکم دیا گیا کہ اگر کبھی کوئی سالار کسی خاکسار کو اس کے معتقدات کے خلاف حکم دے تو اس حکم کی تعمیل نہ کی جائے اب اس کے بعد اس جزو کے متعلق کیا اعتراض باقی رہ سکتا ہے پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ اس طوائف الملوکی کے زمانہ میں کس شخص کا عقیدہ ایسا ہے کہ اس پر سارے کلمہ گویان اسلام متفق ہو سکیں اور اس کو عملی زندگی میں آگے بڑھتا ہوا دیکھ کر بغض و حسد سے نیچے گرانے کے لیے اس کے عقائد کو اچھالا نہ جا سکے لیجئے میں خود اپنے آپ کو آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں کہ اگر میرا چوبیس گھنٹے قومی کاروبار میں منہمک رہ کر قوم کو درس بیداری سکھانا کسی حاسد و بے دین کی آنکھوں میں خار بن کر چبھے تو میرا جدوی ہونا شرارت و نفاق پیدا کرنے کا حیلہ نہایت آسانی سے بن سکتا ہے۔ خدا ایسے افراد سے بچائے۔

میں آپ سب کو نہایت خلوص و ایمانداری سے ہدایت کرتا ہوں کہ آپ کبھی ایسی غلط فہمیوں کا شکار نہ بنیں عمل کو دیکھیں اور عمل پیدا کریں یہی کامیابی کی کلید ہے

دوسرا اعتراض اس نیلچہ پر ہے جو میرے ہاتھ میں ہے مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کے دماغ سے ضروریات زندگی

کے ایجادات کی قوت تو عرصہ ہوا سلب ہو چکی تھی مگر اب تو کسی چیز کے مفید اور مضر ہونے کے صحیح نتیجہ پر پہنچنے کا ملکہ نکلتا جا رہا ہے۔ میں مہینوں غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ ہندوستان ایسے ملک میں جہاں قانوناً ہتھیار رکھنا جرم تعزیری ہے مسلمانوں میں سپاہیانہ تنظیم کی روح پھونکنے اور سارے ہندوستان میں ایک نظام پیدا کرنے کے لیے اس سے بہتر اور اس سے مفید تر کوئی چیز ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر ہمارے رہنمایان دین علامہ مشرقی کے کم از کم اس تدبر پر غور کرتے تو مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور ان کی قابلیت کی داد دیتے مگر افسوس ہے کہ ہم میں دن بہ دن اعتراضات کرنے کا ملکہ ہی ترقی کر رہا ہے اور کسی ٹھوس کام کرنے کی طرف رجحان نہیں اور اعتراض کی وجہ بھی بظاہر صرف یہ نظر آتی ہے کہ چونکہ ہم اس کے اٹھانے کو پسند اور گوارا نہیں کرتے لہٰذا اس کو حقارت انگیز اور نفرت آمیز کہہ کر جان چھڑالی جائے اللہ رحم کرے۔

خاکسار کے لیے اقرار توحید کا لزوم

تیسرا اعتراض جو خاکسار تحریک میں غیر مسلموں کی شرکت سے متعلق ہے زیادہ وزن دار اور عوام کو آسانی سے گمراہ کرنے والا ہے۔ لیجئے میں آپ پر اس کی حقیقت بھی واضح کر دوں

اسلام کا مایہ ناز و مایہ الامتیاز مسئلہ توحید باری تعالیٰ ہے۔ قرآن حکیم کو شروع سے آخر تک پڑھا جائے تو تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا ماحصل و نچوڑ وحدانیت یعنی مرکز کائنات پر ایمان اور اس کے محاسبہ کا خوف پیدا کر کر اعمال انسانی کو اس سطح پر لانا ہے کہ خود انسان اپنی زندگی راحت و سکون کے ساتھ بسر کر سکے۔ علامہ مشرقی نے یہی کیا۔ خاکسار تحریک میں غیر مسلموں کی شرکت کے لیے یہ شرط عائد کر دی کہ جب تک خدا کے ایک ہونے اور قیامت کے برحق ہونے کا اقرار نہ کیا جائے گا کسی کو شریک تحریک نہ کیا جائے گا۔ گویا انھوں نے سب کو مسلمان کرنا چاہا ہے آپ کہیں گے کہ بغیر اقرار رسالت مسلمان کیسے۔ میں کہتا ہوں کہ کیا خدا اور قیامت کا اقرار کر دینے میں رسالت کا اقرار شامل نہیں ہو جاتا۔ غالباً آپ نے اس نازک صورت حال پر کبھی غور نہیں کیا۔ آیئے آج میں آپ کو واقف کراؤں کہ رسول صلعم کی زندگی مبارک میں یہود و نصاریٰ کو مقدس مذہب اسلام سے اس لیے چڑ اور ضد تھی کہ رسالت کو درمیان میں لایا جاتا تھا جب حضورؐ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے حضرت انسؓ کو حکم دیا کہ جاؤ اعلان کر دو کہ۔ مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔

یعنی جس شخص نے خدا کی وحدانیت کا اقرار کر لیا وہ جنتی ہے

جب حضرت عمرؓ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے حضورؐ سے دریافت فرمایا کہ کیا مسلمان ہونے کے لیے رسالت کا اقرار ضروری نہیں ہے تو حضورؐ نے نہایت خندہ پیشانی سے جواب دیا کہ "میں نے جو کچھ کہا ہے وہ درست ہے انھیں اعلان کرنے دو" صرف خدا کو سچے دل سے مان لینا ہی اخلاقی امراض کا شافی علاج ہے۔ یہی چیز صلح حدیبیہ کے وقت بھی نمایاں ہوئی ہے کہ حضرت علیؓ نے صلحنامہ منجانب رسول اللہ مرتب کیا۔ کفار عرب کو لفظ رسول پر اعتراض ہوا تو حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے مٹا دیا۔ حیاتِ طیبہ کا یہ درخشاں کارنامہ اللّٰہُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض کے مفہوم حقیقی کا روشن مظہر ہے۔ خدائے رب العلمین نے رسول رحمۃ العلمین کو حکم یہ دیا تھا کہ منکرین رسالت کو اس طرح قریب کرو تاکہ وہ احکام خداوندی کو بہ تفصیل ماننے کے لیے آمادہ ہو جائیں جس میں رسالت کو درجۂ اولیت حاصل ہے۔ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِهٖ شَیْئًا افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اس تعلیم کو بھلا دیا۔

غرض یہ اور اس قسم کے تمام اختلافات جو کیے جا رہے ہیں وہ یا تو بعض خود غرض افراد کے پیدا کردہ ہیں یا بھولے بھالے غیر مدبر لوگوں کی عدم تحقیق کا نتیجہ ہے۔ علامہ صاحب نے مسلمانوں میں اسلامی

عسکری روح کو پیدا کرنے کے لیے صحیح طریق عمل شروع کیا ہے کہ عقائد کو حدودِ تحریک سے روز اول ہی سے خارج کر دیا ہے علامہ صاحب کے ذاتی عقائد جو کچھ ہوں ان سے جس کسی کو جس قدر شدید اختلاف ہو سکتا ہے رہے اور اس پر وہ نہایت آزادی سے عمل پیرا رہے اس کو کوئی نہ چھیڑے گا باوجود اس کے اختلاف پیدا کر کے مسلمانوں کی ایک ہوتی ہوئی تنظیم کو نہ ہونے دینا اور پھر اپنے کو عمدہ عقائد پر ناز کرنے والوں کا خود بھی کوئی تنظیم پیدا نہ کرنا میرے نزدیک گناہِ عظیم ہے۔

مسلمانو! میں تم سے نہایت خلوص اور ایمانداری سے کہتا ہوں کہ تمام اختلافات کو فنا کر دو اور اپنے اسلاف کے روایات کے شایانِ شان ایک مضبوط نظام جلد از جلد پیدا کرو ورنہ یاد رکھو کہ حوادثِ زمانہ تمھیں مٹا کے چھوڑیں گے۔

مسلمانو! مجھے یقین ہے کہ خاکسار تحریک خالص اسلامی تحریک ہے۔ اس کا فائدہ مسلمانوں ہی کو پہنچے گا۔ آپ جانتے ہیں کہ اگر ہرن پر گولی چلائی جائے اور ہرن چھلانگ مارتا ہوا نکل جائے تو کوئی نہیں کہے گا کہ نشانہ صحیح بیٹھا برخلاف اس کے اگر ہرن تڑپنے لگے تو ہر شخص یقین کرے گا کہ نشانہ صحیح بیٹھا۔ پس صاف دیکھ لو کہ

میں نے دو گولیاں چلائی تھیں ایک تبلیغ کی دوسری خاکسار تحریک کی ان دو گولیوں نے ہمارے دشمن کو اس بری طرح تڑپایا کہ ہر بات میں چیخ چیخ کر ان ہی گولیوں کو کوستا ہے۔ جب دشمن کو ان گولیوں سے تڑپتا ہوا دیکھتے ہو تو پھر اس عمل سے تمہاری علیحدگی میری سمجھ سے باہر ہے۔ یہ صحیح گولیاں ہیں تمہیں بھی اس کا استعمال ضروری ہے تاکہ وہ اور زیادہ تڑپے یا ہمارا ساتھی ہو جائے۔ اب میں نے تیسری گولی اتحاد المسلمین کی چلائی ہے یہ آخری اور زیادہ موثر گولی جو اس کو موت کے گھاٹ اتار رہی ہے اب اس میں کوئی دم نہیں رہا ہے کہ ہمارے مقابلہ پر آئے مگر ہاں میں تمہیں صاف بتلا دینا چاہتا ہوں کہ ہر ہندو ہمارا دشمن نہیں ہے۔ بہت بڑی اکثریت ہماری دوستی پر فخر کرتی ہے صرف چند اشرار ہیں اور سب بیرونی اثرات ہیں۔ اب انشاءاللہ ان سب کا خاتمہ ہو جائے گا۔

دوستو اور عزیزو! ان حالیہ فسادات میں آپ نے مجھے الزام دیا ہے کہ میں بزدل ہوں تمہیں ہاتھ چلانے سے روکتا رہا ہوں ہاں یہ صحیح ہے کہ بے شک روکتا رہا ہوں، مگر کس چیز کو روکتا رہا ہوں۔ تمہارے بے وقت عمل کو روکتا رہا ہوں۔ تمہارے اسلامی جذبات کو اور تیز کر کے تم کو وقت کا انتظار کرنے کے لیے تیار کر رہا ہوں بلکہ گر آپ سننا

چاہتے ہیں تو صاف صاف کہہ دیتا ہوں کہ مجھے ہنگامی جوش والے قطعاً پسند نہیں ہیں۔ پہلی آواز پر بے سمجھے لبیک کہنے والوں پر پوری طرح بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ جو جتنا جلد آتے ہیں وہ اتنا جلد سرد بھی پڑ جاتے ہیں۔ میرے پیش نظر یہ ہے کہ آپ لوگ بلانے پر آنا، بٹھانے پر بیٹھنا، چلانے پر چلنا، کھڑا کرنے پر کھڑے رہنا سیکھیں۔ جس دن یہ مشق دیکھوں گا اس دن تم سب کو اپنے ساتھ لے کر سب کے آگے خود رہ کر مسلم حقوق کی حفاظت کے لیے جان و مال کی بازی لگاؤں گا۔ نہ میں ..... پیچھے ہٹوں گا اور نہ آپ کو پیچھے ہٹنے دوں گا۔ اس گفتگو سے میرا مطلب یہ ہے کہ اس وقت تین جماعتیں عسکری نظام پیدا کر رہی ہیں ایک تو یہ خاکسار تحریک، دوسری رضاکاران اتحاد المسلمین تیسری حزب اللہ یہ تینوں اسلامی نظام ہیں۔ ان میں سے آپ کا ضمیر جس جماعت میں شرکت کو مناسب سمجھے فوراً اس میں شامل ہو کر کام شروع کر دیجئے اس طرح تماشا بیں بنے رہنا مجھے ہرگز پسند نہیں ہمارا تماشا تو ہمارے غیر کو دیکھنا چاہیئے۔ اپنا تماشا ہم خود ہی دیکھیں تو غیروں کو ہنسنے کا موقع ملتا ہے۔

اطاعتِ امیر

حیدر آباد دکن کے کیمپ (۱۰، ۱۱، ۱۲ ستمبر ۱۹۳۷ء) میں
نواب بہادر یار جنگ کا بصیرت افروز خطاب

نوجوانانِ ملّتِ حنیف

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

دو روز کی مسلسل مشقت کے بعد آپ کا جسم اور اس کا ایک ایک عضو یقیناً آرام و راحت کا متلاشی ہوگا۔ ایسے وقت میں میرا چند لمحوں کے لیے آپ کو روکنا ممکن ہے آپ کو ناگوار ہو۔ مگر مجھے یقین ہے کہ جس طرح بہت سی ناگوار باتوں کو آپ نے محض اللہ کے لیے اب تک برداشت کیا ہے۔ اسی طرح میری اس تکلیف دہی کو بھی آپ معاف فرمائیں گے۔

دوستو! دنیا نے نہ کسی فرد نے تکلیف کے بغیر آرام و راحت کی صورت دیکھی نہ کسی قوم نے جس کو تلاش راحت ہے اس کو پہلے مبتلائے معائب ہونا چاہیئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے

ہیں. فمن طلب العلیٰ سحر اللیالی اور ہمارا عہد حاضر کا شاعر کہتا ہے ؎

میں تم کو بتاتا ہوں تقدیر اُمم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل طاؤس و رباب آخر

جن قوموں نے اس راز حیات اور سرّ زندگی کو پہچانا ان کی رفعت و مرتبت کو پہچاننا دنیا والوں کے لیے مشکل ہو گیا لیکن جن امتوں نے ذلت و رسوائی میں بھی شمشیر و سناں سے بیگانہ ہو کر چنگ و رباب سے دوستی کی وہ دنیا میں کسی کے لیے قابل رشک نہیں رہیں. کیا تم کو ان دنوں کی یاد دلانے کی ضرورت ہے جب کہ دو جہاں کے سردار اور صاحب لولاک خاتم النبیین اور رحمۃ للعالمین اپنی راتیں گھوڑوں کی ننگی پیٹھوں پر بسر کرتے تھے اور راتوں کو جاگتے جاگتے آپ کے قدوم مبارک متورم ہو جایا کرتے تھے کیا تم نے تاریخ کے ان ایام پر نظر نہیں ڈالی جب کہ فاروق اعظم میدان جنگ سے آنے والے نامہ بر کی تلاش میں مدینہ سے میلوں دور نکل جایا کرتے تھے. کیا تم نے ان دنوں کو بھلا دیا جب کہ دنیا کے چھوٹے بڑے امیر و غریب اور عرب و عجم کا فرق مٹانے والا کفر و ایمان کے درمیان ایک خندق کے ذریعہ حد فاصل کھینچ رہا تھا اور اس کے شکم اطہر

پر پتھر بندھے ہوئے تھے۔ اگر یہ سب تم کو یاد ہے تو پھر مجھے تمہاری اس زحمت پر اظہار تاسف و ہمدردی کی ضرورت نہیں جو تم نے بھول سے یہاں برداشت کی ہے۔ زحمت ناآشنائی اور محنت ناشناسی ہی تو ہماری اس نکبت و ذلت کی ذمہ دار ہے جس کو محسوس کر کے پھر ایک مرتبہ ہم آمادۂ عمل نظر آتے ہیں خدا ہمارے ارادوں میں برکت اور ہمتوں میں بلندی عطا کرے۔

عسکریت منتہائے اقوام عالم ہے دنیا کی ہر نئی چیز کی طرح خاکسار

تحریک کی ابتداء بھی حیرت و استعجاب کی نگاہوں سے دیکھی جا رہی ہے۔ سنی سنائی پر اعتبار کر لینے والوں اور سطحی معلومات رکھنے والوں نے جو اس کی حقیقت کو پہچان ہی نہ سکے اس کو دنیا کی نگاہوں میں ایک ہوّا بنا کر پیش کیا اور یہ سب ان لوگوں نے کیا جن کی نگاہیں اپنی چار گز کی چار دیواری سے آگے نہیں دیکھ رہی تھیں اور جن کا مقصد حیات ہی یہ تھا کہ مسلمانوں کو پستی کی حالت میں رکھ کر اپنی نام نہاد عظمت و بڑائی کی نمائش کریں۔

جاننے والے جانتے تھے اور جانتے ہیں کہ اس کائنات میں صرف وہی چیز دوام و بقاء حاصل کر سکتی ہے جو قوی اور توانا ہے

اور قوت کا راز جمعیت و عسکریت میں پوشیدہ ہے۔ کیا قرآن وَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا۔ کا درس دے کر اور اکرام الٰہی کے مستحق مومن کی شان میں "یجاھدون فی سبیل اللّٰہ صفاً کانھم بنیان" مرصوص۔ کہہ کر اسی اجتماعیت و عسکریت کی تعلیم نہیں دی تھی۔ اور کیا تاریخ نے مسلمانوں کو اپنی پیشانی پر جگہ نہ دی جب تک وہ متحد اور شمشیر بکف رہے اور کیا آج بھی دنیا کی صرف وہی قومیں سربلند اور سرافراز دکھائی نہیں دے رہی ہیں جنھوں نے زندگی کے اس راز کو پہچان لیا۔ قطع نظر ان کے دوسرے معتقدات سیاسی کے نازیت اور فاشسلیت کیا اسی قوت طلبی اور طاقت کوشی کے مظاہرے نہیں ہیں اور کیا تقلیل اسلحہ کی تمام سرگرم کوششوں کی ناکامی کا راز یہی نہیں ہے کہ قومیں طاقت اور صرف طاقت چاہتی ہیں۔ کچھ ہی دنوں قبل کے اخبار میں وزیر مالیہ برطانیہ کی تقریر پڑھیے جو انھوں نے برطانوی پارلیمنٹ میں یہ تحریک پیش کرتے ہوئے کی کہ حکومت کو اپنی بحری اور ہوائی طاقت بڑھانے کے لیے ایک کافی رقم کی منظوری دی جائے تاکہ برطانیہ کی طاقت کسی اور ہمسایہ ریاست کی طاقت سے گھٹی ہوئی نہ رہے۔ اگر یہ سب حقائق ہیں جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا تو پھر سوچیے کہ خاکسار تحریک

اس کے سوا اور کیا چاہتی ہے کہ آپ متحد اور قوی ہو جائیں۔ اپنے تمام اختلافات ذاتی و قومی و مذہبی کو مٹا کر متحد اور اپنی تمام سستیوں آرام طلبیوں اور راحت کوشیوں کو فنا کر کے طاقتور بنیں۔ دنیا کے فساد کی تاریخ پر نگاہ ڈالو تو معلوم ہوگا کہ کمزور کے وجود نے طاقتور کے جسم میں چھریری پیدا کی اور جہاں دونوں طرف طاقت نظر آنے لگی وہاں امن ہی امن کی کارفرمائی تھی۔ کیا حبشہ کی بے طاقتی ہی اٹلی کے لیے دعوت پیکار نہ تھی، کیا چین کی کمزوری ہی نے جاپان کو آمادۂ پیکار نہیں کیا۔ اور کیا دول یورپ میں ہر ایک کی طاقت کا توازن گزشتہ پانچ سال سے جنگ کے بادلوں کو آندھی بن کر نہیں اڑا رہا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو اپنی زندگی کے قطع نظر دنیا کے امن کی خاطر اتحاد و عسکریت پیدا کرو۔ یہی تم کو خاکسار تحریک سکھلا رہی ہے۔

اسلام کا منتہا عزیزو یہ سبق تم نے بارہا پڑھا کہ مسلمان صرف غالب صرف حاکم اور صرف قومی رہنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اس سے صرف چند شرائط کے ساتھ دنیا کی بادشاہت اور آخرت کی سرفرازی کے وعدے کیے گئے اور جب تک وہ شرائط پورے ہوتے رہے مواعید کی بھی تکمیل ہوتی رہی۔ جب سے مسلمان نے فطرت کے مقرر

کردہ اصول ارتقاء کو چھوڑا فیروزمندی اور سرفرازی نے بھی اس سے دوری اختیار کی۔

اسلام میں اطاعت امیر کا نصب العین کائنات عالم کا

ذرّہ ذرّہ شاہد ہے کہ ایک اور صرف ایک طاقت ہی ایک پورے نظام کو چلا سکتی ہے۔ ایک آفتاب سارے نظام شمسی پر حکومت کر رہا ہے اور ایک خدا سارے عالم کائنات کو سنوار اور بگاڑ رہا ہے۔ دنیا نے بہتیرا جمہوریت کا راگ گایا لیکن۔ قومیں اگر بنیں تو ایک اور صرف ایک شخص سے بنیں۔ اسلام نے جس جمہوریت کی تم کو تعلیم دی وہ یہی تھی کہ سب مل کر ایک اور صرف ایک کو اپنا حاکم بنالیں اور پھر اس وقت تک اس کی اطاعت کریں جب تک وہ جماعت کے قبول کردہ قواعد و قوانین کے موافق حکم دے رہا ہو۔ تم نے دیکھا کہ جب تک مسلمان اس پر کاربند رہے ان کے سیلاب ترقی کے سامنے کوئی طاقت کھڑی نہ رہ سکی، اور جب سے ہم نے اور ہم میں سے ہر ایک نے اپنے لیے جدا جدا مرکز بنا لیے ایک کو بڑا بنانے اور اس کی بات ماننے کی عادت چھوڑی اپنے آپ کو سب سے بڑا اور اپنی رائے کو واجب التعمیل سمجھا

وہی دن ہے اور آج کا دن کہ ہم ہیں اور غلامی۔ ہمارے سر پر غرور ہے اور سنگ ذلت و خواری جس سر نے اپنوں کے سامنے جھکنا گوارا نہ کیا اس کو فطرت کے اٹل قوانین نے غیروں کے سامنے جھکایا اور پوری رسوائی کے ساتھ جھکایا۔ میں شاعر نہیں ہوں مگر کبھی جذباتِ قلب شعر کی صورت میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اسی مضمون کو ایک دفعہ بگڑا کر یوں ادا کیا تھا ممکن ہے کہ آپ کو پسند آئے۔

غیر کے جوتے زمانہ اس سے کرواتا ہے صاف
جس کو اپنے بھائی کی جائز اطاعت عار ہے

ہماری زبان کی مشہور مثل ہے کہ صبح کا بھولا اگر شام کو گھر آجائے تو اس کو بھولا کہنا نہ چاہیئے۔ اسی طرح آج بھی جب کہ ابھی نورِ امید کی ایک آدھ شرمائی ہوئی کرن افقِ مغرب میں باقی ہے اگر مسلمان چونک جائے اپنی موجودہ خود رائی و خود سرائی کو دیکھے اور آمادہ اصلاح ہو جائے تو میں اس کو قابلِ مبارکباد سمجھوں گا۔ خاکسار تحریک اس بیداری کے لیے ایک الارم ہے اور چاہتی ہے کہ تم چونکو اور پھر آمادۂ تنظیم و اصلاح ہو جاؤ۔

دائمی حرکت اور روزانہ عمل کی حکمت

تمہاری بے لوث محنت و مشقت

بے مزہ خدمت و اطاعت اور بے خوف رفتار و کردار ہی تمہارے مستقبل کی تعمیر کے ضامن ہیں۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ ہماری ساری زندگی چند عادتوں کے مجموعے کا دوسرا نام ہے اور خصوصاً محنت اور مشقت اس وقت تک طبیعت ثانی نہیں بنتی جب تک اس کی عادت نہ ڈالی جائے۔ یہ جو تم اپنے ملک کی فوجوں کو صبح سے شام تک مصروف عمل دیکھتے ہو تو کیا وہ کسی فوری جنگ کے لیے تیار ہو رہی ہے ان میں سے بہت سے سپاہی اس مشق اور تیاری میں اپنی ڈاڑھیاں سفید کرتے اور لقمہ اجل ہو جاتے ہیں اور ان کو ساری عمر میں کبھی میدان جنگ کی صورت دیکھنی نصیب نہیں ہوتی لیکن اس کے باوجود ان سے اس لیے روزانہ محنت لی جاتی ہے کہ وہ محنت کے عادی ہو جائیں۔ مسلمانوں کی فتوحات و کامیابی نے اس کو اپنی حالت پر اتنا مطمئن اور اپنی شجاعت پر اتنا مغرور کر دیا کہ اس نے محنت و مشقت کی عادت کو بے ضرورت سمجھا۔ اب اس کے دن آرام اور راتیں عیش میں گذرنے لگیں اس نے بھلا دیا کہ حقیقی آرام محنت کے بعد لی جانے والی سانس کا نام ہے۔ اور حقیقی راحت مشقت کے بعد لیٹنے والے جسم کو حاصل ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ خاکسار تحریک آپ کو ہمیشہ پابندی کے ساتھ

محنت پر آمادہ کرتی ہے اور یہی اس کے اصول کی جان ہے۔

خدمت خلق ایک شعر بچپن میں پڑھا تھا
اب تک یاد ہے اور مرتے
دم تک یاد رکھنا چاہتا ہوں ؎

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھیں کروبیاں

اور اگر سچ پوچھیے تو دردِ دل ہی کے ذریعہ طاعت حقیقی حاصل کی جا سکتی ہے۔ بھلا بتایئے تو خدا کو میری طاعت و فرمانبرداری سے کیا فائدہ پہنچے گا۔ وہ قید جسم و جسد سے پاک ہے اور خواب و خور سے مبرا و منزہ ہیں۔ اگر اس کی اطاعت کروں تو خود اس کو تو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا۔ البتہ اس اطاعت سے جو نفع پہنچے گا خود مجھے یا میری نوع بشری کو پہنچے گا۔ حدیث شریف نے اس کی زیادہ صراحت کر دی ہے ارشاد ہوا کہ مخلوق خدا کنبہ ہے۔ تم میں سے جو مخلوق خدا کے ساتھ بھلائی کرتا ہے کہ ان میں سے جو ہماری اعانت و امداد کا مستحق ہو اس کو اپنی پوری طاقت سے مدد دی جائے۔ ہم بیکسوں کا سہارا بن جائیں۔ بیواؤں کی دستگیری کریں، یتیموں کی سرپرستی کریں اور معذوروں کا غم کھائیں۔ سعدی علیہ الرحمۃ نے سچ کہا کہ ؎

طریقت بجز خدمت خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

بھائیو! خاکسار تحریک تم کو اس خدمت خلق کی طرف بلاتی ہے کیا اس صدا کو نظر انداز کر دینا۔ اس دعوت کو مسترد کرنا اور اس آواز پر لبیک نہ کہنا خدا اس کے رسولؐ اور ان کے احکام سے انحراف نہیں ہے؟

تمہاری قلّت تمہاری آخری فتح کی دلیل ہے

تحریک خاکسار ان کے اصول سے متعلق یہ چند جملے تم کو سناتے ہوئے میں تمہارے چہروں کی طرف غور سے دیکھ رہا تھا۔ اگر چہرہ وہ کتاب ہے جس میں قلب کے ارتعاشات مرتسم ہوتے اور پڑھے جا سکتے ہیں تو میں کہہ سکتا ہوں کہ تم اپنی کمی تعداد اور قلت کی وجہ سے دل برداشتہ ہو۔ حالانکہ یہی چیز قابل مبارک باد ہے۔ اگر کسی جگہ مداری کے جادو سے آناً فاناً ایک درخت کو زمین سے ابھرتا اور پھیل دیتا ہوا دیکھو تو یقین کر لو کہ وہ اسی طرح آناً فاناً فنا ہونے اور مٹنے والا ہے۔ برخلاف اس کے کہ جو درخت زیادہ عمر پاتے زیادہ مضبوط، زیادہ مفید اور زیادہ سایہ دار ہوتے ہیں یعنی جن کی اصل ثابت اور جن کی فرع آسمانوں

میں ہوتی ہے ہمیشہ وہ پہلے کونپل کی صورت میں نمودار ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر مخالف سمجھتا ہے کہ جب چاہوں گا اکھاڑ کر پھینک دوں گا پھر اپنے تنہ پر کھڑے ہو کر مضبوط ہوتے ہیں پھر تن کر ہوا میں لہلانے لگتے ہیں اور ان کا لگانے والا ان کی طرف افتخار و استعجاب سے دیکھنے لگتا ہے تحریک خاکساران کو بھی ایک ایسا ہی گھنا اور سایہ دار درخت سمجھو جس کے بیج نے سالہا سال کے غور و فکر کے بعد زمین خیال سے فضا عمل میں سر اونچا کیا اس کی موجودہ کمی تعداد اور بے سروسامانی کو دیکھ کر اس کے مخالف ہنستے ہیں لیکن نہیں جانتے کہ عداوت و بغاوت کے آنے والے طوفان میں اگر ان کو کہیں پناہ ملے گی تو اس کی سایہ دار شاخیں اور اسی کی مضبوط پٹر ہو گی۔

دوستو دنیا کی تاریخ اٹھا کر پڑھو تو معلوم ہو گا کہ کثرت تعداد میں نہیں بلکہ قلت و تنظیم میں قوموں کی فتح مندی کا راز پوشیدہ ہے۔ دنیا کے کسی فاتح کا نام نہ لے سکو گے جس نے اپنی مفتوح قوم کے مقابلہ میں اس کی تعداد سے زیادہ فوج لے کر چڑھائی کی ہو۔ مصر کے قبطی عمرو ابن العاص کے دس ہزار ساتھیوں سے سو گنا زیادہ تھے، اور ہندوستان کے ہندو محمد ابن قاسم کے مٹھی بھر نبرد آزماؤں سے ہزار گنے بڑھ کر تھے

چیز کثرت ایمان اور قوت تنظیم ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر ارشاد (کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ) کی تفسیر سمجھ میں آتی ہے۔ اگر تمہارے بعض ساتھی اس میدان عمل و ابتلاء میں ثابت قدم نہ رہ سکے اور ہٹ گئے تو فکر نہ کرو۔ دنیا میں آئے دن یہی ہوتا رہتا ہے آسمان سے لاکھوں قطرے برستے ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک موتی نہیں ہوتا۔ دامنِ کوہ میں لاتعداد و لاتحصیٰ پتھر پھیلے ہوئے ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک اس قابل نہیں کہ وہ کوہ نور کی طرح زینت تاج خسرو بنے۔ امتحان عمل کی بھٹی سنار کی آگ سے زیادہ تیز آگ رکھتی ہے۔ اس میں گرنے کے بعد صرف خالص سونا ہی سلامت نکل سکتا ہے میل کچیل ہمیشہ سونے کے ساتھ داخل تو ہوتے لیکن تاب سوختن و تپیدن نہیں لاسکتے اور فنا ہو جاتے ہیں۔

تحریک کے مخالفین میں سے ایک بھی نہیں ہے جس کو تحریک کے ان اصول سے جو میں نے ابھی بیان کیے کوئی اختلاف ہو ان کا اختلاف تحریک سے نہیں بانیِ تحریک سے ہے۔ اس کی بنیاد ذاتیات اور نفسانیت پر ہے۔ علامہ عنایت اللہ خاں المشرقی

نے یہ دیکھ کر کہ تکلف اور مروت کے عام اصول نے آج تک حقیقت کو بے نقاب نہ ہونے دیا جو کہنا تھا اس کے لیے ایسی زبان اور ایسا لہجہ اختیار کیا جس کو شاعرانہ انداز میں شمشیر بے نیام اور برق جہندہ کہہ سکتے ہیں۔ دوسرے جرات و صفائی کے ساتھ نام نہاد رہبران ملت کا پول کھولتے ہوئے ڈرتے تھے کہ اگر اس کلوخ اندازی کا جواب سنگ باری سے ملا تو خود ان کے کردار و افعال کا آئینہ خانہ چور چور ہو کر رہ جائے گا۔ عنایت اللہ خاں کے کردار و افعال کی تعمیر سنگ و آہن سے ہوئی تھی۔ وہاں خوف و ہراس کا دخل ہی نہ تھا انھوں نے جو سنا یا صاف سنایا جو بات کہی منافقت سے پاک کہی علماء سوء کے جبہ و دستار کے ایک ایک تار کو بکھیر دیا جو ان کی سیاہ روئی پر نقاب کا کام دے رہا تھا۔ یہی اور صرف یہی ایک چیز تھی جس نے اس پوری جماعت کو اسلام اور اس کے ناموس و عزت کی خاطر نہیں بلکہ اپنے نفس اور اس کے ناموس کی خاطر عنایت اللہ خاں اور ان کی تحریک کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا سیدھی اور صاف باتوں کو الحاد و زندقہ کا لباس پہنایا گیا اور ہندوستان کے بدبخت جاہل اور اندھے مسلمان کو اس کی نجات کے واحد ذریعہ سے بدظن کیا گیا۔

عزیزو! میں تم پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ عنایت اللہ خاں کی حیثیت میرے نزدیک بجز اس تحریک کے بانی اور قائد کے اور کچھ نہیں ہے ایک سے زیادہ مسائل میں مجھے ان سے اختلاف ہے اور ہو سکتا ہے۔ میں مذہباً ان کے خیالات کو ایک فرد کی ذاتی رائے سے زیادہ کوئی وقعت نہیں دیتا لیکن بحیثیت ایک مفکر و قائد کے ان کا احترام کرتا ہوں اور جب تک وہ ہم سے احکام خدا و رسول کے خلاف کوئی کام نہیں لے رہے ہیں اس عسکری تنظیم میں ان کا مطیع ہوں۔ ان کے خلاف جو گندہ پروپگنڈہ کیا جا رہا ہے وہ دنیا میں ہر ایک مخلص انسان کے خلاف کیا گیا جو اصلاح و تنظیم کی نیت سے اٹھا ہو ہم کو چاہیئے کہ تحریک کے اصول اور طریقہ عمل پر غور کریں اور دیکھیں کہ فی الحقیقت اس میں ہمارے لیے موجودہ ذلت و خواری سے نجات ہے یا نہیں اور ان تمام مخالفتوں کو دھیان میں نہ لائیں جو اس کے خلاف کی جا رہی ہیں نہ ان کا جواب دیں نہ ان سے مخاطب ہوں ہمارا سب سے اچھا اور سب سے زیادہ دندان شکن جواب ہمارا عمل ہونا چاہیئے جس سے ہم ثابت کر دیں کہ جن مضمرات کا تم اندیشہ کر رہے ہو ان سے یہ تحریک پاک ہے اور جن خوبیوں کو تم سمجھ نہیں سکتے وہ سب اس سے حاصل ہو سکتی ہیں۔

بھائیو! حوصلہ سے کام لو۔ اپنے امیروں کی کامل اطاعت کرو اپنے نظم کو نظام شمسی کے نظم سے زیادہ مکمل بناؤ اپنی محنت کوشی و مشقت طلبی سے ہر دم رواں اور ہر دم دواں سیاروں کو شرماؤ۔ خدمت خلق سے صحیح معنیٰ میں اپنے آپ کو دنیا میں خدا کا خلیفہ ثابت کرو۔ اور پھر دیکھو کہ کس طرح تم خود خدا کے حکم سے اپنی قسمت کے بنانے اور اپنی مشیت کے جاری کرنے والے بن جاتے ہو۔

والسلام



اجلاسِ اوّل

تشریح اصلاحاتِ دستوری

سنہ ۱۹۳۹ء حیدرآباد کی تاریخ میں اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس سال سلطنت آصفیہ کے دستور حکومت میں بنیادی تبدیلی ہوئی اور حکومت کی طرف سے اصلاحات دستوری کا اعلان کیا گیا۔ مجلس اتحاد المسلمین ابتداء سے ایسی تبدیلیوں کی مخالف تھی۔ جو مسلم اقتدار کو دکن کی سرزمین سے مٹانے یا کم کرنے کی باعث ہوں۔ اعلان اصلاحات کے بعد ۲۳، ۲۴ اور ۲۵ اگست سنہ ۱۹۳۹ء کو قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر نے قمر باغ کے وسیع میدان میں تیس ہزار سامعین کے روبرو مسلسل تین دن تک اصلاحات کی اس اسکیم کی تشریح فرمائی۔ یہ تینوں تقریریں اپنی حیثیت میں یادگار اور تاریخی ہیں۔ اس پہلے جلسہ کی صدارت مولوی سید محمد احسن صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل نے کی۔

ساری تعریف اس خداوند قدوس کو سزاوار ہے جو مالک الملک ہے بادشاہوں کا بادشاہ اور شہنشاہوں کا شہنشاہ ہے جس نے ساری کائنات عالم کو پیدا کیا اور اس کو چلانے کے لیے بلا شرکت غیرے ایک غیر متبدل نظام مقرر فرمایا۔ جس نے انسان کو نیک و بد کا شعور عطا کیا اور اس شعور کے ذریعہ اپنے مسائل حیات کے طے کرنے کی قوت عطا کی۔ صلوٰۃ وسلام اس نبی محترم پر جس نے خدا کا آخری قانون اور ربانی ضابطہ ہم تک پہنچایا اور سیاست و حکمرانی کے وہ اصول مدون کیے جن سے بہتر عالم انسانیت کے لیے کوئی اصول نہیں ہو سکتا۔

جناب صدر و برادران! جب سے حیدرآباد میں جدید اصلاحات دستوری کا اعلان ہوا ہے بے حساب لوگوں نے مجھ سے خواہش کی کہ ان کی تشریح و تفہیم کے لیے کوئی موقعہ پیدا کروں تاکہ عوام ان اصلاحات کے منافع و مضرات سے صحیح طور پر واقف ہو سکیں۔ قابل مبارک باد ہے بازار نور الامراء کی مجلس اتحاد المسلمین کہ اس نے ان جلسوں کے انعقاد میں پہل کی اور ہزاروں مسلمانوں کی تمناؤں کو پورا کیا۔

آپ مجھ سے اب تک ایسی تقریریں سنتے رہے ہیں جو آپ کے قلوب کو مخاطب کر کے کی گئی تھیں۔ آج میرا تخاطب آپ کے

قلب سے زیادہ آپ کے دماغ سے ہے۔ اس لیے اگر ان تقریروں میں وہ لذت اور چاشنی نہ پائیں جس کی وجہ سے آپ میری طرف کھنچتے رہے ہیں۔ تو میں قابل معافی ہوں خشک علمی مضامین اکثر سامعین کی الجھن اور پریشانی کا باعث ہوتے ہیں۔ میں کوشش کروں گا کہ ان کو زیادہ سے زیادہ دلچسپ بناؤں۔ صدر جلسہ نے ابھی اپنی تقریر میں آج کے جلسہ کو ایک مدرسہ سے تشبیہہ دی ہے۔ میں اس تشبیہہ کو بڑی حد تک صحیح سمجھتا ہوں اور آپ سے ایک طالب علم کی طرح توجہ کا امیدوار ہوں۔

میں نے اس تقریر کو تین حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔ آج میں چاہتا ہوں کہ دنیا کے مختلف دساتیر حکومت کا ایک سرسری خاکہ کھینچوں جس سے آپ کو اصلاحاتِ زیر بحث کو سمجھنے میں مدد ملے۔ دوسری تقریر میں کوشش کروں گا کہ ہندوستان کی گذشتہ سیاسی کشمکش پر تبصرہ کروں جس کا نتیجہ حیدرآباد کی موجودہ دستوری تبدیلیاں ہیں اور تیسری تقریر میں زیر نظر اسکیم پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔ اس لیے اگر آج میں آپ کو حیدرآباد سے بہت دور لے جاؤں اور زمان و مکان کے اعتبار سے عالم تصوّر و تخیل میں ایک طویل سفر کی زحمت دوں اور پھر حیدرآباد واپس لانے کی کوشش کروں تو یقین ہے کہ آپ مجھے اپنے عنوان سے دور نہ سمجھیں گے۔

امارت اور بادشاہت کی ابتداء

حضرات! میں اس اختلافی بحث میں آپ کا وقت ضائع نہیں کروں گا کہ انسان نے ڈارون کے نظریہ کے مطابق مختلف ادوارِ حیات سے گزرتے ہوئے بندر کی شکل اختیار کی اور پھر موجودہ حیثیت کو پہنچا۔ یا قدیم نظریہ کے مطابق خدا نے آدم کو مٹی سے بنا کر اس میں اپنی روح پھونکی اور پھر اس کی اولاد دنیا میں پھیل گئی۔ بہرحال جب دنیا میں انسانوں کی تعداد بڑھنے لگی ہوگی اور انھوں نے حیوانیت کی زندگی کو چھوڑ کر درّوں اور قدرتی غاروں سے نکل کر میدانوں میں مدنی زندگی گزارنا شروع کی ہوگی اور رفتہ رفتہ پالتو جانوروں، میوہ دار درختوں، اور قابل کاشت زمینوں پر ملکیت کے حقوق پیدا ہو گئے ہوں گے۔ اور ان حقوق کے ادّعا نے ایک دوسرے کو دست و گریباں کیا ہوگا تو لازمی نتیجہ کے طور پر یا تو ان قبیلہ والوں نے آپس میں مل کر اپنے قبیلہ کے کسی قوی اور توانا ذہین اور ذی علم معاملہ فہم اور معاملہ داں شخص کو اپنا امیر مقرر کر لیا ہوگا جیسا کہ مشہور فرانسیسی مفکر روسو کا نظریہ معاہدۂ عمرانی ہے یا خود کسی طاقتور ہستی نے اپنی جسمانی طاقت اور کردار کی قوت سے سب کو اپنی بات ماننے اور اپنے

حکم پر عمل کرنے پر راضی کر لیا ہوگا یہی وہ دن ہے جب سے کہ دنیا میں امارت اور بادشاہت یا حکومت کی بنیاد پڑی۔

اس زمانہ میں امیر یا بادشاہ کے فرائض ایک وزیر داخلہ کے فرائض سے زیادہ نہ ہوتے تھے۔ وہی پولیس کے جوان کی طرح اپنی رعایا کے حالات کی نگرانی کرتا تھا۔ وہی جج کی طرح ان کے آپس کے قضیوں کو طے کرتا تھا۔ پھر وہی ہاتھ میں تلوار لے کر اپنے فیصلوں کی تعمیل بھی کراتا تھا اور چونکہ اس کی زندگی اپنی رعایا کے فلاح و بہبود اور قبیلہ یا قوم کے نظام داخلی کی فکر میں بسر ہوتی تھی اور اتنا وقت نہ نکال سکتا تھا کہ اپنے لیے دوسرے ذرائع معیشت تلاش کرے۔ اس لیے اگر قوم نے اپنے اجتماعی سرمایہ سے اس کے اسباب زندگی فراہم کر دیئے ہوں اور اس کو فکر فردا سے مستغنی کر دیا ہو تو کوئی تعجب نہیں ہے۔

جیسے جیسے انسانوں کی تعداد بڑھتی گئی ان کے ضروریات حیات بڑھے اور ان کے قبیلوں نے دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلنا شروع کیا اور اس طرح خاندانوں سے قبائل اور قبائل سے قوموں کی بنیاد پڑی۔ حدود کی وسعت ایک سے زیادہ امرا اور بادشاہوں کو عالم وجود میں لانے کا باعث ہوئی اور اس طرح بادشاہ کے

وانفس میں قوم کے داخلی نظام کی اصلاح کے ساتھ بیرونی مداخلت سے ان کے حقوق کے تحفظ کا فرض بھی عائد ہونے لگا۔ ان ضروریات کی تکمیل کے لیے فوجیں مرتب ہوئیں۔ کام تقسیم کیے گئے اور قوم نے بادشاہ کے ساتھ ساتھ اس کے وزرا اور سپاہیوں کو بھی فکر معاش سے مستغنی بنا کر اپنی کمائی سے حصہ دینا شروع کیا اور یہیں سے منہج کر علم سیاست مدن کی بنیاد پڑی اور اس کے دائرے وسیع تر ہوتے گئے۔ امارت اور ملوکیت کے اس نومولود نے رفتہ رفتہ عظیم الشان شہنشاہوں کی شکل اختیار کی۔ مصر میں فراعنہ، بابل میں نمرود، ہند میں اشوکہ اور بکرماجیت، روما میں نیرو اور جولیس سیزر، ایران میں کیخسرو اور کے کاؤس اور یونان میں سکندر اعظم پیدا ہوئے۔

قانون سازی

ملوکیت کے اس دور میں قانون سازی اور اجراء احکام کا تمام تر اختیار بادشاہ ہی کو حاصل ہوتا تھا۔ وہ بذات خود یا کسی کے مشورے سے جو حکم دے دیتا وہ قانون تصور کیا جاتا۔ انگلستان کے شاہان کیوڈر نے اسی مقصد کے لیے ایک پریوی کونسل ... کی تھی ۔ اور فرانس کا مشہور بادشاہ لوئی قانون سازی کے لیے ایک مشاورتی بورڈ رکھتا تھا۔ تاریخ کے دور قدیم میں ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں جب کہ

چند نفوس قدسیہ جن کی نظریں عوام سے تیز جن کا ادراک عوام کے درک سے بالا اور جن کی فہم عوام کے فہموں سے برتر ہوتی تھی۔ وحی والہام سے مستفید ہو کر دنیا کے لیے چند ضوابط حیات من جانب اللہ پیش کیے اور اسی کے مطابق حکومتوں نے عمل کیا۔ اس کی بہترین مثال بنی اسرائیل کی تاریخ میں حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ کے عہد حکومت سے ملتی ہے۔ ہندوستان میں بھی یہ تصور کارفرما رہا اور آج سب سے زیادہ اس ایقان کی حامل مسلم قوم ہے۔ جو قرآن کو اپنا ضابطۂ حیات اور قانون اجتماعی تصور کرتی ہے۔

اجزاء حکومت

رفتہ رفتہ حکومت کے تین اہم اجزاء قرار پائے (۱) قوانین کی ترتیب (۲) قانون کا انتظامی معاملات میں برسر کار لانا اور نظام مملکت کو برقرار رکھنا (۳) رعایا کے باہمی نزاعات میں قوانین کا صحیح استعمال اور فصل خصومات ان ہی کو سیاسیات کی اصطلاح میں (۱) مقننہ (۲) عاملہ (۳) عدلیہ کہتے ہیں۔ جیسا کہ ابھی میں نے کہا بادشاہت میں اور خصوصاً قدیم زمانہ کی بادشاہت میں قانون سازی کا کامل اختیار صرف بادشاہوں کو ہوا کرتا تھا۔ جمہوریت میں جیسا کہ آگے بحث کی جائے گی یہ اختیار رعایا کے نمائندوں پر منتقل ہوا۔ اسلام نے قانون کے اصول

قرآن سے اخذ کیے جس میں تبدیلی کا کسی کو اختیار نہیں۔ البتہ علماء فقہا اور مفتیان شرع نے ان ہی اصول سے فروعی مسائل کا استنباط کیا اور وہی بعد میں اسلامی قانون کی شرع یا اصطلاحاً فقہ کہلائی۔ عامہ کے لیے بادشاہ یا حکومت کی طرف سے ہر ایک شعبہ کے لیے با اقتدار حاکم مقرر ہوئے اور انھوں نے حکومت کے ادارہ کو ان ہی قوانین کی روشنی میں منظم کیا۔ عدلیہ ابتداً تو بادشاہ کی ذات میں مرکوز ہوتا تھا۔ قبائل اور اقوام کے امیر افراد قوم کے باہمی نزاعات کا اپنے مرتب کردہ قوانین کے مطابق خود فیصلہ کیا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ اس کو حکومت کا ایک مستقل شعبہ قرار دیا گیا اور کوشش کی گئی کہ وہ عامہ کے اثرات سے حتی الامکان آزاد اور غیر متاثر ہو۔

نظریہ جمہوریت اور اس کے اقسام

میری اس تقریر سے آپ نے اتنا تو سمجھ لیا کہ قبائل و اقوام نے اپنی تنظیم و اصلاح کے لیے ایک اعلیٰ طاقت کی ضرورت محسوس کی اور اپنی ہی جماعت کے ایک شخص کو مقتدر اور مختار بنا کر یا اس کے اقتدار کو تسلیم کر کے اس کی اطاعت و فرمانبرداری کا عہد کیا۔ رفتہ رفتہ ضروریات کی وسعت نے حکومت کے مختلف شعبے قرار دیئے اور اور اس اعلیٰ طاقت کو ان شعبوں کے چلانے

کے لیے کچھ اور اشخاص کا انتخاب کرنا پڑا۔ اس طرح مملکت مرکب ہوئی تین اجزاء سے (۱) عوام یا رعایا (۲) وہ اعلیٰ طاقت جس کی اطاعت کو رعایا نے تسلیم کیا یعنی بادشاہ یا امیر (۳) اعلیٰ طاقت کے وہ نمائندے جن کو حکومت کے مختلف شعبے تقسیم کیے گئے ہوں۔

جب تک امیروں اور بادشاہوں میں خدمت خلق کے صحیح جذبات اور اپنے فرائض کا صحیح احساس باقی رہا۔ اس طریقہ حکومت کو عام مقبولیت حاصل رہی لیکن رفتہ رفتہ بادشاہت کے لیے اعلیٰ کرداری کی قید اٹھتی گئی اور بجائے انتخاب کے بادشاہت باپ سے بیٹے کو وراثتاً منتقل ہونے لگی۔ ان با اقتدار بادشاہوں اور امیروں نے اپنے فرائض کو فراموش کرنا شروع کیا۔ اور رعایا کے آرام و آسائش امن و امان اور عدل و انصاف کی ذمہ داریوں کو نظر انداز کر کے خود غرضی تن پروری اور عیش و عشرت کو اپنا شعار بنایا تو رعایا میں عام بے چینی پیدا ہونے لگی۔ یہاں تک کہ بادشاہت کے خلاف ایک عام رجحان دنیا میں پیدا ہوا۔ ابتداً تصور و تخیل کی دنیا میں جمہوریت کی بنیاد پڑی۔ اور رفتہ رفتہ جمہوریت دنیا کا عام اور مقبول طریقہ حکومت ہو گیا۔ اس کے آثار ہم کو یونان کی قدیم شہری حکومتوں اور بلدی نظامات میں ملتے ہیں مثلاً ایتھنز وغیرہ میں باشندگان شہر اپنے مسائل عمومی کو خود ہی ایک جامع

ہوکر آپس کی رائے اور مشورے سے طے کر لیا کرتے تھے۔

سیاسیات پر قدیم ترین کتاب ارسطاطالیس کی تالیف "ریاست" ہے۔ ارسطو نے جو یونان کا مشہور حکیم ہے حکومت کی دو قسمیں بیان کی ہیں (۱) اچھی اور (۲) بری۔ اس کے نزدیک اچھی حکومت وہ ہے جس میں اغراض ذاتی کے بجائے مفاد عامہ کا خیال غالب ہو۔ اور بری وہ جہاں مفاد عامہ پس پشت ڈال دیا جائے اور ذاتی اغراض کی کارفرمائی ہو۔ وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ اقتدار کسی فرد واحد میں مرکوز ہے یا چند نمائندہ افراد میں یا تمام باشندگان مملکت میں تقسیم ہے اس کے نزدیک نیت اور طریقۂ عمل کی پاکیزگی یا برائی نتائج عمل کو اچھا یا برا ثابت کرتی ہیں۔ اس نے بے لوث کام کرنے والے اعیان کی حکومت کو اس عددیت پر ترجیح دی جہاں خود غرضی کارفرما ہو ایسی عددیت کا سمجھنا باشندگان حیدرآباد کے لیے یوں مشکل نہیں ہے کہ وہ اپنا دامن اٹھا کر اس کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

ارسطو کے بعد زمانہ بدلتا رہا اور تاریخ اپنے ادوار سے گذرتی رہی دنیا نے تھنز اور اسکے ہم عصر بلدی جمہوریتوں کو فراموش کر دیا تھا اور بادشاہت دنیا کے ہر گوشہ میں کارفرما تھی کہ انقلاب فرانس نے تاریخ کو ایک نئے انداز میں پیش کیا۔ اور دنیا میں ہر طرف جمہوریت کا

دور دورہ ہونے لگا۔ جمہوریتیں کہیں تو فروی ہوتی تھیں اور کہیں وفاقی۔ فروی جمہوریت وہ ہے جہاں ساری مملکت کا نظام ایک جمہوری نمائندہ ادارہ کے تحت ہوتا ہے۔ جیسے فرانس کی یا انگلستان کی جمہوریت لیکن وفاقی جمہوریت وہ ہے جس میں کئی چھوٹی چھوٹی جمہوریتیں آپس میں متفق ہو کر ایک زیادہ قوی مرکزی جمہوریت قائم کر دیتی ہیں۔ جیسے ممالک متحدہ امریکہ۔

ان جمہوریتوں میں انگلستان کا دستور ایک انوکھی حیثیت رکھتا ہے جس میں بادشاہت کو قائم رکھتے ہوئے جمہوری نظام کی اتنا ہی کی گئی اور بادشاہت کو جمہوریت میں سمو دیا گیا۔ دستور انگلستان کی تدریجی تاریخ اور میرے خیال میں دساتیر عالم کا سب سے زیادہ دلچسپ باب ہے۔

انسان نے سمجھا کہ خود غرض بادشاہوں کی استبدادیت سے اس نے نجات پائی ہے لیکن اس کو معلوم نہ تھا کہ اس کی فطرت اور جبلت میں کسی ایک کا مطیع رہنا ودیعت کیا گیا ہے۔ دنیا کے جمہوری نظامات پر نظر ڈالو تو معلوم ہو گا کہ انھیں جمہوریتوں میں سے ایسی شخصیتیں آہستہ آہستہ ابھرنے لگیں جنھوں نے اپنے کمال اقتدار اور مطلق العنانی میں قدیم بادشاہوں کو بھی مات کر دیا۔ فرانس کی جیسی عمومی جمہوریت میں ایک ہی سال کے لیے سہی لیکن صدر جمہوریت کا درجہ

کسی طرح بادشاہت سے کم نہیں۔ ممالک متحدہ امریکہ کے صدر کے اختیارات تو بہت سے کامل الاقتدار بادشاہوں کے لیے قابل رشک ہیں۔ انسان کا یہی فطری رجحان اور جبلی تقاضہ جنگ عظیم کے بعد ایک نئے طریقہ حکومت کی بنیاد ثابت ہوا۔ ۱۹۱۸ء سے ۱۹۳۹ء کے درمیان صرف ۲۱ سال کے قلیل عرصہ میں تم نے کتنی بادشاہتوں کو جمہوریت میں بدلتا دیکھا لیکن کتنی جمہوریتیں ہیں جو حقیقی معنیٰ میں جمہوریت رہیں۔ قیصریت کے خاتمہ نے جرمنی میں جمہوریت کی بنا ڈالی۔ لیکن کیا قیصریت ایک دوسرے لباس میں اپنی خصوصیت سے کئی گنا زیادتی کے ساتھ آج ہٹلر کے نام سے کارفرما نہیں ہے۔ اٹلی والوں نے بادشاہت کو برا سمجھا اور اور اس کو پس پشت ڈال دیا لیکن کیا بادشاہت سے زیادہ بدتر آمریت ان پر مسلط نظر نہیں آتی۔

ترکی کا عزل خلافت بادشاہت سے نجات پانے ہی کے لیے تو تھا لیکن کیا صدر جمہوریہ کے اختیارات محمد فاتح، سلیمان اعظم اور عبدالحمید سے کسی طرح کم ہیں۔ خلاصہ یہ کہ فطرت انسانی کا تقاضہ کہ وہ ایک کے سامنے جھکنا چاہتی ہے۔ کسی نہ کسی طرح پورا ہو کر رہا اور رفتہ رفتہ دنیا کا جمہوری نظام آزمودہ اور ناکام طریقہ حکومت بنتا جا رہا ہے۔ آج میں آپ کو اس وقت مخاطب کر رہا ہوں جب کہ

جمہوریت اور آمریت کے تصادم کے آثار افق مغرب پر نمودار ہو گئے ہیں اور دنیا ایک زیادہ ہولناک عالمگیر جنگ کے کناروں پر کھڑی ہے خدا بہتر جانتا ہے کہ ہماری لاعلمی کے پردوں کے پیچھے مستقبل کس حقیقت کا سرمایہ دار ہے اور ان دونوں مذاہب سیاسی میں سے کونسا مذہب دنیا کا عالمگیر مذہب بننے والا ہے۔

اسلامی دستور حکمرانی مسلمانوں کے اس اجتماع میں جی چاہتا ہے کہ اسلام کے دستور حکومت پر بھی ایک سرسری نظر ڈالی جائے۔ اسلام دینِ فطرت ہے اس لیے اس کا دستور حکمرانی بھی فطرت کے عین مطابق ہونا چاہیئے۔

اسلام کا طرۂ امتیاز اعتدال ہے اس لیے ہم بجا طور پر اس کی سیاست میں بھی اعتدال کا یقین کر سکتے ہیں۔ اسلام امتزاج صحیح ہے افراط و تفریط کی درمیانی خوبیوں کا اس لیے اس کے طریقۂ حکمرانی کو بھی افراط سے الگ اور تفریط سے دور ہونا چاہیئے۔ چنانچہ اس نے اپنے نظام مملکت میں جمہور کی آواز کو بھی باقی رکھا اور فطرت کے تقاضے کو بھی جمہور کا حق تھا کہ وہ خود اپنے امیر کا انتخاب کرے اور فطرت کا تقاضا تھا کہ ایک شخص ان پر حکومت کرے ضرورت تھی کہ

جو شخص حکومت کرے وہ اپنے ہاتھ میں ایک دائمی ضابطہ اور دستور بھی رکھتا ہو۔ اسلام نے امیر کے انتخاب کا حق عوام کو دیا تو دوسری طرف امیر کو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کا دستور دے کر اس دستور کی حدود کے اندر کامل الاقتدار بنایا۔ ایک طرف ہم خلفاء راشدین کی مجالس شوریٰ میں جو بفحوائے وامرھم شوریٰ بینھم منعقد ہوا کرتی تھیں۔ جمہوریت کو کوا ہی پوری شان کے ساتھ نمایاں دیکھتے ہیں تو دوسری طرف امیر المومنین کو مجلس کے مشورہ کا چاہے وہ مقننہ ہی کیوں نہ ہو پابند نہیں پاتے۔ اقتدار کی اس انتہائی شان و جبروت کے باوجود ہم مسلمانوں کے امیر کو نہ صرف رعایا کے نمائندوں کے پاس بلکہ ہر فرد ملت کے نزدیک اپنے اعمال و افعال کے لیے ذمہ دار پاتے ہیں۔ وہ عظیم المرتبت شخصیت جس کے رعب سے قیصر و کسریٰ کے دربار تھراتے تھے جس کی فوجیں خراسان سے بحر اوقیانوس تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اس سے ایک حبشی غلام بیسر دربار سوال کر سکتا تھا کہ اس کا کرتہ اس کپڑے میں تو نہ بن سکتا تھا جو کل امیر کے حصہ میں آیا اور امیر جواب دینے پر مجبور ہے کہ ان کے فرزند نے ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے اپنے حصہ کا کپڑا ان کو دے دیا ہے۔ میں نے ابھی بتایا ہے کہ اسلامی

نظام مملکت میں قانون سازی کے بنیادی اصول الہامی اور غیر انسانی ہیں۔ کوئی بڑے سے بڑا اور جلیل القدر فرمانروا ان اصولوں سے سرمو انحراف نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت عمرؓ چاہتے ہیں عورتوں کے مہر کو معین کر دیں لیکن جب ایک بڑھیا دربار خلافت میں اپنی دکھتی ہوئی کمر کو سنبھال کر اٹھتی ہے قرآن کی وہ آیت سناتی ہے جس کے ذریعہ عورت کو جس قدر چاہے اپنا مہر مقرر کرنے کا اختیار دیا گیا ہے تو حضرت عمرؓ بھرے دربار میں اپنی غلطی کا اعتراف کرتے اور اپنے حکم کو واپس لے لیتے ہیں اسلامی دستور حکومت میں امیر ملت ایک خادم ہوتا ہے اور اس خدمت کے معاوضہ میں ملت کے مشترکہ اور اجتماعی خزانے سے بقدر ضرورت معاوضہ پاتا ہے خلافت راشدہ میں یہ معاوضہ قوت لایموت سے زیادہ نہ ہوتا تھا۔ حضرت خلیفہ اول کا وہ واقعہ اوراق تاریخ سے مٹایا نہیں جا سکتا کہ ایک مرتبہ ان کی بیوی نے کچھ میٹھا کھانا چاہا۔ جواباً ارشاد ہوا کہ میرے پاس تو اس کے لیے کچھ نہیں ہے۔ بیوی نے اپنی مقررہ آمدنی میں سے تھوڑا تھوڑا پس انداز کر کے چند روز بعد میٹھا تیار کیا۔ اللہ اللہ دیانت کا کیا اعلیٰ مقام ہے کہ لاکھوں نفوس انسانی پر بلا شرکت حکومت کرنے والا جانشین رسولؐ خزانۂ امت کے چند ٹکوں کو بھی زائد حاصل کرنا برداشت نہیں کرتا اور دوسرے دن بیت المال کے خزانچی کو حکم دیتا ہے کہ

ان کے مستقل وظیفہ سے اتنے پیسے ہمیشہ کے لیے کم دیئے جائیں جتنے پیسے پر خرچ ہوئے تھے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے شہنشاہ حبشہ کے وہ تحائف جو ان کی ذات کے لیے روانہ کیے گئے تھے یہ کہہ کر بیت المال میں داخل کرا دیئے کہ مجھے یہ امیت چونکہ مسلمانوں کا امیر ہونے کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے اس لیے ان تحائف کے مستحق بہ حیثیت مجموعی مسلمان ہیں۔

میں نے بالاختصار اسلامی دستور حکمرانی کے چند اصول بیان کیے جن کی تفصیل اگر موقعہ ملا تو کسی اور موقع پر کروں گا۔

برادران عزیز! آج کی گفتگو میں نے صرف اس بات کی کوشش کی ہے کہ دنیا کی تاریخ حکومت پر ایک سرسری نظر ڈالوں تاکہ آپ ان مختلف بنیادی طریقہ ہائے حکومت کو پیش نظر رکھ سکیں۔ جب کہ میں اپنی دو آئندہ تقریروں میں ہندوستان اور خصوصاً حیدرآباد کی سیاسی تاریخ پیش کرتے ہوئے موجودہ دستوری اصلاحات پر بحث کروں گا کیا خوب ہوتا کہ ان مضامین کو آپ نے میری بجائے جس نے صرف استاد ازل کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا ہے اور زمانہ کی رواجی تعلیم سے بڑی حد تک بے بہرہ ہے اور مضامین کو جامعہ عثمانیہ کے کسی فاضل پروفیسر سے سنا ہوتا۔ ان کی

پابندیوں اور میری بے باکیوں نے اس فرض کو میرے ہی ذمہ عائد کیا اور میں بغیر کسی تصنع کے اقرار کرتا ہوں کہ اپنے آپ کو اس کما حقہٗ ادائی سے قاصر پا رہا ہوں۔ آپ نے اس تمام خشک گفتگو کو جس توجہ سے سنا اس سے میری ہمت بڑھتی ہے اور میں آپ کے اسی سمع قبول کو اپنے لیے عصا پیر تصور کرتا ہوں۔ خدا حافظ ہم کل پھر اسی وقت اور اسی مقام پر ملیں گے۔

خدا حافظ

اجلاس دوم

تشریح اصلاحات دستوری

تشریح اصلاحات دستوری کے سلسلہ میں قائد ملّت نواب بہادر یار جنگ بہادر کی دوسری تقریر جو بتاریخ ۲۴ اگست ۱۹۴۰ء بمقام قمر باغ کی گئی۔

ہمارے سارے کاموں کو شروع ہونا چاہیئے اس خدائے قاہر و قیوم کے اسم گرامی سے جس کی ذات اس کائنات کی آفرینش کا باعث ہوئی کیونکہ اس کے نام سے شروع ہونے والے کام ضائع نہیں جاتے میں اس نام نامی سے اپنی تقریر کو شروع کرتا ہوں اور اسی سے ہدایت و توفیق نیک کا امیدوار ہوں۔

کل کی تقریر میں بعض نظریہ ہائے حکومت پر طائرانہ نظر ڈالی گئی تھی اور یہ بتایا گیا تھا کہ بادشاہت کس طرح وجود میں آئی اور

اس ادارہ کی خامیوں اور بادشاہوں کی بے راہ روی نے کس طرح جمہوریت کا تصور پیدا کیا اور پھر زمانہ کس طرح آمریت کی طرف جو بادشاہت کی دوسری شکل ہے لوٹ رہا ہے۔ ایک مختصر بحث اسلامی نظام حکومت پر بھی کی گئی تھی آج میں آپ کو سرسری طور پر ہندوستان کی قدیم و جدید تاریخ کی سیر کرانا چاہتا ہوں۔

ہندوستان کی قدیم تاریخ

ہندوستان تاریخ تمدن عالم کا ایک سب سے قدیم باب ہے ماہرین تاریخ ابھی تک مختلف الرائے ہیں اور اس بات کا تصفیہ نہ کر سکے کہ مصر۔ اشوریا اور ہندوستان میں بہ اعتبار تمدن کس کو اولیت حاصل ہے اپنے ابتدائی دور میں ہندوستان کا سیاسی نظام بالکل وہی رہا جس کا ہم نے کل اپنی تقریر کی ابتداء میں ذکر کیا تھا نمرود و فرعون کا دعوئی خدائی ثابت ہے چاہے ان کی رعایا نے دل سے ان کو خدا نہ سمجھا ہو لیکن ہندوستان کی پرجا جاپان کے باشندوں کی طرح اپنے راجہ کو ہمیشہ پرماتما کا اوتار سمجھتی رہی بادشاہ کا دیکھ لینا عبادت قرار پایا۔ بادشاہ پرستی کی انتہا یہ ہے کہ آج تک سری کرشن جی اور سری رامچندر جی کی مورتیاں سارے ہندوستان میں پوجی جا رہی ہیں۔ ہندوستان میں جمہوریت کا تصور آج تک

پیدا نہ ہوتا اگر انگریزی طریقہ حکمرانی نے اکثریت رکھنے والی قوم کے لیے بلا جنگ و جدل حکومت و استبداد کے سبز باغ نہ دکھائے ہوتے ہندوستان کے باشندوں میں طاقتور کی پرستش کا یہ جذبہ تاریخ کے ہر دور میں اتنا قوی رہا کہ باہر سے آنے والی ہر طاقت ان پر آسانی سے مسلط ہو گئی مسلمان سلاطین کی خدا پرستیاں اگر مانع نہ ہوتیں تو کوئی تعجب نہیں ہے کہ آج ان میں سے بھی کسی کو ہم معبود ہندوستان دیکھتے اس حقیقت کی کچھ جھلکیاں آپ کو اکبر اعظم کے دربار میں نظر آ سکتی ہیں۔ ابھی چند دنوں کی بات ہے کہ اعلیٰ حضرت نواب میر محبوب علی خاں مرحوم و مغفور کے انتقال کے بعد ہم نے ملک کے ہر گوشہ میں ان کے چلّے بنے ہوئے دیکھے۔ جہاں غیر مسلم رعایا اپنی منتیں مانتیں اور مرادیں پانے کا یقین رکھتی تھیں۔ جیسے جیسے انگریزوں کی حکومت ہندوستان پر مسلط ہوتی گئی اور تعلیم یافتہ ہندوستانی ان کے طریقہ حکمرانی سے واقف ہوتا گیا ویسے ویسے ہندوؤں نے اندازہ لگایا کہ جمہوریت ان کے لیے سب سے زیادہ موزوں طریقہ حکومت ہے اس کے ذریعہ نہ صرف ان کو یہ توقع تھی کہ وہ آہستہ آہستہ انگریز آقاؤں سے اقتدار حکومت کو اپنی طرف منتقل کرتے جائیں گے بلکہ ان کو یہ بھی یقین تھا کہ اپنی کثرت تعداد کی وجہ سے وہ مسلمانوں کو جنھوں نے

ان پر تقریباً ایک ہزار سال تک حکومت کی تھی اپنا غلام بنا سکیں گے برطانوی ہند کی پچاس سالہ سیاسی کشمکش اسی تمنائے آزادی و آرزوئے اقتدار کا مظہر ہے آگے چل کر میں آپ کو بتاؤں گا کہ مسلمانانِ ہند عموماً اور مسلمانان دکن خصوصاً جمہوریت سے کیوں اختلاف رکھتے ہیں۔ اب دکن کی قدیم و جدید تاریخ پر نظر ڈالیے۔

دکن کی قدیم و جدید تاریخ

دکن میں وہ دراوڑی قومیں آباد ہیں جن کو آریائی اقوام نے شمال سے جنوب کی طرف ڈھکیل دیا۔ یہاں کی قدیم تاریخ اسی قوم کے امراء اور بادشاہوں کی تاریخ کہی جا سکتی ہے۔ یوں قوم سمندر کے راستہ سے بعثت نبوی کے قبل بھی دکنی ہندوستان میں آتے جاتے رہے لیکن بعد اسلام دکن میں تبلیغ کا بھی آغاز کر دیا تھا۔ سب سے پہلا بادشاہ جس نے دکن کی فتح کا قصد کیا وہ سلطان علاء الدین خلجی تھا۔ سلطان محمد تغلق نے ایک اور قدم آگے بڑھایا اور چاہا کہ اپنے دارالسلطنت کو دہلی سے دولت آباد منتقل کر دے۔ دکن کے دروازوں کا کھلنا تھا کہ مبلغین اسلام اور داعیان دین و طریقت نے بھی اسی طرف کا رخ کیا اور سارے سطح مرتفع دکن پر صدائے تکبیر و اذاں گونجنے لگی۔ اس سلسلہ میں یہ واقعہ فراموش

نہیں لیا جا سکتا کہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ نے اپنے چودہ سو ۱۴۰۰
مریدوں کو نور ایمان پھیلانے کے لیے روانہ کیے۔ ابھی تغلقوں کا آفتاب
جاہ و جلال مغرب زوال میں روپوش نہ ہوا تھا کہ ایک نئی اسلامی طاقت
نے دکن میں زور پکڑنا شروع کیا اور وہ بہمنی خاندان کی طاقت تھی۔
اکبر اعظم کے عہد تک شمالی ہند کی اسلامی سلطنتیں اپنے حالات میں
الجھی رہیں۔ اکبر سے عالمگیر تک مغلوں نے مسلسل حملے دکن پر کیے اور
گولکنڈہ کی فتح پر بہمنی سلطنت کے باقیات کا خاتمہ ہو گیا اور آج ہم
سلطنت مغلیہ کی جانشین آصف جاہی سلطنت کے زیر سایہ
زندگی بسر کر رہے ہیں۔ تاریخ کے اس تمام دور میں ایک بات
قابل لحاظ ہے کہ ہندوستان کی قسمت بنتی اور بگڑتی رہی وہاں کبھی
مرہٹوں کا زور رہا اور کبھی سکھوں کی شاہی۔ بالآخر انگریزوں نے
پورے ہندوستان کو زیر نگیں کر لیا لیکن دکن کی یہ سلطنت خلجیوں
کے عہد سے لے کر آج تک مسلمانوں کے ہی زیر تسلط رہی۔

دکن کا طریق حکمرانی عہد قدیم کے عام دستور کے مطابق یہاں کا طرز حکمرانی ہمیشہ بادشاہت مطلقہ رہا اور آج بھی ہے۔ قانون سازی کا کام شریعت اسلامیہ نے آسان کر دیا تھا۔ دیوانی اور فوجداری کے

سارے قانون جن کا ماخذ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ تھے۔ فقہائے امت نے مرتب کر دیئے تھے۔ اس لیے دکن کی اسلامی سلطنت کے چھ سو سالہ دور میں قانون سازی کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوا۔ عامہ کی تقسیم ایک وزیر اعظم کے تحت جس کو دیوان یا بعد کی اصطلاح میں مدار المہام کہا جاتا تھا مناسب طریقہ پر کر دی گئی تھی مفصل خصومات کے لیے قاضی مقرر جو شریعت اسلامیہ کے مطابق مقدمات کا تصفیہ کیا کرتے تھے۔ جب ہندوستان پر انگریزوں کا تسلط ہو گیا اور انھوں نے دکن کی اسلامی سلطنت کے ملحقہ صوبوں میں نئے نئے قوانین جاری کیے تو حیدر آباد نے بھی تجدد پسندی کی رو میں ان کی تقلید کی اور یہ سب کچھ اعلیٰ حضرت مرحوم کے عہد طفولیت میں ہوا جب کہ سلطنت کا انتظام ایک ایجنٹ کے ہاتھ میں تھا۔

مجلس قانون ساز کی ابتداء

حیدر آباد میں پہلی مرتبہ ۱۳۱۱ف میں قانون ساز کمیٹی قائم ہوئی جس میں چیف جسٹس کے علاوہ دو اور اراکین ہوا کرتے تھے اس کے چند سال بعد ۱۳۰۳ف میں مجلس وضع قوانین کے نام سے اس کو زیادہ وسعت دی گئی علاوہ ذمہ دار عہدہ داران حکومت کے اس میں قانون پیشہ طبقہ سے دو ارکان اور جاگیرداروں

کے طبقہ سے دو نمائندے رکھے گئے۔ علاقہ صرف خاص مبارک کے لیے ایک نشست محفوظ رکھی گئی اور حکومت نے بذریعہ نامزدگی عام رعایا سے دو نمائندوں کا اس مجلس میں تقرر منظور کیا۔ یہ مجلس صحیح معنی میں مقننہ تھی۔ اس کا کام صرف یہ تھا کہ فقہائے امت کی طرح جو کتاب و سنت سے استنباط مسائل کیا کرتے تھے قوانین مرتب کر کے بادشاہ کی خدمت میں بطور مشورہ بغرض منظوری پیش کر دے اس مجلس میں ایک مفتی شرع بھی ہوا کرتا تھا جو ان قوانین کو شرعی نقطۂ نظر سے جانچتا تھا کہ کوئی قانون خلاف کتاب و سنت مرتب نہ ہو۔ اس جماعت کو حکومت کے انتظامی مسائل میں دخل دینے کا کوئی اختیار نہ تھا۔

حیدرآباد کا عہد جدید تاریخ دکن میں یقیناً عہد عثمانی اپنی ترقیات کے اعتبار سے امتیازی خصوصیت رکھتا ہے جو ترقیاں اس پچیس چھبیس سال میں ہوئیں اس کی مثال گزشتہ کئی صدی میں نہیں ملتی تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوتے ہی سب سے پہلے حضرت بندگان اقدس نے وزارت کا بار گراں بھی اپنے دوش مبارک پر لیا اور کئی سال تک اس کے اہم فرائض بہ نفس نفیس انجام دے کر امور سلطنت سے

متعلق تمام معلومات حاصل فرمائیں اور سلطنت کے نشیب و فراز کا کوئی گوشہ نگاہ سلطانی سے پوشیدہ نہ رہا۔ پھر وزارت کے قدیم طریقہ میں تبدیلی کی گئی اور مجلس وزراء قائم کر کے ہر ایک وزیر کے جداگانہ اختیار کے ساتھ صدر اعظم بہ اجلاس کونسل کے اختیارات معین فرمائے۔ اصولی حیثیت سے عہد عثمانی کا سب سے بڑا کارنامہ عائلہ سے عدلیہ کا انفصال ہے یہ دونوں شعبہ ہائے حکومت ہندوستان میں اس عہد سے قبل باوجود ضرورت اور شدید احساس کے ایک دوسرے سے جدا نہیں کیے جا سکے تھے جو عہدہ دار بہ حیثیت تعلقدار و تحصیل دار امور مملکت کا انصرام کرتے تھے۔ وہی فصل خصومات کا بھی اختیار رکھتے تھے جس سے کام میں بہت سی دشواریاں پیدا ہو رہی تھیں۔ برطانوی ہند میں ان دونوں شعبوں کے جدا کرنے کا مطالبہ ربع صدی سے جاری ہے لیکن حکومت برطانیہ اپنے ذرائع و وسائل کی کثرتوں کے باوجود اس میں آج تک کامیاب نہ ہو سکی۔ نظام مملکت میں جہاں یہ اہم تبدیلیاں ہوئیں وہیں حضرت اقدس نے اصلاح مقننہ کی طرف بھی توجہ فرمائی اور ۱۳۳۸ھ م ۱۳۲۹ف میں ایک فرمان مبارک شرف صدور لایا جس کا منشاء یہ تھا کہ ملک کی تعلیمی ترقی کے مدنظر عہدہ داران سلطنت کے علاوہ رعایا کے سمجھدار نمائندوں کو بھی

بہ حیثیت رکن اس میں شامل کر کے اس کی طرح توسیع کی جائے کہ شاہ وقت قانون سازی کے مسائل میں اپنے عہدیداروں کے علاوہ رعایا کے بھی جذبات اور ضروریات سے کماحقہٗ واقف ہو سکے۔ حضرت اقدس کا منشاء مبارک اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ قانون ساز مشیروں کی تعداد میں کچھ اور اصحاب فکر و رائے کا اضافہ فرما دیا جائے۔ یہی فرمان بنیاد ہے ان اصلاحات کی جن پر گفتگو کرنے کے لیے ہم آج یہاں جمع ہوئے ہیں۔ اس فرمان مبارک کی تعمیل میں رائے بالکنڈ آنجہانی کو حکم دیا گیا کہ وہ ملک کے تعلیمی حالات اور روایات کو پیش نظر رکھ کر ایک رپورٹ اور توسیع مجلس وضع قوانین کی نسبت ایک اسکیم مرتب کریں ان کی رپورٹ کے پیش ہونے کے بعد کئی کمیٹیوں نے بہ اوقات مختلف اس مسئلہ پر غور کیا۔ علی امام مرحوم کے صدارت اعظمی سے ہٹ جانے کے بعد جن کی تجدد و دل پسندی شاید اس کام کو بہ عجلت تکمیل کو پہنچا دیتی۔ ملک کی زمام حکومت ایسے وزراء کے ہاتھوں میں آئی جو حیدرآباد کے قدیم خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے اور اس کا صحیح اندازہ کر سکتے تھے کہ مقننہ کی ایسی توسیع ملک میں جمہوریت کی بنیاد ہوگی جو رفتہ رفتہ اقتدارات شاہی کے رعایا کی طرف منتقل کرنے اور اسی طرح اصولی طور پر نظام مملکت میں خرابیاں پیدا کرنے کا باعث ہوگی۔ اس لیے وہ

اس مسئلہ کو امکانی حد تک ٹالتے رہے۔ لیکن ہندوستان کی سیاست حیدرآباد پر اثر انداز ہوئے بغیر نہ رہی۔ اور گول میز کانفرنس کے بعد ہندوستان میں ایسا دور آیا کہ سیاسی کشمکش برطانوی ہند سے ریاستی ہندوستان کی طرف منتقل ہوگئی۔ نمائندگان گول میز کانفرنس سے وفاقی دستور حکومت کا جو بیج سینٹ جیمس پیلس میں بویا تھا اس کے لیے کھاد کی ضرورت تھی اور وہ کھاد ریاستی ہندوستان سے فراہم کی جاسکتی تھی۔ کانگریس نے ملک کی دوسری سیاسی جماعتوں کی طرح شرکت وفاق سے انکار کیا۔ مگر انکار کی بنیاد یہ تھی کہ وہ روساء کے نامزد کردہ نمائندوں کو وفاقی مقننہ میں اپنے راستہ کا روڑا تصور کرتی تھی اور چاہتی تھی کہ ریاستوں کے نمائندے روساء کے نامزد کردہ ہونے کی بجائے رعایا و ریاست کے منتخب کردہ ہوں۔ اور یہ اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک کہ ریاستوں میں عمومی طرز حکومت قائم نہ ہوجائے۔ دوسری طرف انگریز چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح وفاق کو کامیاب بنائیں۔ ان سارے موثرات نے مل کر ریاستوں میں اور خصوصاً حیدرآباد میں دستوری تبدیلی کے مطالبات کو شدید تر کردیا۔ اور ریاستی وزراء اس تار پر ناچنے لگے جو ورد ھا اور دہلی سے کھینچا جارہا تھا۔ بالآخر موجودہ صدر اعظم نے بتاریخ ۱۴ آبان ۱۳۲۶ف اپنی

تقریر کے ذریعہ جو انھوں نے وضع قوانین میں کی تھی۔ دستوری اصلاحات کا اسکیم مرتب کرنے کے لیے ایک جدید کمیٹی کا اعلان کیا۔ جس کے صدر دیوان بہادر آر۔ وا آینگار قرار پائے اور مسٹر کاشی ناتھ راؤ ویدیہ۔ میر اکبر علی خاں صاحب بیرسٹر، غلام محمود صاحب قریشی اور پروفیسر قادر حسین خاں صاحب اس کے رکن مقرر کیے گئے۔ اس کمیٹی کی رپورٹ ہی موجودہ ریفارمس اسکیم کی بنیاد ہے جس پر میں اپنی آئندہ تقریر میں تبصرہ کروں گا۔ اس کمیٹی کے انعقاد میں بظاہر یہ دعویٰ کیا گیا کہ اس میں پبلک کے دو نمائندے شریک ہیں۔ مسٹر ویدیہ کی نسبت شاید یہ دعویٰ صحیح ہو لیکن مسلمانوں کی طرف سے یقیناً نمائندگی کا خیال نہیں رکھا گیا۔ میر اکبر علی خاں صاحب کی بہت سی خوبیوں کا اعتراف کرنے کے باوجود یہ امر مسلمہ ہے کہ مسلمانوں کی کوئی قابل لحاظ جماعت ان کی نمائندگی کو قبول نہیں کرتی۔

آج کی محفل کو ختم کرنے سے پہلے میں دو اور مسائل پر روشنی ڈالنا ضروری تصور کرتا ہوں۔ ایک یہ کہ ہندوؤں کو حیدرآباد میں کیا شکایتیں رہیں دوسرے یہ کہ ہندو مسلم مسئلہ کے حل کی کوششوں کا کیا حشر ہوا۔ آج سارے ہندوستان میں حیدرآباد کے خلاف ایک طوفان برپا ہے اور دنیا پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ

حیدرآباد دنیا کی سب سے زیادہ پس افتادہ اور ظالم حکومت ہے جہاں لوگوں کو کسی قسم کے مذہبی و شہری حقوق حاصل نہیں ہیں۔ تعلیمی اور اقتصادی حیثیت سے وہاں کوئی ترقی نہیں ہوئی اور یہ کہ وہاں بربریت و جہالت کا دور دورہ ہے ہم خود بھی یہ نہیں کہتے کہ حیدرآباد دنیا کا سب سے زیادہ متمدن ترقی یافتہ اور ہر قسم کے نقائص سے پاک ملک ہے۔ خود ہم کو حیدرآباد کی عالمہ میں ایسے نقائص نظر آتے ہیں جن کی اصلاح کو ہم ضروری سمجھتے ہیں اور اس پر تنقید کرنے سے ہم نے کبھی دریغ نہیں کیا ہے بلکہ اپنے مسلک کے مدنظر اس تنقید کا اپنے آپ کو زیادہ مستحق تصور کرتے ہیں لیکن دن کے وقت وجود آفتاب سے انکار کرنا اتنا بڑا جھوٹ ہے جس کو کوئی نہیں گوارا کرسکتا۔ گذشتہ پچیس سال کی آصفی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے، اور ہمسایہ ملکوں سے حیدرآباد کا مقابلہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ حیدرآباد برابر ترقی کرتا رہا ہے اور آج سب سے آگے نہیں تو کسی سے پیچھے بھی نہیں ہے ہم نے ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ کو یہ بتایا کہ آصفی حکومت نے عدلیہ کو عالمہ سے جدا کرکے کیسی عدم المثال نظیر ہندوستان میں قائم کی تعلیمی حیثیت سے آپ جانتے ہیں کہ حیدرآباد کا بجٹ چند لاکھ سے ترقی کرکے آج ایک کروڑ تک پہنچ گیا

ہے۔ ہندوستانی زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دے کر حیدرآباد نے وہ اقدام کیا جس پر سارا ہندوستان رشک کر سکتا ہے۔ دارالترجمہ کے قیام نے ہفت خواں علم سے گزرنے والوں کی منزلیں آسان کر دیں۔ اور راستے صاف کر دیئے۔ رعایا کی بہبودی کے لیے نئی نئی سہولتیں فراہم کی گئیں۔ آبپاشی کے عظیم الشان پراجکٹ نہروں کی تعمیر اور راستوں کی کثرت نے ایک طرف ملک کی زراعت کو ترقی دی تو دوسری طرف حمل و رسل کے ذرائع کو وسیع کر کے تجارت و صنعت کے لیے میدان صاف کیا۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ حیدرآباد میں مسلمانوں کا عام پیشہ ملازمت ہے ان ترقیات کا فوری فائدہ اسی ہندو قوم کو ہوگا جو اس وقت زراعت تجارت، صنعت اور ساہوکاری پر قابض ہے کیا مذہبی بندش اسی کا نام ہے کہ بت شکنوں کی اولاد بت پرستی کو نہ صرف جاری رکھا بلکہ بتخانوں کے لیے عظیم الشان معاشیں مقرر کیں۔ پجاریوں کو انعامات دیئے۔ مہنتوں اور پران خانوں کے لیے وظیفے مقرر کیے۔ نت نئے جلوسوں کو جن کا منشاء عبادت سے زیادہ فتنہ پردازی تھا جائز قرار دیا۔ آج بھی میں یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ حیدرآباد کے ایک شہری اور کاشتکار کی جیب سے نکل کر جو ٹیکس حکومت کے خزانے میں جمع ہوتے ہیں اور اس کے بدلے اس کو شہریت و زندگی کے جو حقوق حاصل ہوتے ہیں ان کا مقابلہ برطانوی

ہند کے ہمسایہ صوبوں کی ہم حیثیت رعایا سے کیا جائے، تو مجھے یقین ہے کہ حیدرآباد کی رعیت برطانوی ہند کی رعایا کی بہ نسبت کم دینے اور زیادہ حاصل کرنے والی پائی جائے گی۔ میں مسٹر نرسنگ راؤ نمائندہ ہندو جماعت کی اس راست گوئی کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انھوں نے اس حقیقت کو صاف اور غیر مبہم الفاظ میں گفتگو سے مفاہمت کے سلسلہ میں تسلیم کیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ سب کچھ صحیح ہے تو ع

پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

اس کی صراحت بھی مسٹر نرسنگ راؤ نے اپنی اس گفتگو میں صاف اور غیر مبہم الفاظ میں کر دی تھی۔ انھوں نے اقرار کیا کہ حیدرآباد میں ان کی قوم کو معاشی حیثیت سے ساری سہولتیں اور حقوق حاصل ہیں۔ انھوں نے خود بتایا کہ بادشاہتیں بدلیں مگر سارے معاشی ذرائع دکن کے ہندوؤں کے ہاتھ میں رہے، اور پھر کہا کہ ہم کو معاشی حیثیت سے نہیں بلکہ سیاسی حیثیت سے شکایت ہے اب ہم اسکو گوارا نہیں کر سکتے کہ ہم محکوم رہیں اور مسلمانوں کو ہم پر اقتدار حاصل ہو۔ اس سے آپ پر واضح ہو چکا ہوگا کہ اس سارے ہنگامے کی حقیقت کیا ہے ہندو معاشی ذرائع پر قابض تھے اب وہ دکن کے سیاسی اقتدار کو

حاصل کر کے آپ کو اپنے اجداد کی اس وراثت سے محروم کرنا چاہتے ہیں جو گذشتہ چھ سو سال سے آپ کے قبضہ میں ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ آج بھی تیغ و تفنگ کے ذریعہ وہ آپ کا اقتدار اپنی طرف منتقل نہیں کر سکتے۔ اس لیے انھوں نے طب مغرب کی مزیدار مگر خواب آور دواؤں کا استعمال شروع کیا ہے اور جیسا کہ میں نے کل عرض کیا تھا جمہوریت کو اپنے مزاج کے موافق پا کر حیدرآباد میں اس کے قدم مضبوط کرنا چاہتے ہیں۔

ہندو مسلم مفاہمت

ہندو مسلم مفاہمت کی سب سے پہلی سعی میر اکبر علی خاں صاحب بیرسٹر صاحب کی تحریک پر شروع کی گئی۔ مسٹر کاشی ناتھ راؤ ویدیہ اور مسٹر ہنمنت راؤ ہندوؤں کی طرف سے اکبر علی خاں صاحب بیرسٹر اور میں مسلمانوں کی طرف سے گفتگو کے لیے مقرر ہوئے۔ میں جانتا تھا کہ ہندوستان میں مصالحت کی جتنی کوششیں ہوئیں وہ سب اکثریت کے زعم کی وجہ سے بیکار ثابت ہوئیں اور مجھے یقین تھا کہ یہ گفتگو بھی ناکام ہوگی۔ اس لیے میں نے اس میں حصہ لینے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن ہندو زعماء میرے سوا کسی اور مسلمان سے گفتگو کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اس لیے مجھے مجبوراً گفتگو میں حصہ لینا پڑا۔ ہم نے مسلسل

کئی نشستوں میں پوری آزادیٔ رائے اور وسعت قلب کے ساتھ مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غور کیا اور مسائل اختلافی کے حل بھی تلاش کر لیے تھے۔ ہماری رپورٹ مکمل ہو چکی تھی اور اس کی آخری خواندگی ہو رہی تھی کہ حکومت نے آئینگار کمیٹی کے قیام کا اعلان کیا اور اس میں ہماری جماعت کے دو ارکان میر اکبر علی خاں صاحب اور مسٹر کاشی ناتھ راؤ ویدیہ شریک کر لیے گئے جس کی وجہ سے ہمارا کام نامکمل حالت میں ختم ہو گیا۔

مفاہمت کی دوسری کوشش مسٹر نرسنگ راؤ ایڈیٹر اخبار رعیت نے کی اور وہ جس وجہ سے ناکام رہی اس کا آپ سب کو علم ہے کیونکہ میری اور ان کی مراسلت اخبارات میں شائع ہو چکی ہے۔ اول تو ان کی جماعت ان کو خط اعتماد دینے کے لیے تیار ہی نہ تھی جب مشکل سے ان کو خط اعتماد ملا تو گفتگو شروع ہوئی۔ تعلیم اور محکمۂ امور مذہبی سے متعلق مسائل کو متفقہ رائے سے طے کیا گیا۔ طریق حکومت کے مسئلہ پر میرا اور ان کا اختلاف شدید ہو گیا۔ وہ ذمہ دارانہ حکومت چاہتے تھے اور میں اس کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ مجھے یقین ہے کہ میں نے ان کو اپنے دلائل سے مطمئن کر لیا تھا اور وہ اس پر راضی بھی ہو چکے تھے کہ اس مطالبہ پر اصرار نہ کریں گے اور ہم کسی اور طریقہ پر غور کر رہے

تھے کہ مسٹر نرسنگ راؤ نے ایک مرتبہ وارد عا چلنے کی دعوت دی میرے انکار پر وہ خود گئے اور وہاں سے لوٹے تو ذمہ دارانہ حکومت کے مطالبہ پر شدید اصرار کے ساتھ لوٹے اور ان کا یہی اصرار انقطاع گفتگو کا باعث ہوا۔ آیئے میں تقریر کو ختم کرنے سے قبل اور اسی سلسلہ میں میں ذمہ دارانہ حکومت پر بالاختصار روشنی ڈالوں۔

ذمہ دارانہ حکومت

ذمہ دارانہ حکومت کے معنی یہ ہیں کہ مقننہ میں جس جماعت کے ارکان کی اکثریت حاصل ہو اس جماعت کا لیڈر خود بخود لازماً بحکم اعلیٰ حضرت وزیر اعظم بن جائے، اپنی مجلس وزراء خود منتخب کرے اور وزارت حکومت تو اعلیٰ حضرت کے اسم گرامی کے ساتھ کرے لیکن اپنے اعمال و افعال کے لیے ذمہ دار ہو۔ مقننہ کے نزدیک اور اگر مقننہ کی اکثریت وزارت پر اپنی بے اعتمادی کا اظہار کرے تو خود بخود مستعفی ہو جائے۔ اب آپ حیدرآباد کی آبادی کے تناسب پر نظر ڈالیے اور اندازہ کیجئے کہ اگر مسلمان اس طرز حکومت کو ایک بعید نصب العین کے طور پر بھی قبول کرلیں تو اس اقتدار کا کیا حشر ہوگا جو ان کو یہاں چھ سو سال سے حاصل ہے۔ ہم آبادی حیدرآباد میں صرف گیارہ فیصدی کا تناسب رکھتے ہیں اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مقننہ میں اکثریت ہندوؤں کی

ہوگی. اور اکثریت بھی اتنی ہوگی کہ ہماری رائے اس کے سامنے کچل کر رہ جائے گی اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہندو وزارت تشکیل دیں گے اور ایسی وزارت تشکیل دیں گے جو اعلیٰ حضرت کے نزدیک نہیں بلکہ اپنے اعمال و افعال کے لیے اپنی ہی جماعتی اکثریت رکھنے والی مقننہ کے نزدیک ذمہ دار ہوں گے. گویا چند دنوں میں اعلیٰ حضرت کی حیثیت وہی ہو کر رہ جائے گی جو شاہ شطرنج کی ہوتی ہے. یہ ہے مطالبہ ان لوگوں کا جو اپنے ہر جلسہ میں پہلی قرارداد اعلیٰ حضرت کے ساتھ غیر متزلزل وفاداری کی پاس کرتے ہیں اور ذمہ دارانہ حکومت کے زہریلے مطالبہ کو "زیر سایہ عاطفت بندگان عالی" کے معصوم الفاظ کی شکر میں لپٹ کر میٹھا بنانا اور مسلمانوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں.

ہم ذمہ دارانہ حکومت کو پسند کیوں نہیں کرتے؟

حضرات یہ قطعاً ضروری نہیں ہے کہ جو دستور ایک ملک کے لیے مفید اور اس کے حالات و روایات سے مناسبت رکھتا ہو وہی دستور بھی دوسرے ممالک کے لیے بھی مفید ثابت ہو جیسا کہ میں کل کہہ چکا ہوں تمام سیاسی تصورات کا انحصار اس ملک کے ماحول پر ہے. کیا آپ نہیں دیکھتے کہ روس کے دستور سے اٹلی کا

اٹلی سے جرمنی کا اور جرمنی سے فرانس کا دستور مختلف ہے اور ان کے نظریہ ہائے سیاست میں نہ صرف فروعی بلکہ بنیادی فرق پائے جاتے ہیں فرانس اور امریکہ دو جمہوریتیں ہیں لیکن دونوں کے دستور ایک دوسرے سے مختلف خود برطانوی دولت عامہ اقوام کو لیجئے۔ کینیڈا آسٹریلیا، جنوبی امریکہ اور آئرلینڈ کی نوآبادیاں ایک ہی مرکز سے تعلق رکھتی ہیں لیکن ہر ایک کا دستور دوسرے سے جدا ہے اور آج ہندوستان کے لیے ایک دنیا سے نرالا دستور مرتب ہوا جس کو برسرعمل لانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اسی طرح جمہوریت اور عوام کی حکمرانی کا تصور ضروری نہیں کہ ہر ملک میں صحیح ثابت ہو جمہوریت کے لیے سب سے ضروری چیز ان عوام کا جن پر حکومت مشتمل ہوگی ایک رابطہ خیال میں منسلک ہونا ہے۔ اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہندوستان اور خصوصاً حیدرآباد میں بسنے والے باشندوں کے زاویہ ہائے نظر طریقہ ہائے فکر اتنے مختلف ہیں کہ ان کو کسی طرح ایک قوم نہیں کہا جاسکتا۔ ان کی زبانیں مختلف ان کی تہذیب مختلف ان کا لباس مختلف ان کے طریقہ ہائے ماندوبود ان کی عبادت گاہیں مختلف یہاں تک کہ ان کے خدا مختلف جو قومیں ایک ہزار سال کے میل جول کے باوجود اس قابل بھی نہ ہوسکیں کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھ کر

ایک دستر خوان پر کھا سکیں۔ ان سے یہ توقع کرنا کہ وہ باہمی رائے سے ایک حکومت کے دستور کو چلا سکیں گی، دنیا کو اور اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ضلع واری اساس کی بجائے مقننہ میں عوام کی نمائندگی طبقہ واری اساس پر ہو تو یہ اندیشے رفع ہو سکتے ہیں۔ اس میں تفصیلی بحث تو کل کروں گا آج صرف آپ پر اس دھوکے کی پول کھول دوں۔ میں تو مختلف طبقات میں مسلمانوں کی تعداد کا وہ تناسب بھی نہیں پاتا جو بحیثیت مجموعی پوری آبادی میں ان کو حاصل ہے۔ جاگیرداروں اور وکلاء کے طبقات کو چھوڑ کر دوسرے طبقات پر نظر ڈالیے مسلمان مزارعین میں پانچ فی صد بھی نہیں ہیں۔ ساہوکارہ میں صفر تجارت، ان کے لیے عار، مزدوری ان کی بلا جانے ان حقائق کے مدنظر کیسے کوئی توقع کر سکتا ہے کہ مسلمان دکن میں ذمہ دار حکومت کو قبول کر لیں گے۔ میں نے بارہا کہا ہے اور آج پھر مجھے کہنے میں عار نہیں کہ اگر میں حیدرآباد کی بجائے کسی اور ملک میں ہوتا تو شاید میں بھی ذمہ دارانہ حکومت اور جمہوریت کے سب سے بڑے مدعیوں میں سے ہوتا۔ اگر دساتیر کا انحصار ماحول پر ہے اور حیدرآباد کا ماحول وہی ہے جو میں نے بیان کیا تو مجھ سے یا اس جماعت سے جس کی میں نمائندگی کر رہا ہوں قطعاً توقع نہیں کی جا سکتی کہ

وہ کسی ایسے طریق حکومت کا تصور بھی کریں گی جس کا لازمی نتیجہ اعلیٰ حضرت کے اقتدار شاہی کا کم یا دوسری طرف منتقل ہو جانا ہے انشاء اللہ کل میں اپنے اصل موضوع پر آپ کو مخاطب کروں گا اور ان مقدمات کی روشنی میں جو ان دونوں تقریروں میں میں نے قائم کیے ہیں۔ یہ ظاہر کروں گا کہ زیر نظر اصلاحات کیوں ہمارے لیے غیر تشفی بخش اور ناقابل قبول ہیں۔

خدا حافظ

اجلاس سوم

تشریح اصلاحات دستوری

بھائیو! میں نے اپنی گذشتہ تقریروں میں یہ بتایا تھا کہ یہ ضروری نہیں کہ ایک ایسا دستور جو کسی ملک کے لیے مفید ہو ہمیشہ آباد کے لیے بھی مفید تصور کیا جائے دوسرے ممالک کے دساتیر پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ زبردست اختلاف رکھتے ہیں کیوں کہ ان کا ماحول ان کے ضروریات ان کی فضا اس امر کی اجازت نہیں دیتی کہ اپنی روایات وضروریات کے خلاف محض دوسروں کی تقلید میں کوئی دستور نافذ کردیں روس کا دستور حکومت جرمنی سے اور امریکہ کا فرانس سے مطابقت نہیں کھاتا محض اس لیے کہ ان مقامات کے حالات وضروریات ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ یہی حال ہندوستان کے مذاہب اقوام و ملل خیالات ورجحانات کا ہے۔ اس لیے یہاں جمہوری نظام کا نافذ

کرنا قطعاً کامیاب نہیں ہو سکتا۔ گذشتہ چند سال کے تجربہ نے ہندوستان میں جمہوریت کو جو عریاں کر دیا ہے اس کو سمجھنا کسی کے لیے دشوار نہیں آج تین سال کا عرصہ گزرا کہ ہندوستان کی فضا اقلیتوں کے نالہ و فریاد سے گونج اٹھی۔ حیدرآباد کا نظام سیاسی فطرت کے عین مطابق تھا۔ حیدرآباد میں اصلاحات کے لیے کوئی عام مطالبہ نہیں پیدا ہوا جیسا کہ میں نے کل بیان کیا اغیار کے لیڈروں کے کیا خیالات تھے انھوں نے علی الاعلان کہا کہ ہم یہاں زیادہ امن زیادہ عافیت زیادہ آرام اور زیادہ اطمینان کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کم دیتے اور زیادہ لیتے ہیں ہماری زندگی بیرونی لوگوں سے کہیں زیادہ بہتر ہے ہم اگر کسی چیز کے بھوکے ہیں تو وہ اقتدار ہے چند شریر النفس لوگوں اور بیرونی اثرات نے جو حیدرآباد کو فیڈریشن یا وفاق میں اپنے اغراض کے لیے استعمال کرنا چاہا اور آلۂ کار بنایا اور آمادہ کیا کہ دستوری اصلاحات نافذ کر دیئے جائیں۔

اتحاد المسلمین کی اصلاحی تجویزیں

بھائیو! کل سرسری طور پر بتایا گیا تھا کہ اس مقصد کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے صدر آر مدوا آئینگار تھے چار اراکین اور ایک معتمد جس نے

رپوٹ مرتب کر کے حکومت کے سامنے پیش کر دی اور اس کمیٹی نے ارادہ ظاہر کیا کہ رائے عامہ معلوم کرنے کے لیے دوسروں کے خیالات بھی حاصل کیے جائیں جس کی بناء پر مجلس اتحاد المسلمین نے بھی اس کمیٹی کے یہاں اپنی یادداشت روانہ کی اس لیے دستوری تبدیلی کو لازمی قرار نہیں دیا اور اس لیے جو خرابیاں دیکھیں اس کے لیے صاف اور واضح تجاویز پیش کر دیں نظم و نسق کے بعض نقائص و خامیوں کو مجلس اس وقت بھی محسوس کرتی تھی اور اب بھی محسوس کرتی ہے اڈمنسٹریشن کی اصلاح کون نہیں چاہتا۔ ہم فرشتہ تو نہیں کہ ہم سے دکن میں کوئی غلطی سرزد ہی نہیں ہوتی لیکن سوال یہ ہے کہ ان غلطیوں کی اصلاح کے لیے کیا دستوری تبدیلی ضروری تھی۔ کیا قدیم طرز حکومت کو قائم رکھتے ہوئے بھی اور خامیوں کی اصلاح نہیں کی جا سکتی تھی۔ مجلس نے اصلاح کی جو صورتیں رکھیں ان میں مجلس وضع قوانین کو صرف قوانین کے وضع کرنے کی حد تک محدود رکھا تھا۔ کہ عائلہ اور عدلیہ میں فصل دیئے بغیر صرف قوانین کو مرتب کر کے بارگاہ ظل سبحانی میں پیش کرے اور منظوری حاصل کر کے نافذ کر دے اور رعایا کی ضروریات جذبات سے واقف ہونے کے لیے مجلس نے صوبہ واری کانفرنسوں کے انعقاد اور نظام پٹیل و پٹواری میں تبدیلی کی سفارش کی تھی اور حکومت کی

شہری میں رعایا کے موثر اشتراک عمل کے لیے ہر وزارت کے ساتھ ایک شوریٰ کمیٹی کی تجویز پیش کی تھی جس کو اس اصلاحی اسکیم میں بھی منظور کرلیا گیا ہے۔ اس کے بعد مقننہ کے اختیارات میں قانون سازی سے زیادہ وسعت اور انتخابی طریقہ کا اجراء۔ مجھے یقین ہے کہ ملک کی پرامن فضاء کو زیادہ خراب کرنے کا باعث ہوگا۔

آئینگار کمیٹی کی قومیت پرستانہ اسپرٹ

برادران! یہاں میں آئینگار کمیٹی کی رپورٹ سے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں کمیٹی نے اس کو اپنی قومیت پرستانہ اسپرٹ کے خلاف تصور کیا کہ وہ فرقہ وارانہ حیثیت سے کسی اسکیم پر غور کرے۔ ہندوستان میں رہنے کے باوجود اس کے ماحول سے واقف ہوتے ہوئے بھی اور ہندوستان کی بیس سالہ تاریخ کے مطالعہ کے بعد بھی اس کو نظر انداز کردیا گیا اور طبقہ واری اساس پر بلا تحفظ نشست مشترکہ انتخاب کے ذریعہ قیام مقننہ کی تجویز پیش کی جس میں مسلمانوں کے لیے نشست کا تحفظ قطعاً نہیں کیا گیا انھوں نے سمجھا کہ حیدرآباد فرشتوں کی سرزمین ہے ہندو باوجود ہندو ہونے اور مسلم باوجود مسلم ہونے کے ہندوستان کی سیاسی تحریکات سے بالکل غیر متاثر ہیں۔ انھوں نے ضرورت محسوس نہ کی کہ مسلمانوں کا تحفظ کیا جائے جو حکومت قائم کرنے

کا اصل باعث ہیں جنھوں نے حکومت کے چمن کو اپنے خون سے سینچا تھا اور جنھوں نے دوسروں کو ہر طرح کا آرام و آسائش پہنچاتے ہوئے چھ سو سال سے دکن میں حکومت کی۔

جیسا کہ میں نے کل کہا تھا مفاداتی اصول پر نظر غائر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ مسلمان نہ ساہوکار ہیں نہ مزدور پیشہ اور نہ وہ زراعت میں کوئی اچھا مقام رکھتے ہیں نامزد شدہ ارکان کے بھروسہ پر بھی اندازہ لگایا جائے اور مقننہ کی تشکیل پر جس کو آئینگار کمیٹی نے پیش کیا ہے بہت پُر امید ہو کر غور کیا جائے تو اس میں مسلمان پچیس فیصدی سے زیادہ نہیں بلکہ اس سے بھی کم نظر آئیں گے غضب یہ کیا کہ مخلوط انتخاب کو لازمی قرار دیا گیا اس مقننہ کے متعلق سفارش کی گئی کہ اس میں سوال کرنے پر بل پیش کرنے اور بجٹ سے متعلق بحث کرنے کا موقعہ دیا جائے بغلۂ آرا کمیٹی کی رائے تھی کہ بجٹ پر بحث کا موقع ملنا چاہیئے لیکن کمیٹی میں یہ بھی مطالبہ کیا گیا تھا کہ بجٹ پر رائے دہی کا موقع دیا جائے جس کی تکمیل حکومت نے اپنی تجویز میں کر دی مفاداتی یا ضلع واری تقسیم میں جو فرق ہے اس کو میں کل کی تقریر میں واضح کر چکا ہوں اب میں اصلاحات کی مکمل اسکیم کی طرف متوجہ ہو رہا ہوں تاکہ آپ کو زیادہ انتظار کرنا نہ پڑے اصلاحات

کا جو اعلان کیا گیا وہ چند اجزاء پر مشتمل ہے سب سے پہلے یہ بتایا گیا ہے کہ اعلیٰ حضرت کی ذات اقدس رعایا کے اقتدار اعلیٰ کی نمائندگی کرتی ہے۔

مملکت حیدرآباد کا قدیم طرز حکومت ذاتی حکمرانی ہے

مملکت کا صدر اپنی ذات میں عوام کی بلاواسطہ نیابت کرتا ہے اور اس کا تعلق عوام کے ساتھ نمائندہ جماعتوں کے اراکین کے تعلق کی بہ نسبت زیادہ مستقل اور زیادہ گہرا ہوتا ہے دوسرے الفاظ میں وہ مملکت کا صدر بھی ہوتا ہے اور عوام کے اقتدار اعلیٰ کی نمائندگی بھی کرتا ہے کمیٹی نے اس نظریہ کو اپنی رپورٹ میں بسلسلہ کلام میسور کی ایک رپورٹ سے نقل کیا تھا لیکن اپنی رپورٹ کے صفحہ (۷) پر صاف الفاظ میں واضح کر دیا تھا کہ اس مملکت کا قدیم طرز حکومت ذاتی حکمرانی رہا ہے کونسل نے اپنی عرضداشت میں اس فارمولا کو حیدرآباد کے لیے محض اس غرض کے لیے بنیادی تصور قرار دیا کہ ہندو جماعت مطالبہ ذمہ دارانہ حکومت سے اس کے ذریعہ گریز کرے حالانکہ صحیح طریقہ یہ ہوتا کہ فرمان مبارک کے ارشاد کے بموجب صاف الفاظ میں یہ کہہ دیا جاتا کہ اعلیٰ حضرت

کا اقتدار اعلیٰ ان کا اپنا ذاتی ہے آج جب کہ یہ نظریہ استعمال کر لیا گیا ہے میں اس کو صدر مجلس اتحاد المسلمین کے مسلک کے بالکل مطابق پاتا ہوں۔

اقتدار اعلیٰ کی نمائندگی

اور میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ کونسی رعایا ہے جس کے اقتدار کا مظہر بادشاہ کو ظاہر کیا جا رہا ہے جمہوریتوں میں حکومت کا صدر اس لیے عوام کے اقتدار کا نمائندہ تصور کیا جاتا ہے کہ وہ عوام سے باعتبار نسل و قوم مذہب اور وطنیت کے یکساں تعلق رکھتا ہے اگر مملکت کے صدر کے لیے اپنی رعایا کے ساتھ فکر و اعتماد کا تعلق ضروری ہے تو اس نظریہ میں مجلس لفظ عوام کا ہی مطلب سمجھتی ہے کہ اس سے وہ جماعت مراد ہے جس سے حیدرآباد کے بادشاہ کو نسلی قومی اور مذہبی تعلق ہو اور انھیں کے اقتدار اعلیٰ کی نمائندگی کرتا ہے اس نظریہ کو مجلس کے دستور کے دفعہ (۷) ضمن الف کے ساتھ ملا کر پڑھیے کہ "فرمانروائے ملک کی ذات اور تخت مسلم جماعت کے سیاسی تمدنی اقتدار کا مظہر ہے میرے اس نظریہ کو حضرت اقدس و اعلیٰ کے فرمان واجب الاذعان سے تقویت ہو رہی ہے کہ حضرت اس ریاست کو ایک اسلامی ریاست کے لفظ سے یاد فرماتے ہیں جس کا منشاء یہی ہے کہ بادشاہ جس "عوام" کے

اقتدارِ اعلیٰ کی نمائندگی کر رہا ہے وہ مسلم عوام میں اس سلسلہ میں یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ جب دستور مملکت کا مسئلہ آئینگا کمیٹی کے امور تحقیق طلب میں داخل ہی نہ تھا اور جیسا کہ سنا جاتا ہے کمیٹی کے صدر نے ایک مرتبہ رولنگ بھی دی تھی تو پھر یہ بحث اس رپورٹ اور کونسل کے عرضداشت میں کیوں ضروری تصور کی گئی۔

کمیٹی کی رپورٹ یا اصلاحات کا پلندہ

کمیٹی کی رپورٹ یا اصلاحات کا پورا پلندہ حسب ذیل اجزاء پر مشتمل ہے مجلس مقننہ مشاورتی کمیٹیاں پبلک سروس کمیشن مقامی حکومت خود اختیاری کے ادارے یعنی مجالس اضلاع بلدیہ اضلاع قصباتی بلدی کمیٹیاں اور پنچایتیں وغیرہ۔

پنچایتیں خواہ مخواہ کی پنچایت ہے

میں اپنی تقریر کو مقننہ سے ابتداء کرنے کی بجائے پنچایتوں سے شروع کرتا ہوں یہ پنچایتیں کیا ہیں میں بتانا چاہتا ہوں کہ خواہ مخواہ کی پنچایت سے زیادہ کچھ نہیں آپ دیہات کی زندگی سے واقف ہیں ان سے میل جول میں دیکھی ہوگا کہ وہ اپنی موجودہ زندگی میں مگن نظر آئیں گے ابھی

ان میں یہ شعور بھی پیدا نہیں ہوا کہ وہ ان چیزوں کی طرف توجہ کریں فی الحال جو اختیارات پنچایتوں کو دیئے گئے ہیں گو وہ قابل لحاظ نہیں ہیں مثلاً آب رسانی کا انتظام گاؤں کے حدود میں سڑکوں اور پلوں کی تعمیر صفائی اور صحت عامہ پر نگرانی چراگاہوں تالابوں اور باؤلیوں کی نگہداشت کھاد کے لیے گڑھے تیار کروانا وغیرہ لیکن ظاہر ہے کہ اختیارات رفتہ رفتہ ترقی کریں گے اور دیہات کی پُرامن رعایا میں وہی کشمکش شروع ہو جائے گی۔ جو آج ہمارے شہروں میں نظر آرہی ہے، ہمیشہ برائی پہلے چھوٹی ہوتی ہے اور آئندہ چل کر بڑی ہو جاتی ہے کتنی بدبختی کی بات ہوگی کہ ایسے جراثیم چھوڑ دیئے جائیں جو اندر ہی اندر کچھ عرصہ بعد تباہی کا باعث بن جائیں اور پھر اس تباہی کے تدارک کے لیے بھاگتے پھریں۔ اگر پنچایتوں کا سسٹم جاری کیا جائے تو مسلمانوں کے لیے کیا ہوگا؟ جن کو اگر تلاش کیا جائے تو وہ کئی سو گاؤں میں بھی ڈھونڈنے کے باوجود اتنے ملیں گے کہ وہ مشکل سے اس تعداد کی تکمیل کر سکیں جو پنچایت کو مطلوب ہو حکومت خود اختیاری کے مختلف ادارے آج بھی مختلف مقامات پر قائم ہیں۔ تعلقوں بڑے بڑے شہروں میں صفائی کے دفتر اور محکمہ موجود ہیں جن کو آہستہ آہستہ بلدیات کے درجہ تک پہنچانے کی کوشش کی جارہی ہے اب اس اسکیم میں مستقر ضلع

اور ہر اس قصبہ کو جس کی آبادی پندرہ ہزار سے زیادہ ہو بلدیہ کی حیثیت دی گئی اور پانچ ہزار سے پندرہ ہزار تک جس قصبہ کی آبادی ہو وہاں بلدیاتی کمیٹیاں قائم کی جائیں گی اور آئندہ بلدۂ حیدرآباد میں بھی مفاداتی اصول پر انتخاب ہوا کریں گے یعنے اے وارڈ بی وارڈ سی وارڈ کی کشمکش کی بجائے اطباء، وکلاء، دوکاندار، کرایہ دار، مالکانِ مکان وغیرہ کی طبقاتی کشمکش سے دوچار ہونا پڑے گا۔ ان تمام اداروں میں بھی ہندو مسلم مساوات کا اصول اختیار کیا گیا ہے جس کے دوسرے الفاظ میں یہ معنی ہیں کہ دوسری غیر مسلم اقوام کو شامل کرنے کے بعد ان اداروں میں مسلمان اسی طرح اقلیت میں ہونگے جس طرح کاشہ مقننہ میں کیا جارہا ہے۔

بھائیو! میں نے حکومت کو ہر جگہ اناث سے دلچسپی لیتا ہوا پایا چنانچہ قصباتی کمیٹیوں سے لے کر مقننہ تک ہر جگہ اناث کے لیے نشستیں محفوظ کی گئیں۔ بحیثیت مسلم میں عورت کے درجہ کو حیاتِ انسانی میں مرد سے کسی طرح گھٹا ہوا نہیں پاتا لیکن تقسیم کار بہرحال ضروری ہے اگر میں اور میری شریک حیات دونوں سیاسیات ملک میں حصہ لیتے ہوئے گھر سے باہر نکل آئیں تو میرے گھر کو سنبھالنے والا کوئی نہ رہے گا۔ آج میں آپ کی خدمت گذاری کے قابل اس لیے ہوں کہ

مجھے اپنے گھر کی طرف سے کامل اطمینان ہے اور اسی اعتبار سے ایک مسلمان کی بیوی اس کی شریک زندگی ہے دوسری طرف پردہ کا مسئلہ مسلمانوں میں ایک نہایت اہم اختلافی مسئلہ ہے حکومت کا غرض ہے کہ وہ ان مذہبی جذبات کا احترام کرے اور کم از کم اپنے قوانین کے ذریعہ ہماری خواتین کو پردے کے حدود توڑنے کی دعوت نہ دے مسلمان اس کو بھی پسند نہ کریں گے کہ ان کی بیویاں چراغ خانہ کی بجائے شمع محفل بنیں۔ اسی لیے اناث کے لیے جو نشستیں محفوظ کی گئیں ہیں ان کا تعلق کبھی مسلم خواتین سے نہ ہونا چاہئے۔ برادران شکر ہے کہ مجلس اتحاد المسلمین کی تجویز کو اس اصلاحی اسکیم میں قابل اعتنا سمجھا گیا کہ ہر صوبہ میں رعایا کے جذبات و ضروریات معلوم کرنے کے لیے کانفرنسیں منعقد کی جائیں اگر ان کانفرنسوں کا انعقاد ایسے لوگوں سے متعلق رہا جو مضبوط قوت ارادی رکھتے ہیں تو ان سے صحیح فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے لیکن اگر مرعوب فطرت لوگ اس کے ذمہ دار گردانے گئے تو رعایا کے چیخ و پکار کی ہر بھونگ میں اندیشہ ہے کہ اپنے توازن تدبر کو ضائع نہ کر دیں اسی طرح مشاورتی کمیٹیوں کا قیام بھی مجلس اتحاد المسلمین کے مجوزات میں سے ایک ہے شکر ہے کہ حکومت نے بھی اس کو قبول کر لیا لیکن ان مشاورتی امور کے متعلق

یہ بھی کہہ دیا گیا کہ وہ ان ہی امور پر مشورہ دیں گی جو ان کے سامنے پیش کی جائیں مناسب تو یہ ہے کہ ان مشاورتی کمیٹیوں میں اضافہ ہو اور بعض دوسری وزارتوں کے ساتھ بھی ان کو قائم کیا جائے۔
اسی سلسلہ میں امور مذہبی کیلئے دو تین کمیٹیاں بنائی گئی ہیں جس سے توقع کی جارہی ہے کہ سررشتۂ امور مذہبی زیادہ منظم اور زیادہ مفید ہو سکے گا ان تینوں کمیٹیوں کے منجملہ دو ہندو مسلم اوقاف سے متعلق ہیں اور ایک باہمی مناقشات کے ارتفاع کے لیے اوقافی کمیٹیوں کے قیام کی ضرورت خود مجلس اتحاد المسلمین بھی محسوس کر رہی تھی تاکہ مسلم اوقاف کی آمدنی زیادہ منظم اور مسلمانوں کے لیے زیادہ مفید طریقہ پر صرف کی جا سکے لیکن تیسری کمیٹی کا قیام اس بے جا شور و شغب سے مرعوبیت کا نتیجہ ہے جو سارے ہندوستان میں حیدرآباد کے چند اشرار اور بیرونی غرض مند اداروں کی طرف سے مذہبی شکایات کے نام سے مچایا گیا اس کے لیے میرے خیال میں ایک مستقل کمیٹی کا قیام کچھ درست نہ ہوگا۔
ایک اور اہم ترین مسئلہ سروسیس کمیٹیوں کا ہے جو مسلمانوں کے معاشی مستقبل کا ذمہ دار ہے۔
سارے ممالک کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ

ان کی فتوحات میں فاتح اقوام کی کوئی نہ کوئی معاشی اور اقتصادی غرض ضرور پوشیدہ تھی اسی وجہ سے نوآبادیوں کے حصول کے لیے جرمنی بے چین ہے اسی کی خاطر اطالیہ نے حبشہ پر قبضہ کر لیا اور اسی لیے انگلستان نے مصر سے لے کر شنگھائی تک مختلف مقامات پر اپنا انتداب قائم رکھا تاکہ ہندوستان جو سونے کی چڑیا ہے محفوظ رہے اور ایک ہم ہیں کہ ہندوستان میں اتنی فتوحات کیں۔ دکن کشمیر میں کو فتح کیا یہاں ہماری سات سات پشتیں دفن ہوگئیں لیکن یہاں کے جوز رخیز ذرائع معیشت تھے ان کو چھوا تک نہیں۔ بادشاہ کو استحکام سلطنت کے لیے جان نثاروں اور وفاداروں کی ضرورت تھی اور ایثار و قربانی کا سوال تھا۔ مسلمانوں نے دولت کے انبار کو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ اور اپنی ساری طاقتیں امور مملکت کے انصرام میں وقف کر دیں۔ تجارت صنعت اور زراعت یہاں کے قدیم باشندوں ہی کے ہاتھ میں چھوڑی اور سلطنت کی خدمت کو اپنا فرض قرار دیا۔

ملازمت برکت والا پیشہ نہیں ہوتا۔ مہینہ پر چند ٹکے مل گئے اگر قرضہ باقی ہے تو ساہوکار وقت پر موجود! اگر اس کے حوالہ نہ کیا گیا تو پھر آئندہ مہینہ کا غلہ غائب پھر دوسری ضروریات زندگی

الگ! صیغہ دار یا اہلکار یا منتظم صاحب ہیں تو ان کو ایک اچھا مکان چلنے پھرنے کو ایک سیکل پہننے کے لیے اچھے اچھے کپڑے اور پھر انکے سنبھالنے کے لیے قرض ضروری لیکن اگر ان ہنستے ہوئے چہروں کو نقاب اٹھا کر دیکھا جائے تو ان کے دل معاشی بے چینی سے تڑپتے ہوئے ملیں گے بہت کم ایسے لوگ ہوں گے جو یہ بتا سکیں کہ معاشی حیثیت سے کسی دوسری قوم کے غلام نہیں ہیں۔

عزیزو! ایک طرف تو تم نے سب کچھ چھوڑ کر ملازمت اختیار کی۔ ایک دوسرے ہیں کہ سب کچھ رکھ کر بھی تمہارے اس واحد ذریعہ معیشت کی طرف نظر دوڑا رہے ہیں اور اس کا اقرار کرتے ہوئے کہ مسلمانوں کے واسطے ملازمت کے سوا کوئی اور ذریعہ معیشت نہیں ہے چاہتے ہیں کہ تمہارے ذریعہ معاش کے ایک بڑے حصہ پر قابض ہو جائیں بھائیو بظاہر یہ اسکیم بہت معصوم نظر آتی ہے کہ ہر محکمہ کو ایک سروس کمیٹی کے قیام کا حکم دیا گیا ہے جن میں اس محکمہ کا صدر معتمد اور صدر المہام رکن ہوا کریں گے اور ملازمتیں باقاعدہ اشتہار کے اجرار کے بعد پُر کی جائیں گی اور طریقہ عمل کی نگرانی کے لیے باب حکومت کی ایک سب کمیٹی ہو گی جس میں کم از کم ایک ہندو اور ایک مسلمان رکن ہو گا اس حد تک ہمیں بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بشرطیکہ اس کے پیچھے

آہستہ آہستہ مسلمانوں کے تناسب کو ملازمت میں گھٹانے کی نیت کام نہ کر رہی ہو یہ اندیشہ اس اسکیم کو ہمارے ایک مرحوم دوست کی اصطلاح میں معصوم پر خطا بنا دیتا ہے نیتوں کو میں تو نہیں جانتا لیکن وہ خدائے بصیر کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہے

آپ نے غور کیا کہ جہاں پنچایتیں قصباتی کمیٹیاں قائم کر دی گئیں مجالس اضلاع مشاورتی کمیٹیاں ہر ضلع و صوبہ میں کانفرنسوں کا قیام عمل میں آیا اور سروسیس کمیٹیوں کا انعقاد ہو گیا تو کیا رعایا کو حکومت کی مشنری میں اشتراک عمل کے مواقع حاصل نہیں ہو گئے؟ اگر یہ صحیح ہے تو پھر قانون ساز مجلس کو یہ سوالات و جوابات غوائر نہ پر بحث اور ان سارے چیزوں سے ملوث کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہاں کہا جائے گا کہ یہ کیسا ٹیرار جعت پسند آدمی ہے یہ ترقیات نہیں چاہتا اصلاحات پسند نہیں کرتا میں پوچھتا ہوں کہ آخر ان کا مآل کار تلائے اور سستی نظام حکومت دوسرے ذرائع سے حاصل ہو رہی ہے تو پھر جمہوریت کے کیا معنیٰ؟ حکومت نظام دستوری کو چلانے کے لیے تین اجزاء تجویز کیے گئے ہیں۔

(۱) مقننہ

(۲) عاملہ

(۳) عدلیہ

عاملہ کی نسبت سارے انتظامات کی تفصیل میں نے بیان کردی عدلیہ کو عاملہ سے علیحدہ کر کے مستقل حیثیت دے دی گئی اب مقننہ کے لیے اس کے سوا کسی بات کی ضرورت نہ تھی کہ اس کو قانون سازی کے لیے مخصوص کیا جاتا اور اس میں اعلیٰ حضرت بندگان عالی کے نامزد ارکان رعایا کی نمائندگی کرتے کیوں کہ یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ اعلیٰ حضرت کی ذات رعایا کی صحیح نمائندہ ہو سکتی ہے دوسرے الفاظ میں کا نامزد کردہ شخص ہی رعایا کا صحیح نمائندہ ہو سکتا ہے اس دستور میں مقننہ کو بظاہر کوئی اختیار نہیں دیا گیا لیکن کہا جا سکتا ہے کہ لمبی چوڑی رسّی کا ایک سرا ہاتھ میں پکڑا دیا گیا آج مغفرت رساں نہیں تو کل ضرور ثابت ہوگا۔

بھائیو! اب میں موجودہ اسکیم کی تفصیلات پر آپ کی توجہ منعطف کراؤں گا۔ مقننہ کے تین حصے قابل غور ہوتے ہیں۔

(۱) تشکیل

(۲) حق انتخاب و طریقہ انتخاب

(۳) اختیارات

اجازت دیجئے کہ میں آخر الذکر امر سے متعلق سب سے

پہلے خیالات کا اظہار کروں۔

کہا جا رہا ہے کہ اس اسکیم میں بظاہر کوئی اختیار نہیں دیا گیا یہ تصور کیا جا رہا ہے کہ روتے کے آنسو پونچھے گئے لیکن دنیا جانتی ہے اور سیاسیات کا طالب علم سمجھتا ہے کہ اساس جمہوریت پر ایک مرتبہ مقننہ کو قائم کر دینے کے بعد اختیارات دیئے نہیں جاتے بلکہ حالات زمانہ کے تقاضہ سے خود بخود منتقل ہونے لگتے ہیں ہندوستان کے دستور کی تاریخ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے ۱۹۰۶ء میں جب منٹو مارلے ریفارمس کیے گئے تو وہ اتنے اختیارات بھی نہ رکھتے تھے جتنے حیدرآباد کا ریفارم اسکیم دے رہا ہے۔

لیکن کون نہیں جانتا کہ مانٹیگو چیمس فورڈ اسکیم نے اس میں اضافہ کیا اور آج قانون حکومت ہند بابتہ ۱۹۳۵ء کے ذریعہ صوبہ جات خود مختار ہیں۔ گورنروں کے لیے جو خصوصی اختیارات محفوظ کیے گئے وہ کالعدم ہو کر رہ گئے گذشتہ تین سال سے ہم نے کسی گورنر کو اپنا کوئی خصوصی اختیار استعمال کرتے نہیں دیکھا۔ سی پی، یوپی و بہار کی اقلیتوں کے شور سے ہندوستان کی فضا گونج اٹھی اگر جوں نہ رینگی تو گورنروں کے کان پر اس حقیقت کے مدنظر کون کہہ سکتا ہے کہ آج اسکیم میں جو اختیارات دیئے گئے ہیں وہ بہت کم عرصہ

میں وسیع تر نہ ہو جائیں گے۔ میں خود بھی اختیارات کے مسئلہ کو زیادہ اہم نہیں سمجھتا اگر مجھے اس کا یقین ہو جائے کہ مسلم جماعت کی حیثیت مقننہ میں اتنی مضبوط ہو گئی ہے وہ اپنے اور سلطنت اسلامیہ آصفیہ کے حقوق کا کما حقہ تحفظ کر سکے تو شاید میں خود یہ خواہش کروں گا کہ اختیارات کو وسعت دی جائے کیونکہ کوئی سمجھدار آدمی جس کے دل میں ملک کا درد ہو اور ایسا درد ہو جیسا کہ ایک مسلمان کے دل میں ہو سکتا ہے۔ حیدرآباد کی موجودہ عددیت (آلی گارکی) کو برداشت نہیں کر سکتا۔

سوال صرف یہ ہے کہ آیا میرے جسم میں اتنی تریاقی قوت پیدا ہو گئی ہے کہ میں جمہوریت کے اس زہر کو ہضم کر سکوں اس پر میں تشکیل مقننہ کے سلسلہ میں گفتگو کروں گا۔ میاں صرف اس قدر کہہ دینا کافی تصور کرتا ہوں کہ سررشتۂ مذہبی کے انعرام کار کے لیے ایک چھوڑ تین تین کمیٹیوں کی تشکیل کے بلیے ضرورت تھی کہ محکمۂ مذہبی کو سررشتہ مقننہ میں ہدف سوال و جواب بننے سے بچایا جاتا کیونکہ یہی ایک سررشتہ سب سے زیادہ معرض بحث رہا ہے اور ملک کی دو بڑی جماعتوں میں کثرت اختلاف کا باعث سمجھا گیا اسی جریدہ کے صفحہ (۵۱) پر یہ دیکھ کر مجھے تعجب ہوا کہ ذریعہ تعلیم کو

اختیارات مقننہ سے مستثنیٰ تو کیا گیا ہے لیکن صرف اعلیٰ تعلیم کی حد تک! زبان کا مسئلہ کسی ملک کا سب سے اہم مسئلہ سمجھا جا سکتا ہے مجھے یقین ہے کہ کونسل اعلیٰ تعلیم کے مفہوم کی وضاحت کرے گی۔ میکینزی اسکیم کے پیش نظر جس کی رو سے انٹرمیڈیٹ کی جماعتیں کالج سے تخفیف کی جا رہی ہیں اور وسطانی تعلیم کے بعد صنعتی تعلیم کو رائج کر کے فوقانی تعلیم کا جدید نظام قائم کیا جا رہا ہے یقیناً اعلیٰ تعلیم سے صرف جامعہ کی تعلیم نہیں بلکہ فوقانی تعلیم بھی مراد ہوگی۔

اس پہلی منزل میں جب کہ حیدرآباد نے جدید دستور کی دنیا میں پوری طور پر آنکھ نہیں کھولی۔ مقننہ پر بحث اور رائے دہی کی اجازت یقیناً انتہائی فیاضی بلکہ بے جا جرارت ہے۔ حق رائے دہی سے متعلق حکومت کی تجاویز ہمارے سامنے نہیں ہیں۔ مجھے نہیں معلوم ہے کہ اس کا کیا معیار حکومت نے مقرر کیا ہے اگر سابقہ مرغوبیت اور عاقبت نا اندیشی کا شکار حکومت نہ ہوگی تو یقین ہے کہ اصل معیار کے تعین میں احتیاط سے کام لے کر وہ اپنے سابقہ گناہوں کی تلافی کر سکے گی۔ البتہ طریقہ انتخاب ہمارے سامنے ہے اور بصد ہزار تعجب و افسوس ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ ہندوستان

کے مسلمانوں کا ایک عمومی اٹل، ناقابل تغیر اور اساسی مطالبہ جداگانہ انتخاب ایک ایسے ملک میں نظر انداز کر دیا گیا جس کی نسبت حضرت بندگان عالی نے فرمان عطوفت نشان میں مسلم ریاست ارشاد فرمایا ہے میں کہہ چکا ہوں اور پھر کہتا ہوں کہ اگر میں حیدر آباد کی بجائے افغانستان یا ایران میں ہوتا۔ جرمنی یا اٹلی میں ہوتا انگلستان یا امریکہ میں ہوتا تو میری رائے قطعاً یہی ہوتی کہ وہاں مخلوط انتخاب کا اصول جاری کیا جائے کیونکہ وہاں رائے دہندگان ایک قوم سے ہوتے ایک نسل سے ہوتے تقریباً سب ایک مذہب کے ہوتے سب کا مقصد حیات ایک ہوتا اور سب کا نقطۂ نظر ایک ہوتا اور ایسی صورت میں انتخاب میں کسی جدائی کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا لیکن ہندوستان جہاں ایک ہزار برس رہنے کے بعد بھی مسلمان اپنے دوسرے بھائیوں کے دسترخوان پر بیٹھنے کے قابل نہیں ہیں ان کا سایہ دوسرے الوان نعمت کو زہر بنا دیتا ہے۔ اور اس کا لمس اتفاقی کسی کو دعوت غسل دیتا ہے جہاں تفریط و تشتت کی اونچی اونچی دیواریں میں نے نہیں بلکہ معتقدات مذہبی نے حائل کر رکھی ہیں اور رواج قومی نے پیدا کر دی ہیں جہاں چند ہزار برس پہلے کے آریائی اقوام ہندوستانی ہیں لیکن ایک ہزار سال قبل آیا ہوا مسلمان ابھی تک غیر ہے اور

وہ مسلمان غیر ہے جس نے انگریزوں کی طرح ہندوستان کی دولت سات دریا پار منتقل نہیں کی اور ہندوستان سے وہ تعلق نہ رکھا جو ایک کاشتکار کا کھیتی سے ہوتا ہے بلکہ عرب و افغانستان کو ایران و توران کو چھوڑ کر ہندوستان کو اپنا وطن بنا دیا وہاں کئی کئی نسلیں اپنی دفن کر دیں بہر حال ایسے ماحول میں اور ایسی فضا میں ایک ایسے دستور کے ساتھ جو چاہے مفاداتی بنیادوں پر دیا گیا ہو چاہے ضلع واری بنیادوں پر مشترکہ انتخاب کا اصول اختیار کرنا تحفظ نشست کے نشانوں کو برباد کر دینا ہے میں نے اپنی کل کی تقریر میں وضاحت کے ساتھ بتایا تھا کہ کس مفاد میں ہمارا کتنا حصہ ہے زراعت میں ہم پانچ فی صدی سے زیادہ نہیں تجارت میں بھی علیٰ ہذا القیاس ساہوکار ہمارے لیے مذہباً ممنوع مزدوری میں ایک ایسی قوم کی کافی تعداد ہو ہی نہیں سکتی جو اقلیت میں ہے میں پوچھتا ہوں کہ ایسی صورت میں مشترکہ انتخاب کے کیا صاف یہ معنی نہیں ہیں کہ مسلمانوں کا صحیح آدمی منتخب نہ ہونے پائے اور ابوالحسن سید علی صاحب کی بجائے کوئی شیخ سالار یا سید محمد احسن صاحب کی بجائے کوئی گھوڑو صاحب منتخب ہو کر آجائیں اپنے فرقہ کے چند لیس فیصدی آراء حاصل کرنے کی قید قطعاً کافی نہیں بغیر کسی تفصیلی

گفتگو کے صرف اتنا کہنا کافی سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے ساٹھ فیصدی آراء رکھنے والا ایک آدمی چالیس فیصدی آراء حاصل کرنے والے کے مقابلہ میں محض اس لیے ناکام رہے گا کہ اس کو دوسرے فرقہ کی ہمدردی اس لیے حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے فرقہ کا دوست ہے۔ یہ وہ اساسی مسئلہ ہے جس کو مجلس اتحاد المسلمین نے اپنی یادداشت میں سب سے زیادہ اہمیت دی اور جس کے صحیح تصفیہ کے بغیر مسلمانوں سے ہرگز توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ اس دستور کو بروئے کار لائیں۔

اب میں تشکیل مقننہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اس سلسلہ میں کونسل نے اپنی عرضداشت میں سب سے اہم نظریہ پیش کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ:۔

"اس ریاست ابدمدت میں مسلمانوں کی اہمیت ان کی تاریخی حیثیت اور وجود سیاسی میں ان کا مرتبہ اسی قدر مسلم ہے کہ ان کو مجلس مقننہ میں اقلیت کی گھٹی ہوئی حیثیت نہیں دی جاسکتی۔"

مسلمان اس کو اپنے امتیازی حقوق کا صحیح اعتراف تصور کرتے ہیں لیکن ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس جملہ کے چند ہی سطر بعد اس فقرہ کے کیا معنی ہیں کہ:۔

"منتخب شدہ اور نامزد شدہ ارکان ہر دو میں ہندو اور مسلمانوں کی تعداد مساوی ہوگی"۔

(۴۲) ارکان منتخب شدہ ہیں مساوی تعداد قابل فہم ہے لیکن یہ سمجھ میں نہ آیا کہ (۴۳) ارکان نامزد شدہ میں مساوات کس طرح قائم کی جائے گی اور اگر دو عیسائی اور ایک پارسی کو الگ کرنے کے بعد (۳۰) میں مساوات قائم کرنا مقصود ہے تو کیا اس سے مسلمان اقلیت کی گھٹی ہوئی حیثیت میں نہ پہنچ جائیں گے اور عیسائیوں اور پارسیوں جیسی انتہائی چھوٹی اقلیت فیصلہ کن عنصر یعنی ڈیسائیڈنگ فیکٹر نہ بن جائے گی اور مقننہ کا توازن ان پر منحصر نہ ہوگا مجھے یقین ہے کہ حکومت ان اشکال کو بعجلت ممکنہ رفع کردیگی ورنہ یہ امر مسلمہ ہے کہ مسلمان مقننہ میں گھٹی ہوئی حیثیت رکھ کر کبھی اس دستور کو قبول نہیں کرسکتا!!!

تشکیل کے سلسلہ میں ایک دو ایسی باتیں مجھے واضح کرنی ہیں جن پر ممکنہ ہے ہمارے سمجھدار لوگوں کی نگاہیں نہ پڑی ہوں مثلاً جریدے کے صفحہ (۲۵) پر یہ کہا گیا ہے کہ "ہر ایسے مفاد کو جسے نمائندگی کے لیے حق انتخاب دیا گیا ہے ہندو اور مسلم نمائندوں کی مساوی تعداد مجلس مقننہ میں بھیجنا پڑے گا"۔ جن مفادات کو

صرف دو نشستیں دی گئیں ہیں وہاں ظاہر ہے کہ ایک ہندو اور ایک مسلمان لازماً منتخب ہوگا۔ جاگیرداروں کے مفاد کو چار نشستیں دی گئیں لیکن وہاں اس لیے کوئی اندیشہ نہیں ہے کہ سوا ہندو اور مسلمان کے وہاں کسی دوسرے فرقہ کا کوئی آدمی آ ہی نہیں سکتا۔ لیکن اگر مزارعین نے اپنی طرف سے سات مسلمان اور سات ہندو نمائندوں کے ساتھ دو عیسائی یا ایک پارسی نمائندہ بھی بھیج دیا تو کیا مذکورہ فارمولا ان کو روک سکے گا؟ اور کیا مسلمان پھر اقلیت کی گھٹی ہوئی حیثیت میں نہ پہنچ جائیں گے؟ کہا جا سکتا ہے کہ عیسائیوں اور پارسیوں کے لیے نامزد شدہ ارکان میں چونکہ نشستیں محفوظ کر دی گئی ہیں اس لیے ان کا یہی مطلب ہے کہ منتخب شدہ سے سوا ہندوؤں اور مسلمانوں کے کوئی دوسرا نہ آ سکے گا میں حکومت سے اسی بات کو وضاحتاً اور صراحتاً سننے کا متمنی ہوں۔

ایک اور مقام آپ کے لیے اس دستور میں نہ صرف قابلِ غور بلکہ دلچسپ ہے صفحہ ۲ پر عیسائیوں اور پارسیوں کی نشستیں محفوظ کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے کہ:-

"نامزد شدہ غیر سرکاری ارکان کے منجملہ.....
سرکار عالی کو کم سے کم دو عیسائی اور ایک پارسی

رکن نامزد کرنا چاہیئے۔"

اگر یہاں ریاضی کے طالب علم موجود ہوں تو میں ان سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر میں کم سے کم تین کہوں تو زیادہ سے زیادہ کتنے مراد ہو سکتے ہیں؟ ہماری زبان کے دو لفظ میرے لیے ہمیشہ ناقابل فہم رہے۔ ایک "کم سے کم" اور دوسرا "وغیرہ" اگر میں زید کے ساتھ وغیرہ کہہ دوں تو یقیناً اس میں سمٰوٰت وَالارض وَمَا بینھما سب کچھ داخل ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح میں اگر کم از کم کہہ دوں تو اعداد کی حد انتہائی حد زیادہ سے زیادہ کی منزل ہو گی جو میرے ذہن میں ہے (۳۳) نامزد شدہ ارکان کے منجملہ اگر دو عیسائی اور ایک پارسی کم سے کم ہیں تو (۲۲) عیسائی اور (۱۱) پارسی زیادہ سے زیادہ ہو سکتے ہیں۔ ایک قانونی دستاویز میں ایسے بے معنی الفاظ یقیناً قابل توضیح ہیں کیونکہ یہ کم سے کم جیسے جیسے زیادہ ہوتا جائے گا ویسے ویسے مسلمان اقلیت کی گنتی ہوئی حیثیت تک پہنچا جائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ حکومت جلد اس کی توضیح کرے گی۔

بھائیو! یہ تھے اصلاحات کے خدوخال، جن کو میں نے اپنی تین تقریروں میں آپ کے سامنے پیش کیا۔ باوجود اس کے کہ ان اصلاحات میں سلطنت اسلامیہ آصفیہ کے بنیادی اصول کو

بدل دیا گیا۔ مسلمان اپنے حاکمانہ مرتبہ سے گرا دیئے گئے مجھ سے سرکار عالی کے ایک ذمہ دار عہدیدار نے بکمال مرحمت ارشاد فرمایا کہ ہم نے مسلمانوں کے حقوق کی پوری پوری حفاظت کر دی ہے میں نے ان سے یہ خواہش کی کہ مسلمانوں کے حقوق کا پہلے وہ تعین و تشخص فرمادیں تاکہ مجھے یہ معلوم کرنے میں سہولت ہو کہ فی الحقیقت کس قدر تحفظ کیا گیا ہے، میں نے انھیں سمجھایا کہ اگر جمہوریت کے عام اصول کی بناء پر وہ صرف مسلمانوں کو گن کر حقوق کا تعین کرنا چاہتے ہیں تو انھوں نے دوسری قوموں پر انتہائی ظلم کیا کہ ایک گیارہ فیصدی آبادی رکھنے والے فرقہ کو مقننہ میں اتنی اہمیت دے دی لیکن اگر وہ گنتی کے سوا کوئی اور طریقہ بھی اپنے نزدیک تشخص حقوق کا رکھتے ہیں تو پھر مجھے کہنے کی اجازت دیں کہ مسلمانوں کا حق سرزمین میں ہمیشہ غالب و حاکم رہتا ہے اور اب مجھے بتائیں کہ انھوں نے ان حقوق کی حفاظت کی یا نہیں؟ مشکل یہ ہے کہ تصفیہ کرنے والوں کے نزدیک تعین حقوق کا کوئی معیار ہی نہیں اور اگر کوئی معیار ہے تو اتنی اخلاقی جرأت نہیں کہ اس کا برملا اظہار کر سکیں۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ ہندوستان کے مسلمان بھی حیدرآباد

مسلمانوں کے اختلاف کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکے حیدرآباد کے مسلمانوں کا موقف فی الحقیقت ان کے لیے عجیب ہے کیونکہ دو سال ہوئے انھوں نے اپنی حکومت کھو دی اور ہندوؤں کے ساتھ انگریزوں کی غلامی کر رہے ہیں اور جب جمہوریت کا سیلاب ہندوستان میں آیا تو انھوں نے بھی تولنے کے بجائے گننے کا طریقہ اختیار کر لیا ان کو بیشک تعجب ہوگا اور ہونا چاہیئے کہ (۸۵) فی صدی آبادی رکھنے والے ہندوؤں کے ساتھ مساوی رہ کر مسلمانوں کو اس اسکیم سے اختلاف ہے مجلس اتحاد المسلمین کا شعبۂ اشاعت ان کے اصلاح خیال کی کوشش کر رہا ہے اگر میں کبھی باہر بلایا گیا تو انشاء اللہ وہ سمجھ جائیں گے کہ مسلمانوں کا اختلاف بالکل حق بجانب ہے۔

بعض مسلمانوں نے اصلاحات کا خیر مقدم کیا میں بعد غور ان کو تین حصوں پر تقسیم کرتا ہوں۔

(۱) وہ اگر جس نے اپنی اجتہادی غلطی سے اصلاحات کو صحیح معنی میں اصلاحات سمجھا اور ان کی تائید کی۔

(۲) وہ گروہ جس نے سمجھا بوجھا کچھ نہیں یہ دیکھ کر کہ ایک بات دنیا کے سامنے آئی ہے جس کا نام اصلاحات ہے

سمجھا کہ فی الحقیقت اس چیز میں خوبی ہو گی اور خواہ مخواہ بھی اس کی تعریف کر دی۔

(۳) وہ گروہ ہے جس نے اصلاحات کو عقل کی کسوٹی پر رکھا محک تحقیق پر جانچا، دل سے جانتے ہیں اور ضمیر کی طرف سے شہادت رکھتے ہیں کہ اصلاحات مفر ہیں لیکن اس لیے ان کو مفید کہتے ہیں کہ کہنا چاہتے ہیں یا کہنے پر مجبور ہیں یا کہلوائے جاتے ہیں میں پہلے اور دوسرے درجہ کے غیر مقدم کرنے والوں کو معاف کر سکتا ہوں۔ مثلاً ہمارے دوست خان بہادر احمد علاء الدین صاحب یا میرے بزرگ نواب محی الدین یار جنگ بہادر! جن کو نہ سیاسی زندگی سے واسطہ نہ سیاسیات سے کوئی مطلب نہ اصلاحات کی تحقیق کی نہ تفتیش اور یہ سمجھ کر کہ وہ اچھے ہی ہوں گے ایک بیان دے دیا اور اس کا خیر مقدم کیا لیکن ہرگز ناقابل معافی ہیں وہ لوگ جنھوں نے جان بوجھ کر کہ اصلاحات مسلمانوں کے لیے مفر ہیں اسکی تعریف کی اور نہ صرف تعریف کی بلکہ مسلمانوں کو غلط راستہ پر ڈالنے کے لیے اپنے تمام ذرائع و وسائل اختیار کیے چاہے وہ اخبار ہوں یا اشخاص۔

بھائیو! مسلمانوں کے گذشتہ مظاہروں کو بعض بیرونی اخبارات نے اعلیٰ حضرت بندگان عالی کی ذات اقدس کے خلاف

ظاہر کرنے کی کوشش کی اور ان ہی خبروں کو پڑھ کر سر محمد یعقوب صاحب جیسے سمجھ دار آدمی نے اس پر اظہار افسوس کرنا ضروری سمجھا۔ میں ایک سے زیادہ مرتبہ کہہ چکا ہوں اور پھر ایک مرتبہ کہنا چاہتا ہوں کہ حیدرآباد ہی کیا ہندوستان کے مسلمانوں کے ذہن میں اپنے مسلمان بادشاہ سے متعلق کسی سوء ادبی کا خیال بھی پیدا نہیں ہوسکتا۔ مسلمانوں کا سارا رنج و ملال باوجود اس کے کہ کونسل کی تجاویز کو حضرت بندگان عالی نے شرف منظوری عطا فرمایا ہے اس کونسل کے خلاف ہے جس نے چند مقامی اشخاص اور بعض بیرونی اداروں کی ہڑبونگ سے متاثر ہوکر اسلامی سلطنت کی بنیادیں کھوکھلی کردیں۔

میں ڈاکٹر مونجے کے اس خیال سے بالکل متفق ہوں کہ کونسل کی اس ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے سطوت و جبروت آصفی کا ہمالیہ جو نادر شاہی عظمت و جلال سے نہ ہل سکا تھا اپنی جگہ سے ہل گیا اور شش صد سالہ اقتدار اسلامی کے اس قلعہ میں جس کو مرہٹوں اور جنوبی ہندوستان کے ہندو راجاؤں کی طاقتیں متاثر نہ کرسکی تھیں بقول مسٹر ساورکر کے رخنہ پڑ گیا۔

میں مجلس عاملہ اتحاد المسلمین کے اس رزولیوشن کو یہاں دہرانے

پر مجبور ہوں کہ کونسل نے حیدرآبادی مسلمانوں کی تنظیمی طاقتوں کو بالکل نظرانداز کر دیا جس کا مظاہرہ انھوں نے محض اس لیے اب تک نہیں کیا تھا کہ حکومت کو اپنی سمجھتے رہے اور اپنے بیرونی بھائیوں کی امانت کو ہمیشہ قبول کرنے سے انکار کرتے رہے۔

اگر ۳۰ر تک جو مجلس عاملہ کی مقرر کردہ آخری تاریخ ہے حکومت نے اس اسکیم سے ان خرابیوں کو دفع نہ کر دیا جو مسلمانوں کے نزدیک مضر اور غیر تشفی بخش ہیں تو مجھے یقین ہے کہ آپ سب مجلس کے ہدایات کے مطابق ہر قسم کے ایثار و قربانی کے لیے تیار رہیں گے۔ (اس عظیم الشان اجتماع سے شور اٹھا کہ ہم سب تیار ہیں)

افغانی کا پیام

حیدر آباد میں بتاریخ ۲۲ دسمبر ۱۹۳۷ء سید جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ کی صد سالہ یادگار کے موقعہ پر خائد ملت کی بصیرت افروز تقریر۔

ساری تعریف اس خدائے باقی اور غیر فانی کو سزاوار ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

دوستو! علامہ سید جمال الدین افغانی کی یاد منانے ان کے افکار سے اپنی زندگیوں کے لیے سامانِ حیات پیدا کرنے آج ہم یہاں جمع ہوئے ہیں۔ علامہ انیسویں صدی کی آخری یادگار ہیں۔ جب ملت مرحوم کی سوکھی ہوئی کھیتوں پر خداوند قدوس کو رحم آیا اور جب کہ ہر طرف انحطاط و زوال کا دور دورہ تھا۔ بادشاہوں اسلام دوستی کے بجائے عیش پرستی داخل ہو گئی تھی۔ ترکستان میں سلطان عبدالحمید کی طاقت گھٹتی جا رہی تھی اور یورپ اسے مرد بیمار

سمجھنے لگا تھا۔ ایران اپنے بادشاہ کی بدعنوانیوں کا شکار تھا۔ افغانستان میں طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی ایک ایسا زمانہ تھا جب کہ چاروں طرف اسلامی دنیا میں انحطاط کے آثار نمایاں تھے اللہ تعالیٰ ایک ایسے فرد کو پیدا کرتا ہے جس نے نہ صرف سوئی ہوئی قوم کو جگایا بلکہ اسلامی دنیا کی روح کو اس شدت کے ساتھ بیدار کیا جس کے آثار آج تک ہم میں موجود اور زندہ ہیں۔ علامہ سید جمال الدین رح کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر آج اور کل ان جلسوں میں مقالے اور مضامین پیش کیے جائیں گے جن کو سن کر آپ مرحوم کی تعلیمات اور تاثرات سے صحیح طور پر واقف ہو سکیں گے جس عظیم الشان ہستی کی یادگار منا رہے ہیں اس ہستی کے ساتھ مجھے بھی اس اعتبار سے نسبت ہے کہ صدیاں کیوں نہ گذری ہوں۔ میں بھی اپنے آپ کو افغانی تصور کرتا ہوں میرا ایقان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہر ایک قوم سے جس میں سپاہیانہ جوہر موجود ہیں اسلامی تاریخ کے کسی نہ کسی دور میں عظیم الشان خدمات انجام دلائی ہیں۔ عرب کے سپاہی منش باشندے حضرت رسول کریم کے پیام کو لے کر اٹھے اور اس پیام کو ساری دنیا میں پہنچایا جو تاریخ کے طالب علموں سے پوشیدہ نہیں اسلام کے خلاف چھٹی صدی ہجری میں مغلوں کا عظیم الشان سیلاب اٹھا لیکن

تاریخ گواہ ہے کہ ع

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانہ سے

ان ہی مغلوں نے حلقہ بگوش اسلام ہو کر عربی فتوحات کی تکمیل کی اور ایک طرف سارے ہندوستان میں اللہ اکبر کا غلغلہ بلند کیا تو دوسری طرف بلقان اور یورپ کے دوسرے ممالک میں صدائے لا الٰہ الا اللہ بلند کی۔

علامہ افغانی کی وطنیت سے متعلق ان کے سیرت نگاروں میں اختلاف ہے کہ وہ افغانی تھے یا ایرانی ایرانیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ ایرانی تھے اور اسد آباد کے رہنے والے۔ افغانیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ افغانی تھے اور سعد آباد کے رہنے والے! وہ سعد آباد کے رہنے والے ہوں یا اسد آباد کے لیکن اس میں کلام نہیں کہ وہ اسلام کے شیر اور آسمان سعادت کے آفتاب تھے ایک سو سال قبل اسلام کا یہ عظیم الشان فرزند بمقام سعد آباد پیدا پیدا ہوا۔ گمنامی کی حالت میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ کس کو معلوم تھا کہ یہ آزادی و حریت کا علمبردار بن کر دنیائے اسلام کے لیے باعث فخر ثابت ہوگا۔ علامہ جمال الدین افغانی نے اپنی عمر کے بیس سال بھی ختم نہ کیے تھے کہ انھوں نے سفر حج کا عزم کیا اور وہاں سے واپس

آکر امیر دوست محمد خاں کے دربار میں ایک مقام پیدا کر لیا۔ دوست محمد خاں کے انتقال کے بعد امیر شیر علی خاں سے علامہ کی نہ بنی۔ علامہ مرحوم نے ان کے بڑے بھائی اعظم خاں کا ساتھ دیا۔ اور جب افغانستان کی زمین ان کے لیے تنگ ہو گئی تو وطن سے ہجرت کی اور مع چلے گئے اور پھر وہاں سے استنبول کا ارادہ کیا۔ علامہ کی باریک بین نگاہیں ملت اسلامیہ کی موجودہ حالت اور اس کی پستی کے اسباب کا پوری توجہ سے جائزہ لے رہی تھیں اور انھوں نے محسوس کیا کہ جس جماعت کے دوش پر رہبری اور رہنمائی کی ذمہ داری ہے اور جو علمبردار دین و مذہب ہیں وہی اپنی اتحادی قوتوں کے فقدان عمل سے بیگانگی، للہیت اور خلوص سے بعد اور نفسانیت و خود غرضی کے جذبات سے معمور ہو کر اسلام کی تباہی کا باعث ہو رہے ہیں تو علامہ نے اپنی زندگی کا سب سے پہلا مقصد یہی قرار دیا کہ اس جماعت کی اصلاح کی جائے یہی وجہ ہے کہ استنبول میں ان کی سب سے پہلی فکر شیخ الاسلام سے ہوئی دار الخلافت میں علامہ ابھی کمر کھولنے نہ پائے تھے کہ خارج البلد کیے گئے وہاں سے پھر مصر آئے اور جامعہ ازہر کے طلبہ اور علماء میں اپنے خیالات کی اشاعت شروع کی۔ شیخ عبدہ جیسا عظیم المرتبت

شاگرد اور سعد زاغلول جیسا مستقبل ساز قائد تھوڑے ہی دنوں کی کاوش سے سید مرحوم نے پیدا کر لیا۔

اس وقت مصر پر خدیو اسمٰعیل حکومت کر رہا تھا جو یورپ کے سرمایہ داروں کا مقروض ہو چکا تھا۔ آہستہ آہستہ سویزی ہی نہیں بلکہ مملکت مصر بھی اس کے ہاتھوں سے چلی جا رہی تھی۔ اس وقت علامہ خاموش نہ بیٹھ سکے۔ مصر کو خدیو سے نجات دلانے اور اسلامی ملک کو یورپ کے پنجۂ حرص و آز سے بچانے کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ یہی سب سے بڑی خدمت تھی جو مصر میں بیٹھ کر علامہ نے انجام دی۔ علامہ مرحوم نے یہی مناسب سمجھا کہ خدیو اسمٰعیل کو قتل کر کے یہاں کے تخت کو الٹ دیا جائے تاکہ دوسروں کے تسلط سے اس ملک کو بچایا جا سکے۔ علامہ شیخ عبدہٗ سے مل کر خدیو کے قتل کا منصوبہ کر لیا تھا۔ لیکن اس اثناء میں سلطان ترکی نے خدیو اسمٰعیل کو معزول کر دیا۔ توفیق جانشین ہوئے۔ خدیو توفیق تخت نشینی سے قبل سید افغانی کی جماعت کا رکن اور ان کا ارادت کیش تھا۔ علامہ کے سارے منصوبوں سے واقف تھا جب تخت نشینی کے بعد اس نے محسوس کیا کہ مغربی دول کے آگے ہتیار رکھنے پر وہ مجبور ہے تو اس نے علامہ کو حکم دیا کہ وہ مصر سے باہر چلے جائیں۔

سچ ہے مقام حکومت و بادشاہت اور مقام دولت ہی ایسا مقام ہے جہاں انسانیت کو بمشکل باقی رکھا جا سکتا ہے ؎

بادہ با خوردن و ہوشیار نشستن سہل است
گر بدولت برسی مست نگردی مردی

یہاں سے علامہ حیدر آباد آتے ہیں اس وقت جب کہ انھوں نے تمام ملوکیت سوز قوتیں پیدا کر دی تھیں اور شیخ عبدہٗ و زاغلول شاہ جیسے جانشین پیدا کر چکے تھے۔ آپ حیدر آباد میں دو سال رہے جمہوریت کا وہ شیدائی اور ثمومیت کا وہ فدائی جو قاچار کو قتل کرنے اور خدیو اسمٰعیل کو ختم کرنے کے منصوبے گانٹھ رہا ہو اور جس کو دنیا آج بھی شہنشاہیت و ملوکیت کا دشمن تصوّر کرتی ہو حیدر آباد آتا ہے اور دو سال حیدر آباد میں رہتا ہے اس وقت کیا حیدر آباد اپنی موجودہ حالت میں نہ تھا؟ کیا لارم والوں کی چھاؤنیاں اس وقت تک انگریزی فوجوں سے خالی تھیں؟ کیا اس وقت حیدر آباد میں انگریزی رزیڈنسی قائم نہ ہوئی تھی؟ اور کیا حیدر آباد میں اس وقت ایک با اقتدار ملوکیت کام نہیں کر رہی تھی؟ پھر کیا وجہ ہے کہ شہنشاہیت کا دشمن ملوکیت کا قاتل جمال الدین دو سال حیدر آباد میں رہتا ہے اور اس ملوکیت کے خلاف

ایک لفظ نہیں کہتا۔ اس لیے وہ جانتے تھے کہ جمہوریت یہاں کیا حیثیت اختیار کرے گی اور کس جانب منتقل ہوگی۔

سید جمال الدین دور بین نظر رکھتے تھے ان کی عواقب پر نظر تھی قومیت پرستی کی رو میں نہیں بہ رہے تھے بلکہ ان کی نگاہیں مستقبل کے پردوں کو چاک کر کے سو برس آگے کی طرف دیکھ رہی تھیں وہ جانتے تھے کہ ترکی، ایران، افغانستان اور مصر میں ملوکیت کی تباہی ایک اسلامی جمہوریت کے احیاء کا باعث ہوگی لیکن حیدرآباد میں جمہوریت اسلام کی بیخ کنی اور مسلمانوں کی غلامی کے نتائج پیدا کرے گی۔

بڑا ہی افسوس ہے کہ علامہ سے متعلق حیدرآباد میں کوئی پتہ نہیں چلتا کہ کیا مشاغل تھے۔ البتہ قاضی عبدالغفار صاحب نے اپنے مقالہ میں بتایا ہے کہ آپ کی سید علی بلگرامی اور نواب رسول یار جنگ اولیٰ سے ملاقات رہی۔ جب اعرابی پادشاہ نے سید افغانی کی سلگائی ہوئی آگ کے شعلوں کو قصر عابدین کی رواقوں تک پہنچا دیا تو انگریزوں کو اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں اس کے شعلے ہندوستان تک نہ پہنچیں۔ سید مرحوم کلکتہ میں نظر بند کر دیئے گئے اور اس وقت تک وہیں رہے جب تک مصر کے حالات انگریزوں

کے لیے قابل اطمینان نہ ہو گئے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ ہندوستان سے علامہ امریکہ گئے اور وہاں سے واپس آکر فرانس میں قیام کیا۔ پیرس میں شیخ محمد عبدہٗ بھی ان سے آکر مل گئے اور العروۃ الوثقیٰ نامی رسالہ جاری کیا جو گو زیادہ دنوں تک جاری نہ رہ سکا لیکن اس نے بلاد اسلامیہ اور یورپ میں ایک انقلابی کیفیت پیدا کر دی آپ کچھ دنوں کے لیے لندن گئے۔ روس کا سفر کیا یہاں شاہ قاچار سے ملاقات ہو گئی وہ آپ کو ایران لے آئے اور وزارت کے منصب پر فائز کیا۔ شاہ قاچار سے آپ خوش نہیں تھے دونوں کے خیالات میں زبردست فرق تھا۔

ایران بھی مصر کی طرح اس وقت مغربی اقوام کی حرص و آز کا مرکز بنا ہوا تھا ایک طرف سے روس آذربائیجان اور خراسان کے علاقوں پر آہستہ آہستہ مختلف حیلوں سے قبضہ کر رہا تھا تو دوسری طرف تمباکو کی یوروپی کاشت اور معدنیات کے ٹھیکے انگریزوں کو دیئے جا رہے تھے۔ علامہ مرحوم کی دور بین نگاہیں اس قدیم اسلامی سلطنت کو دیو مغرب کے پنجہ میں پھنسا ہوا دیکھ رہی تھیں اور برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ انھوں نے اپنی عادت کے مطابق علماء اور عوام کو اس کے خلاف احتجاج کے لیے تیار کرنا شروع

کیا۔ ناصر الدین شاہ قاجار سے تعلقات بگڑے چنانچہ نتیجہ یہ نکلا کہ جمال الدین مرحوم کو پابہ زنجیر کر کے ایران سے بحالت بخار بری طرح نکال دیا۔ لندن میں کچھ دنوں قیام کے بعد سلطان عبدالحمید کی دعوت پر آپ قسطنطنیہ پہنچے۔ یہاں پان اسلامزم کی تحریک شروع کی جو سید مرحوم کا آخری اور شاندار کارنامہ ہے اور آج بہترین شکل میں یثاق سعد آباد کے نام سے موجود ہے۔ اس کا سہرا مصطفےٰ کمال اعلی اللہ مقامہ کے سر رہا۔ یقین ہے کہ علامہ کی روح اپنے اس مقصد کی تکمیل کو دیکھ کر خوش ہو رہی ہوگی۔

علامہ کے پیش نظر جمہوریت کا احیاء شہنشاہیت کا قلع قمع نہیں بلکہ تسلط اسلامیہ تھا۔ آپ ملت اسلامیہ کو سدھارنے اور آگے بڑھانا چاہتے تھے۔ ان کے راستے میں اگر شاہانہ اور ملوکانہ طاقتیں پڑتی تھیں تو وہ ان کو ہٹاتے ہوئے آگے بڑھتے تھے اور ان کی پروا نہ کرتے تھے۔ بعض ان کے سیرت نگار و ارباب اسلامی تحریک سے متعلق یہ خیال رکھتے ہیں کہ علامہ نے سلطان عبدالحمید کی خاطر شروع کی تھی۔ جس کا سر نیاز امیر شیر علی جیسے مستبد بادشاہ ضدیو اسمٰعیل جیسے عیاش سلطان اور ناصر الدین شاہ قاجار جیسے عظیم المرتبت شہنشاہ کے سامنے نہ جھکا اور جس کی آنکھیں ہمیشہ افرنگی سیاست و تدبر کا رد انہ وار

مقابلہ کرتی رہیں اس کی بہ نسبت یہ بدگمانی گناہ ہے حقیقت یہ ہے کہ سید مرحوم کے تجربہ نے یہ ثابت کر دیا کہ اسلامی مملکتیں چاہے جتنی آزاد اور قوی ہوں اپنی انفرادی حیثیت میں مغربی سیلاب تسلط کا کسی طرح مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ اسی تجربہ کے بعد وہ آخر اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ مشرق میں ملت اسلامیہ کی بقاء اور مغربی سیلاب کا مقابلہ صرف اسلامی قوتوں کے باہمی ربط میں مضمر ہے۔

حیدرآباد کا ماضی و مستقبل

قائدملت کی وہ تقریر جو بتاریخ ۲۸ مئی ۱۹۴۸ء کو بمقام محبوب نگر مجلس اتحاد المسلمین کی صوبہ داری کانفرنس کی گئی۔

دکن کے سواحل پر تجارت کے سلسلہ میں مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ ابتداء عہد نبوی سے جاری تھا لیکن فاتحانہ حیثیت سے مسلمانان دکن میں آج سے چھ سو سال پہلے علاؤالدین خلجی کے عہد میں داخل ہوئے اس سے قبل یہاں غیر اسلامی حکومتیں قائم تھیں مسلمان آئے اور سارے دکن پر چھا گئے محمد تغلق کا دہلی سے دکن کی طرف دارالسلطنت کو منتقل کرنا مشہور تاریخی واقعہ ہے۔ تغلقوں کے بعد شمالی اسلامی سلطنتوں سے دکن کا تعلق منقطع ہوگیا لیکن سلطان حسن گنگوئے بہمنی نے ایک عظیم الشان اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی جو ایک طرف نربدا کے سواحل سے دوسری طرف کرشنا کے ساحلوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ اگرچہ سلطنت ٹوٹی بھی تو پانچ اسلامی

ریاستوں میں منتقل ہوئی جو بریدشاہیہ، قطب شاہیہ، عادل شاہیہ اور نظام شاہیہ کے نام سے مشہور ہیں۔

سلطنت آصفیہ اسلامیہ کی بنیاد

مغل سلاطین نے اکبر کے عہد سلطنت سے دوبارہ ان کو اپنی شہنشاہیت کا جزو بنانے کی کوشش کی اور اس خاندان کا آخری اور عظیم المرتبت شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر گولکنڈہ کی فتح کے بعد اپنے اجداد کی دیرینہ تمنا میں کامیاب ہوگیا اور اس مسلمان شہنشاہ کے سپہ سالار کی حیثیت سے حضرت آصفجاہ اول نے موجودہ سلطنت اسلامیہ آصفیہ کی بنیاد ڈالی۔ جو آج تک اپنی کامل آزادی اور خود مختاری کے ساتھ قائم ہے اور انشاء اللہ قائم رہے گی۔

حیدرآباد محکوم ہوا نہ مفتوح

عالمگیر کے جانشین اس کی اس عظیم المرتبت سلطنت کو نہ سنبھال سکے۔ ملک میں مختلف غیر اسلامی طاقتیں زور پکڑنے لگیں۔ مرہٹوں کا طوفان اٹھا اور پانی پت کے خون آشام آخری مقابلہ پر ختم ہوا۔ انگریز فرانسیسی اور ڈچ تاجر سواحل پر اپنی تجارتی منڈیوں کو فوجی قلعوں میں تبدیل کرنے لگے اور آپس

میں متصادم حکمرانان ہند کو امداد دے کر اپنی جڑوں کو مضبوط بنانے لگے یہاں تک کہ انگریزوں کی طاقت آہستہ آہستہ سارے ملک پر چھا گئی۔ لیکن حیدرآباد تاریخ کے اس سارے دور میں ایک مضبوط پہاڑ کی طرح ساری طوفانی موجوں سے کھیلتا اور ہنستا ہوا اپنی جگہ پر قائم رہا۔ تاریخ شاہد ہے اور اس حیثیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سلطنت آصفیہ زمانے کی اس پر آشوب کیفیت میں بھی آج تک نہ محکوم ہوئی نہ مفتوح بلکہ ایک آزاد حلیف کی حیثیت سے اس نے بہت سے طاقتور حلیفوں کی دستگیری کی اور ان کو موت کے گھاٹ اترنے سے بچا لیا۔

کانگریس اور مسلم لیگ کی جدوجہد

کچھ دنوں تک ہندوستان اپنے نئے آقاؤں کے فراہم کردہ اسباب زندگی میں ایسا محو ہوا کہ آرام طلبی عیش پرستی اور لطف اندوزی اس کا وظیفہ حیات رہا۔ لیکن ان ہی آقاؤں کی دی ہوئی تعلیم و تربیت نے آہستہ آہستہ اس میں احساس پستی اور تمنا سرفرازی کے جذبات بیدار کر دیئے جو مختلف سیاسی اداروں کے قیام پر منتج ہوئے۔ کانگریس اور مسلم لیگ کی گذشتہ پچاس سالہ جدوجہد ان ہی جذبات کے عملی نتائج ہیں۔

ہندوستانیوں کی آزادی کے لیے یہ کشمکش نتائج پیدا کیے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ رفتہ رفتہ ہندوستان کے دستور حکومت میں اصلاحات اور تبدیلیاں ہوئیں۔ سیاسیات کا ایک متعلم منٹو مارلے اصلاحات اور مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات بالآخر گول میز کانفرنس اور اس کے مباحث اور قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء سے بخوبی واقف ہے۔

قانون حکومت ہند بابتہ ۱۹۳۵ء اس مختصر صحبت میں بجز موخر الذکر کے دوسروں کی تفصیل مناسب نہ ہوگی۔ قانون حکومت ہند بابتہ ۱۹۳۵ء نے ایک طرف صوبجات ہند کو خود مختاری اور ذمہ دارانہ حکومت عطا کی تو دوسری طرف مرکز میں ایک ایسی وفاقی مجلس قانون ساز کا تصور پیش کیا جو نہ صرف صوبہ جات ہند کے بلکہ دیسی ریاستوں کے نمائندوں پر مشتمل ہوگی۔ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں اس وقت تک اپنے عدم دخل صرف برطانوی ہند کو قرار دیتے رہے اور دیسی ریاستوں کو اپنی جد و جہد سے خارج رکھا لیکن وفاقی مجلس قانون ساز کے تصور نے جس میں دیسی ریاستوں کی نمائندگی رؤساء کے نامزد کردہ ارکان کے ذریعہ قرار دی گئی تھی۔ کانگریس کو آمادہ کر دیا کہ اپنی سرگرمیوں کو ریاستوں تک توسیع کر دے۔ گو اس نے علانیہ

ریاستوں کو اپنے حدود دخل میں شامل نہیں کیا لیکن اپنے ذمہ دار ارکان مجلس عاملہ اور بااثر زعماء کے ذریعہ ریاستی رعایا کو ذمہ دارانہ حکومت کے مطالبہ پر اکسانا شروع کیا۔

ذمہ دارانہ حکومت کا مطالبہ

اخبار بین اصحاب جانتے ہیں کہ کس طرح اسٹیٹ پیپلز کانفرنس کانگریس کے دامن عاطفت میں پرورش پانے لگی ڈاکٹر پٹابھی سیتارامیہ اور آج کل پنڈت جواہر لال نہرو جیسے ذمہ دار کانگریسی لیڈروں نے اس کی صدارت قبول کی اور ولبھ بھائی پٹیل، جمنالال بجاج اور خود گاندھی جی جیسے ذمہ دار اصحاب نے مختلف ریاستوں میں رعایا کو اکسانے اور رئیسوں کو پریشان کرنے کی خدمات انجام دیں اس ذمہ دارانہ حکومت کے مطالبہ کا واحد منشاء یہ تھا اور ہے کہ روساء کے اقتدارات ممکنہ حد تک رعایا کے ہاتھوں منتقل کیا جائے تاکہ وفاقی منطقہ میں ریاستی نمائندے رعایا کے منتخب شدہ جاسکیں اور کانگریس کے منشا کی وہاں تکمیل کرسکیں۔

مذہب کی آڑ میں بے بنیاد شورشیں

اسی جدوجہد کے نتائج حیدرآباد کی وہ شورشیں تھیں جنھوں نے گذشتہ دو سال باہر سے

آنے والے ہمدردان حیدرآباد کے ذریعہ ڈیڑھ کروڑ باشندگان حیدرآباد کو پریشان رکھا۔ کانگریس نے گو حیدرآباد میں کوئی عملی حصہ نہیں لیا لیکن ایسی جماعتوں کو جو اس کے زیر اثر تھیں بے بنیاد اور بے اصل شکایات کے ساتھ مذہب کی آڑ میں شورش برپا کرنے پر آمادہ کر دیا بدقسمتی سے یہ سب کارروائی ایسے وقت میں ہوی جب کہ حیدرآباد ایک مرعوب ذہنیت رکھنے والی حکومت کے تحت تھا اور مجھے یہ تسلیم کرنے میں ذرہ برابر پس وپیش نہیں کہ ہماری حکومت جو بڑی آسانی سے اس شورش کو اس کی ابتداء ہی میں کچل کر رکھ سکتی تھی ناکام ہوی اور حیدرآباد کی دوسو سالہ عزت وناموس کو بدنام کر دیا۔

مجلس اتحاد المسلمین کی اجمالی تاریخ

اب میں مجلس اتحاد المسلمین کی گذشتہ تاریخ کی طرف آتا ہوں ابتداً یہ مجلس اس لیے قائم ہوی تھی کہ مسلمانوں کے آپس کے اختلافات کو دور کرے انھیں ایک متحدہ اور مضبوط جماعت بنائے اس کی زندگی کے ابتدائی آٹھ سال اسی کوشش میں بسر ہوے اور بحمداللہ ہم اس مقصد میں بڑی حد تک کامیاب ہوے آج جب کہ بیرون حیدرآباد مسلمان آپس میں ایک دوسرے سے دست وگریباں ہیں حیدرآبادی مسلمان

محبت اور رواداری کے انتہائی بلند مقامات سے گزر رہا ہے

حیدرآباد کی مسلّمہ اسلامی حیثیت

گذشتہ تین سال سے مجلس کا دور جدید شروع ہوا جب کہ اس نے اپنے اغراض و مقاصد کی اس دفعہ پر سب سے زیادہ توجہ کی جو حفاظت حقوق مسلمانان سے متعلق تھی اغیار کے مطالبات ذمہ دارانہ حکومت نے اس میں ایک عام بیداری پیدا کر دی تھی اور مجلس محسوس کر رہی تھی کہ اس کے نتائج حیدرآباد میں مسلم اقتدار کی تباہی ہوں گے۔ اس نے مسلمانوں کی یادداشت کو تازہ کیا اور ان کے سامنے اسی حقیقت کو بے نقاب کیا کہ مسلمان من حیث القوم اس ملک کے بادشاہ ہیں۔ اور بر اعلیٰ حضرت جلالتہ الملک کا تاج و تخت ان کے سیاسی اور تمدنی اقتدارات کا مظہر ہے مجھے حیرت ہوتی ہے جب میں بعض سمجھ دار ہندو لیڈروں کو بھی یہ کہتے ہوئے سنتا ہوں کہ مسلمانوں نے یہ نیا نظریہ پیش کیا ہے حالانکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کو ملک اور بیرون ملک کے تمام اصحاب فکر و نظر ابتداء سے تسلیم کرتے رہے ہیں اور آج بھی مان رہے ہیں۔

میں نے اپنے خطبۂ صدارت جلسہ سالانہ مجلس اتحاد المسلمین

میں کہا تھا اور پھر اس بات کو دہرانا چاہتا ہوں کہ حیدرآباد کا اسلامی سلطنت ہونا کوئی جدید تصور نہیں۔ جب ڈاکٹر موبخے کشمیر اور ٹراونکور کو وہاں کی رعایا کی غیر ہندو اکثریت کے باوجود ہندو ریاست قرار دیتے اور تسلیم کرتے ہیں تو میں حیران ہوں کہ ہمارے ہندو بھائیوں کو حیدرآباد کے اسلامی سلطنت تسلیم کرنے میں کس طرح شبہ ہو سکتا ہے مجلس کے اس نظریہ نے مسلمانوں میں اپنے مقام کی حقیقت اور منزل کے یقین کو نمایاں کر دیا اور آج نہایت مسرت کے ساتھ میں دیکھ رہا ہوں کہ حیدرآباد کے سارے مسلمان ایک جھنڈے کے نیچے مجتمع اور ایک منزل مقصود کی طرف جادہ پیما ہیں۔

اصلاحات دستوری کا شاخسانہ

اصلاحات کا دستوری کا شاخسانہ یہ کانگریس اور اس کی دوسری چھوٹی بہنوں کی پوشیدہ اور علانیہ کوششوں سے حیدرآباد میں پیدا ہوا۔ اور مجلس اتحاد المسلمین کے جوش اور تدبر کا پہلا امتحان تھا جس میں بحمد اللہ مجلس اتحاد المسلمین کامیاب رہی۔ آئینگار کمیٹی کی رپورٹ حکومت کا اعلان اصلاحات مجلس کی یادداشت بابتہ اردی بہشت ۱۳۴۸ف مجلس کا اعلان حکومت پر اظہار بے اطمینانی پھر نتائج گفت و شنید پر اظہار اطمینان

یہ ساری چیزیں جن کی نگاہوں کے سامنے ہیں وہ بہ آسانی مجلس کی ان کامیابیوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت جلالتہ الملک کا اقتدار اعلیٰ مجھے ان تفصیلات

میں اس وقت نہیں جانا ہے بلکہ اس پلیٹ فارم سے مسلمانوں کو پھر ایک مرتبہ مطمئن کرنا اور دنیا کو ایک مرتبہ پھر آگاہ کرنا ہے کہ مسلمانانِ دکن اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی کے اقتدار کی کسی اور طرف منتقلی یا اس میں ذرہ برابر کمی کسی وقت اور کسی نوبت پر بھی اور کسی قیمت کے معاوضہ میں برداشت نہیں کر سکتے جو ان مقاصد کے لیے حیدرآباد میں یا بیرون حیدرآباد کی جائے۔ انھوں نے حیدرآباد کی گذشتہ کشمکش کو محض اس لیے خاموشی کے ساتھ معائنہ کیا کہ وہ حکومت کو اس کے کچلنے کے لیے کافی تصور کرتے تھے لیکن آئندہ پھر اسی طرح کوشش کی گئی تو مجھے یقین ہے کہ ایسی کوشش نازک صورت حال سے گزرے گی جس کی انتہا سیول وار ہی ہو سکتی ہے۔

مجلس اتحاد المسلمین کی منزل مقصود مجلس اتحاد المسلمین کی کوشش

اصلاحات دستوری پر اظہار اطمینان کے بعد ختم نہیں ہو جاتی بلکہ ہماری حقیقی جدوجہد کا اس کے بعد آغاز ہوتا ہے مجلس اتحاد المسلمین مملکت اسلامیہ آصفیہ کے گذشتہ سالانہ اجلاس میں میرے خطبۂ صدارت اور مجلس کی قراردادوں نے مجلس کی آئندہ جدوجہد اس کے راستوں اور اس کی منزل کو پوری طرح واضح کر دیا تھا آج پھر میں آپ کی یادداشت کو تازہ کرنے کے لیے اس کو دہرانا ہوں اور چاہتا ہوں کہ حیدرآباد کے ایک ایک گوشے میں میری آواز پہنچے اور مسلمان اپنے مستقبل کی تعمیر کے لیے تیار ہو جائیں مجلس کی منزل مقصود ایک بزرگ تر وسیع تر آزاد اور مکمل خود مختار حیدرآباد کی اسلامی اور خالص اسلامی سلطنت کا حقیقی وجود ہے۔

ہندوستان کا مقبوضاتی درجہ اور حیدرآباد کے معاہدات

موجودہ جنگ عظیم نے ہندوستان کی سیاسیات کا تمام نقشہ بدل دیا وفاقی ہندوستان کا تصور جنگ کے شور و شغب اور اس کے متوقع نتائج کے پیش نظر پس پشت ڈال دیا گیا۔ چاہے کانگریس اور مسلم لیگ کے مطالبہ کامل آزادی و خود مختاری کی تکمیل نہ ہو لیکن یہ بات ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ مستقبل قریب میں ہندوستان

قانون وسٹ منسٹر کے تحت مقبوضاتی مرتبہ حاصل کرلے گا اور اگر یہ خواب آشنا تعبیر ہو جائے تو وہ معاہدات جو حیدر آباد نے تاج برطانیہ کے ساتھ کیے تھے۔ جن کے ذریعے حیدر آباد کے بعض مقبوضات انعام پٹے، یا فوج کی فراہمی کے لیے حکومت برطانیہ کو دیئے گئے یا بیرونی تعلقات کے وہ حق جو حیدر آباد نے اپنے حلیف کے سپرد کیے باقی نہیں رہ سکتے اس وقت یقیناً تاج برطانیہ کو یہ سارے مقبوضات سلطنت آصفیہ کو واپس کرنا پڑے گا اور حیدر آباد کے حدود جنوب میں سیڈڈ ڈسٹرکس تک پھیلے ہوئے ہوں گے تو مشرق میں ساحل مچھلی بندر تک ہم مغرب میں شولاپور اور بیجاپور تک حکمراں ہوں گے تو شمال میں ورد ھا کی ہندو راجدھانی سے مصافحہ کریں گے۔

حیدر آباد کا بجا حق اور حقیقی مطالبہ حیدر آباد کو بجا طور پر حق پیدا ہو جائے گا کہ اپنے قدیم اور تاریخی حلیف برطانیہ کی دوستی کی خصوصیت کو کمال احترام کے ساتھ باقی رکھتے ہوئے دنیا کی دوسری سلطنتوں کے ساتھ آزادانہ تعلقات قائم کرے اس وقت ان تمام مداخلتوں کا خاتمہ ہو چکا ہوگا جو مشورے اور خیر سگالی کے انداز میں حیدر آباد کے نظم و نسق کو متاثر کرتے رہتے ہیں اور حیدر آباد میرے الفاظ میں بزرگ

وسیع تر کامل آزادانہ پوری خود مختار حقیقی اسلامی سلطنت ہوگی۔

قائدِ ملّت کے دعاوی

مجھے تعجب ہے کہ میری گذشتہ سالانہ جلسہ کی صدارتی تقریر نے بعض حلقوں کو آتش زیر پا کر دیا ہے اور یہ خیال کیا جا رہا ہے کہ اس میں میں نے بہت سی قابل اعتراض باتیں بیان کیں لیکن مجھے اس سے زیادہ تعجب یہ دیکھ کر ہوتا ہے کہ یہ اعتراضات کہنے اور واضح طور پر میرے سامنے پیش کیے جانے کی بجائے پس پردہ اور پوشیدہ طور پر کسی کی پشت پناہی میں کیے جاتے ہیں میں نے کوئی بات غیر ذمہ دارانہ طور پر نہیں کہی۔ میں اپنی اور مجلس اتحاد المسلمین کی ذمہ داری کو پوری طرح محسوس کرتا ہوں۔ میں نے کوئی بات بغیر کافی ثبوت اور کامل تحقیق کے نہیں کہی ہے۔ میں نے آج بھی اپنے ہر ایک دعوے کو ثابت کرنے اور علی رؤس الاشہاد ثابت کرنے کے لیے تیار ہوں۔ پھر کیوں مجھ سے ان کے متعلق علانیہ اور سرکاری طور پر جواب نہیں لیا جاتا کیوں اس کے لیے کسی کی مقدس ذات کو سہارا بنایا جاتا ہے۔ کہنے والا میں ہوں اور پندرہ لاکھ مسلمانوں کی آواز میرے ساتھ ہے جن کو میری کسی بات پر اعتراض ہو وہ مجھ سے پوچھیں

علانیہ پوچھیں میں ان کی ہر طرح تشفی کرنے اور اپنے دعاوی کے نتائج برداشت کرنے کو تیار ہوں۔

حیدرآباد کا حلیفانہ پیش کش جنگ اور اس کے نتائج کی طرف ایک

سرسری اشارہ تو میں نے اوپر کیا تھا۔ اب میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ حیدرآباد ایک شریف اور وفادار دوست کی حیثیت سے آج بھی اپنے معزز حلیف کی اسی طرح امداد کرنے تیار ہے۔ جس طرح اس نے ہر کٹھن اور نازک وقت میں کی ہے میں جانتا ہوں کہ ہندوستان بغیر انگریزوں کی امداد کے اپنی آپ حفاظت کرنے کے قابل نہیں ہے۔ خود حیدرآباد نے اپنی مدافعت کی ساری ذمہ داریاں اپنے حلیف کے تفویض کر دی تھیں اور حیدرآباد کی اپنی حفاظت کا دارومدار برطانیہ کی سلامتی اور حفاظت پر ہے اس لیے میں اور سارے مسلمان دل سے برطانیہ کی کامیابی کے متمنی ہیں۔ اعلیٰ حضرت جلالتہ الملک بندگان عالی کے ارشادات کی اتباع میں برطانیہ کو اپنی کامل امداد اور پوری پوری اعانت کا یقین دلاتے ہیں اور ضرورت پیش آئی تو دنیا دیکھ لے گی کہ ہمارے یہ وعدے زبانی نہیں بلکہ حقیقی ہیں اور ہم کو یقین ہے کہ برطانیہ کی

شریف اور حق کی طرفدار حکومت ہماری دوستی اور ہمارے حقوق کو کبھی نظر انداز نہ کرے گی۔

مسلمانوں کی تنظیم اور مجلس کا پروگرام

آپ بجا طور پر اس کے متمنی ہوں گے کہ میں مسلمانوں کی تنظیم سے متعلق آپ کو ہدایات دوں اور مجلس کا پروگرام سمجھا دوں۔ مجلس نے چار سال ہوئے اپنا مرتب و مطبوعہ لائحہ عمل قوم کے سامنے رکھا۔ میں تو اس کا متمنی تھا کہ ضلع محبوب نگر کو اس کے لائحہ عمل کی تکمیل کیا ہوا دیکھوں گا۔ اور ان کے سامنے اس پروگرام کے نئے اجزاء رکھوں گا جو مجلس کے پیش ہے۔ لیکن افسوس کہ محبوب نگر نے اپنی تنظیم کی اب ابتداء کی ہے اور جیسا کہ معتمد صاحب کی رپورٹ اور صدر صاحب مجلس استقبالیہ کے خطبے سے ظاہر ہوا ہے کہ ضلع کے اکثر مقامات پر اس تین چار مہینے کے اندر شاخیں قائم ہوئی ہیں ایسی صورت میں آپ اس سے زیادہ کیا توقع کر سکتے ہیں کہ میں اس پروگرام کے ابتدائی مراحل کی تکمیل کی طرف آپ کی توجہ منعطف کراؤں میں خوش ہوں کہ صبح کا بھولا ہوا محبوب نگر شام کو اپنے گھر واپس نظر آ رہا ہے اور ایسے کو کوئی بھولا ہوا

کی پوری پوری امداد کی اور اس کی فوجیں بیرون ملک دشمنان تاج برطانیہ سے مقابلہ میں مصروف ہوگئیں تو ملک کے اندرونی انتظامات اور استحکامات کی بقاء کا انحصار ان مسلمان رضاکاروں پر ہی ہوگا جو اپنے خدمات حکومت کے سامنے پیش کر سکیں میری دلی تمنا ہے کہ محبوب نگر کو مستقبل قریب میں تنظیم کے ان عناصر اربعہ سے حیات افروز دیکھوں اور محبوب نگر کے ہر ایک گوشے صدا اہل من مزید سنوں اور پروگرام کے دوسرے اجزاء پیش کر سکوں جن میں سے زیادہ اولیت محبوب نگر کے ہزاروں مسلم باغندوں کی دستگیری اور ان کی معاشی پستی کی اصلاح کو حاصل رہے گی۔

یادداشت

مجلسِ عاملہ اتحاد المسلمین مملکت آصفیہ اسلامیہ

قائد ملت کی اکثر تقاریر میں چونکہ مجلس اتحاد المسلمین مملکت آصفیہ اسلامیہ کی اس یادداشت کا ذکر بار بار آیا ہے جو مجلس کی طرف سے رائٹ آنریبل صدر اعظم بہادر حکومت سرکار عالی کی خدمت میں بتاریخ ۲۶ جمادی الاول ۱۳۵۹ھ پیش کی گئی تھی اس لیے ہم یادداشت بعینہٖ یہاں درج کرتے ہیں تاکہ تقاریر کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

جنگ نے مسلمانان حیدرآباد کو مملکت آصفیہ اسلامیہ کے حال اور مستقبل سے متعلق نہایت اہم مسائل سے دوچار کر دیا ہے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت مجلس اتحاد المسلمین کی خواہش ہے کہ حکومت آصفیہ کو ان مسائل کی نسبت مجلس کے نقاط نظر

سے مطلع کر دیا جائے تاکہ حکومت ان پر سنجیدگی کے ساتھ غور فرمائے۔

موجودہ فوجی امداد وقارِ مملکت کے اعتبار سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی

۱۔ حکومت مسلمانانِ حیدرآباد کے اس مستحکم ایقان سے ناواقف نہیں کہ ٹہلریت کے خلاف برطانیہ کی مہیب کشمکش نہ صرف اس کی حریت کی بقاء کی خاطر بلکہ اس کے ہر اتحادی اور حلیف کے تحفظ کے لیے جاری ہے مسلمان اس حقیقت کو معلوم کر کے مطمئن اور مسرور ہیں کہ حیدرآباد کے فوجی اور دیگر وسائل اپنے حلیف کی اعانت کے لیے وقف کر دیئے گئے ہیں۔ لیکن خلق اس امر کا ہے کہ یہ اعانت مملکت کے وقار کے اعتبار سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔

آلاتِ حرب کے کارخانے فوراً قائم کیے جائیں

۲۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حیدرآباد کی حربی طاقت اور حق اسلحہ سازی پر خواہ کسی نوعیت کے ہوں بروئے معاہدات کسی قسم کی کوئی پابندی عائد نہیں ہے لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ عہد ماضی کی حکمت عملی میں سہل انگاری کے باعث حیدرآباد کو

اپنی مدافعت کے لیے بیش از بیش برطانوی حلیف کا دست نگر ہونا پڑا اور نتیجتہً آج بڑی ندامت کے ساتھ ہم مشاہدہ کر رہے ہیں کہ حیدر آباد کے نام سے ایک حقیر فوج محاذ جنگ پر جاتی ہے جس کے لیے تعجب ہے کہ آلات حرب تمام و کمال ممالک غیر سے فراہم کیے جاتے ہیں اس لیے مجلس کی رائے میں باعتبار اقتضائے وقت اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ جہاں تک فوجی امور کا تعلق ہے حکومت کے موجودہ طریقہ عمل کا جائزہ لیا جائے اور ملک میں حکومت کی جانب سے بلا تاخیر یہ تعداد کثیر کارخانوں کا قیام عمل میں لایا جائے تاکہ جدید حربی ضروریات کے مطابق مملکتی افواج کے لیے آلات حرب مہیا ہو سکیں ایک واضح حقیقت ہے کہ تاوقتیکہ اس کا انتظام نہ ہو اہل ملک بکمال شوق جنگ میں حصہ لینے کے لیے زیادہ سے زیادہ قوت نہیں صرف کر سکتے اس لیے مجلس اپنی رائے میں مناسب تصور کرتی ہے کہ وہ ساری مالی اعانت جو جنگ کے سلسلہ میں حکومت یا اہل ملک کی جانب سے حاصل ہو فوجی طاقت کی توسیع اور مجوزہ حربی کارخانوں کے قیام کے لیے استعمال کی جائے۔

اسلامی مملکت کی حربی طاقت کے از سر نو قیام کے لیے

مسلمان ہر قربانی کے لیے تیار ہیں

۵۴۔ زائد فوج اور حربی کارخانوں کے لیے اشخاص کی فراہمی کے علاوہ مجلس اتحاد المسلمین اپنے اراکین میں سے ضرورت کے مطابق رضا کاروں کی مناسب تعداد مہیا کرنے پر بھی آمادہ ہے جو نہ صرف ملک کا امن و امان برقرار رکھے بلکہ میدان جنگ کی فوج کے لیے محفوظ دستہ کا کام انجام دے سکے گی۔ مجلس کامل وضاحت کے ساتھ بیان کر دینا چاہتی ہے کہ اسلامی مملکت کی حربی طاقت کے از سر نو قیام کی خاطر مسلمانان حیدرآباد ہر قربانی اور ایثار کے لیے بے چینی کے ساتھ آمادہ ہیں تاکہ ایک طرف اس ضرورت کے وقت اپنے حلیف کی پورے ساز و سامان کے ساتھ اعانت کر سکیں اور دوسری طرف اندرون ملک بدامنی کی صورت میں قیام امن کے فرائض بجا لائیں۔ حیدرآباد خود مختار رہا ہے وہ موجودہ پست حالت پر قانع نہیں رہ سکتا

۵۵۔ دوسرا مسئلہ جو کسی طرح کم اہم نہیں حیدرآباد کی آزادی

اور اقتدار کا ہے جس کی جانب مجلس کی توجہ مرکوز ہے۔ ۱۷۲۴ء میں جب سے کہ حضرت نظام الملک آصفجاہ اول نے جنوبی ہند میں اپنی آزادی کا اعلان فرمایا حیدرآباد خود مختار رہا ہے سلاطین حیدرآباد نے اپنی اسی آزادانہ حیثیت میں ضرورت کے وقت برطانیہ کی مدد کی اور اس سے تحائف کا رشتہ قائم کیا دونوں حکومتوں کے درمیان جو معاہدات طے پائے ان کی کوئی دفعہ ایسی نہیں کہ حیدرآباد کو اس کی موجودہ حیثیت تک گھٹا دے جو اس کے وقار کے منافی اور اقتدار کے مغائر ہے۔ یہ تصور موجودہ نسل کے لیے سخت تکلیف دہ ہے کہ حیدرآباد اپنی اس حلیف طاقت کی بدولت اس پستی کو پہنچ گیا ہے جس کی ہمیشہ اس نے آڑے وقتوں میں مدد کی وہ اپنی موجودہ حالت پر قانع رہنے کے لیے آمادہ نہیں جو عہد ماضی کے ایک ناگوار دور کی وراثت ہے۔ حیدرآباد کو وہ پھر ایک بار قوی اور آزاد دیکھنے کے لیے بیتاب ہے تاکہ بلامزاحمت استبدادی عمل درآمد کے پنجہ سے آزاد ہو کر حیدرآباد حیات نو حاصل کر سکے۔

مملکت حیدرآباد خود ہی اپنی قسمت کی تعمیر کرے گی

ف ۶۔ برطانوی ہند کے طول و عرض میں حالات کی رفتار

حکومت کے ارباب حل وعقد کو دعوتِ فکر دے رہی ہے۔ اس حصۂ ملک کا سیاسی مرتبہ شدید انقلابی دور سے گزر رہا ہے خواہ وسٹ منسٹر قانون کے مطابق ہی کیوں نہ ہو وہ آزادی حاصل کرنے کے قریب ہے جب انگلستان برطانوی ہند کے ساتھ جس نے پوری شدت سے حکومت کی مخالفت کی ہے یہ سلوک کر سکتا ہے تو حیدرآباد جیسا یار وفادار اپنے حلیف کی جانب سے کم سے کم اس کا متوقع ہے کہ وہ اس کو اپنی قسمت کی تعمیر اور اپنے ہمسایہ یعنی ہندوستان کی آئندہ مقبوضاتی حکومت کے ساتھ دوستانہ تعلق قائم رکھنے کے لیے تنہا اور آزاد چھوڑ دے۔

حیدرآباد کی سابقہ خود مختارانہ حیثیت عود کر آنی چاہیئے

ف:۔ یہ امر بھی ناقابل فراموش ہے کہ برطانوی ہند سے حیدرآباد کے تعلقات معین معاہدات کی بنیاد پر قائم ہیں اور مجلس کی رائے میں ان معاہدات کی جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے دفاعی اور تجارتی ہیں۔ اس وقت کوئی اہمیت باقی نہیں رہ سکتی جب کہ برطانیہ براہ راست ان فرائض اور ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کے قابل نہ رہے جو فریق معاہدہ کی حیثیت سے اس پر عائد ہوتے ہیں بہ الفاظ دیگر جس

لمحہ ہندوستان کو مقبوضاتی مرتبہ حاصل ہو جائے حیدرآباد کی اپنی سابقہ خود مختارانہ حیثیت عود کر آئے گی اور مقبوضاتی حکومت کے ساتھ جدید معاہدات طے کرنے میں وہ بالکلیہ آزاد ہوگا۔

حیدرآباد کو اس کے سارے سابقہ علاقے واپس ملنے چاہئیں

ف۔ برطانوی ہند کو مقبوضاتی مرتبہ ملنے کی صورت میں چونکہ یہی امور اس کے ناگزیر مضمرات ہوں گے اس لیے سب سے پہلا مسئلہ جو حکومت حیدرآباد کی توجہ کو مرکوز کر سکتا ہے وہ مفوضہ علاقوں کے استرداد کا ہے جو برطانوی حکومت کو ان امدادی فوج کے معارف کی بجا آوری کے لیے تفویض کیے گئے تھے جو اس کے اغراض کے لیے اندرون مملکت متعین کی گئی ہیں۔ ملک کے ان مجبور کن حالات کا وجود اب باقی نہیں رہا جن کے تحت گذشتہ زمانہ میں حیدرآباد نے اپنے بعض علاقوں کا انتظام و نسق دفاعی اغراض کے لیے برطانوی حکومت کے سپرد کر دیا تھا کیونکہ اب حیدرآباد ان علاقہ جات کا خود انتظام کر سکتا ہے اور اپنے محاصل کے ذریعہ زائد فوج کے اخراجات بھی برداشت کر سکتا ہے جس کی حال اور مستقبل میں اس کو ضرورت ہے۔ مجلس حکومت حیدرآباد سے امید کرتی ہے کہ ہندوستان کو مقبوضاتی

مرتبہ عطا ہونے سے بہت قبل ان مسائل کی نسبت کاروائی آغاز کر کے اطمینان بخش نتائج کے حصول کی کوشش فرمائے گی۔

۹۵ ۔ اس تفصیل کا اجمال یہ ہے کہ :۔

الف ۔ مجلس۔

۱۔ حکومتی افواج میں توسیع

۲۔ حربی اسلحہ سازی کے کارخانوں کے قیام کا بے چینی سے انتظار کر رہی ہے تاکہ اس جنگ کے دوران میں برطانیہ کی خاطر خواہ اعانت کر سکے اور جنگ کے خاتمہ کے بعد اس کی حربی طاقت خود اس کی دفاع کا موجب ثابت ہو۔

ب ۔ مجلس اس اضطراب کے ساتھ حکومت حیدرآباد سے وقت کی اس اہم ترین ضرورت کے پیش نظر برطانوی ہند کو مقبوضاتی مرتبہ ملنے کی توقع پر حسب ذیل امور کی نسبت حکومت برطانیہ سے گفت و شنید آغاز کرنے کا شدید مطالبہ کرتی ہے۔

۱۔ امدادی افواج کی برخاستگی جن کو حکومت برطانیہ نے حکومت آصفیہ کے مصارف پر حدود مملکت میں متعین رکھا ہے اور نتیجۃً مقبوضہ علاقہ جات کا استرداد۔

۲۔ برطانیہ کے ساتھ حلیفانہ تعلقات کی اس طرح تجدید کہ

جس کے ذریعے حیدرآباد کی داخلی اور خارجی آزادی اور انفرادیت کا تیقن حاصل ہو جائے۔

۱۰۵۔ خاتمہ پر مجلس اس حقیقت کو پوری شدت کے ساتھ ظاہر کر دینا چاہتی ہے کہ اپنے بیدار سیاسی شعور کے ساتھ مسلمانان حیدرآباد و نیز مسلمانانِ ہند حیدرآباد کے تخت و تاج کو اپنی سیاسی برتری کا مظہر تصور کرتے ہیں اور اس کی حریت و انفرادیت کی بقا کے لیے والہانہ شوق و اخلاص کے ساتھ ہر قسم کی قربانی کیلیے آمادہ ہیں۔ اس لیے حکومت حیدرآباد کا مقدس فریضہ ہے کہ عظیم تر ہندوستان میں حیدرآباد کی آئینی حیثیت کے دوبارہ حصول میں متذکرہ صدر طریقہ کے مطابق کسی کوشش اور کسی ایثار سے دریغ نہ فرمائے۔

مجلس کمال عقیدت کے ساتھ دست بدعا ہے کہ ان پیش نظر مقاصد کی پیش رفت میں خدائے مسبب حکومت کو کامل بصیرت اور قوت عطا فرمائے۔ اگر یہ مناسب موقع ہاتھ سے نکل جائے یا حکومت باقتضائے وقت سعی بلیغ سے قاصر رہے مجلس کو یقین ہے کہ مسلمانانِ حیدرآباد ہند میں ایسی صورتحال کے باعث جو ناگزیر ردعمل ظہور پذیر ہوگا اس کی تمام تر ذمہ داری حکومت پر عائد ہوگی۔

بہادر یار جنگ بہادر
صدر مجلس اتحاد المسلمین

امداد جنگ

مجلس جاگیرداران میں قائد ملّت کی تقریر جو
بتاریخ ۲۱ شہریور ۱۳۴۹ف کو ہوئی۔

دوستو! آج ہم جس مقصد کے لیے جمع ہوئے ہیں یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ جب سے برطانیہ کے باشندے ہندوستان میں آئے اور ہمارے درباروں میں تاجروں کی طرح حاضر ہوکر ہماری امداد کی خواہش کی اس دن سے ہم ان کی برابر مدد کرتے رہے ہیں۔ دوسو سال کی تاریخ شاہد ہے کہ انگریزوں پر کبھی ایسا بُرا وقت نہیں آیا جس میں ہم نے ان کی دستگیری نہ کی ہو۔ ٹیپو سلطان کے مقابلہ میں ان کی بیچارگی ۱۸۵۷ء کے غدر میں ان کی پریشانی ہم سے دیکھی نہ گئی اور ہم نے اپنے ہم مذہبوں کے مقابلے میں اپنی ساری طاقتوں سے ان کی امداد کی اور ہندوستان میں رہنے کے قابل بنایا۔ برطانوی مدبر اس

سے انکار نہیں کر سکتے کہ اگر ہماری امداد شامل نہ ہوتی تو ہندوستان کی تاریخ وہ نہ ہوتی جو آج ہے ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء کی جنگ عظیم میں ہم نے نہ صرف اپنی فوجیں دیں اپنا روپیہ دیا اور اپنے تمام وسائل سے مدد کی بلکہ ترکوں کے انگریزوں سے مخالف ہونے کے باوجود ہماری اخلاقی امداد اور جلالتہ الملک خسرو دکن کی شاہانہ اپیل نے ہندوستان کے مسلمانوں کو انگریزوں سے منحرف ہونے نہ دیا۔ ان سارے واقعات کی روشنی میں ہمارا آج کا اجتماع جناب صدر کی پرزور اپیل اور راجہ محبوب کرن بہادر کا پیش کیا ہوا رزولیوشن ہماری روایات کے عین مطابق ہے اور ہماری قدیم شرافت کا آئینہ دار ہے۔

اعلیٰ حضرت بندگان عالی کا حلیف ہم سب کا حلیف ہے ارشاد ہمایونی بلا لحاظ مذہب و ملت ہم سب کے جذبات و احساسات کا ترجمان ہے اس لیے ہم اپنا فرض تصور کرتے ہیں کہ اس جنگ میں اپنے حلیف کی پوری پوری مدد کریں اور مجھے یقین ہے کہ آپ اس رزولیوشن کو پورے جوش کے ساتھ منظور کریں گے لیکن ساتھ ہی ساتھ میں اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ آپکی چشم و ابرو کی جنبشوں سے آپ کے قلب کے ارتعاش کا پتہ لگا رہا ہوں اور میرے تصور کے

کان ان آوازوں کو سن رہے ہیں جو آپ کے قلب کی گہرائیوں میں اٹھ رہی ہے۔ آپ بامروت ہیں اور عقلمند اور میں شوخ ہوں اور دیوانہ آپ سوچتے ہیں مگر کہتے نہیں اور میں اپنے جذبات کو چھپا نہیں سکتا میں جانتا ہوں کہ آپ کے دل میں رہ رہ کر یہ سوال پیدا ہو رہا ہے کہ ہماری گذشتہ دو سو سالہ امدادوں کا کیا بدلہ ملا۔ اور آج ہم کیا توقع کر سکتے ہیں؟ آپ کے دل سے آوازیں اٹھ رہی ہیں کہ کیا ہم اپنے عہدوں کو پورا کرتے ہوئے دوسروں کی بنیادوں کو مضبوط نہ کرتے گئے! اور کیا اس کے بدلے میں آہستہ آہستہ ہماری طاقت کمزوری اور ہماری آزادی پابندی سے نہیں بدلتی گئی۔ کیا دوستی ہی دوستی کے پیرایہ میں ہم کو ایک کمزور ترین قوم اور ملک نہیں بنایا گیا! کیا ہماری گذشتہ جنگ عظیم کے امداد کے بدلہ میں لارڈ ریڈنگ کا دلخراش اور انصاف کش مکتوب نہیں ملا۔ اور اگر یہ حقیقت ہے تو ہم آئندہ کیا توقع کر سکتے ہیں! میں چاہتا ہوں کہ آپ کے شبہات کو دور کروں اور آپ کو اس قابل بناؤں کہ آپ قلب و دماغ کی پوری آمادگی کے ساتھ اس وقت برطانیہ عظمیٰ کی مدد کریں اور صرف فرمان خداوندی کی تعمیل اور اپنے جذبات کے خلاف تعمیل آپ کے پیش نظر نہ ہو!

جنگ کے مقاصد — آپ کو واقف ہو جانا چاہیئے کہ گذشتہ جنگ کے مقاصد اور آج کی لڑائی کے مقاصد میں بہت بڑا فرق ہے آج کی لڑائی حق و صداقت کے لیے لڑی جا رہی ہے۔ برطانیہ کے حل و عقد نے ایک سے زیادہ مرتبہ اعلان کیا ہے کہ وہ معاہدات کا احترام کرانے کے لیے لڑ رہے ہیں اور اس بات کو ہر شخص جانتا ہے کہ اس وقت برطانیہ اور اس کے حلیف چھوٹی قوموں کی آزادی کے لیے لڑ رہے ہیں۔ ان واضح اور صاف مقاصد جنگ کی موجودگی میں آپ کے ان تمام شبہات کو دور ہو جانا چاہیئے جو اس وقت آپ کو منغص کر رہے ہیں اور آپ کو یقین رکھنا چاہیئے کہ ہماری یہ امداد سابقہ کی طرح رائیگاں نہیں جا سکتی۔ جنگ کے دو ہی نتائج ہو سکتے ہیں فتح یا خدانخواستہ شکست، ہم کو برطانیہ کی طاقت سے زیادہ ان کی نیت اور مقاصد سے توقع ہے کہ وہ اس جنگ میں اس کی کامیابی کے ضامن ہوں گے اور ہم اس کی کامیابی کے اس لیے متمنی ہیں کہ ہماری قسمتیں اس سے وابستہ ہو گئی ہیں اس کی فتح ہماری زندگی ہے اور اس کی شکست ہماری تباہی۔ ہم کسی دوسرے فاتح سے وہ توقع بھی نہیں کر سکتے جو آج ہم کو حکومت برطانیہ سے ہے۔ اگر آپ

سمجھ گئے ہیں کہ فتح یقینی ہے تو یہ بھی معلوم کر لیجئے کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے۔ سب سے پہلی چیز جو ہوگی وہ یہ ہے کہ حسب وعدہ حکومت برطانیہ ہندوستان کو قانون وسٹ منسٹر کے مطابق مقبوضاتی مرتبہ عطا کر دے گی۔ اس کے دوسرے الفاظ میں یہ معنی ہیں کہ ہندوستان میں مخالف حکومت برطانیہ کی جو کوششیں پچاس برس سے جاری ہیں بار آور ہوں گی۔ اور برطانیہ اپنے ہاتھوں سے اپنے دشمن کو آزادی کا پروانہ دے گا۔ کیا اس حالت میں آپ توقع کر سکتے ہیں کہ دشمنوں کو پروانۂ آزادی دینے والی حکومت اپنے دوستوں کو مشورے ایماء اور اشارے کی نازک زنجیروں میں مقید اور پابند رکھے گی ہرگز ممکن نہیں۔

کامل آزادی اور بیرونی مداخلتوں کی موت

اس جنگ کی کامیابی حیدرآباد میں ہماری بیرونی مداخلتوں کی موت کا پیغام ہوگی اور حیدرآباد اپنے تمام مسائل اندرونی میں کامل آزاد اور صرف اپنے بادشاہ کی مرضی کا تابع ہوگا۔

ہندوستان کو مقبوضاتی مرتبہ ملنے کے معنی یہ ہیں کہ اب ہمارے اطراف راست برطانوی حکومت کی بجائے ہندوستانی

حکومت کارفرما ہوگی اور یہ امر مسلّم ہے کہ ہمارے تمام معاہدات تاج برطانیہ کے ساتھ ہیں۔ بمقبوضاتی مرتبہ کے ساتھ ہندوستان کو اختیارات مدافعت بھی کاملاً مل جائیں گے اور ہم نے اپنی مدافعت کے اختیارات اپنی رضامندی سے تاج برطانیہ کے تفویض کیے تھے ان تمام حالات کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا چونکہ حکومت برطانیہ راست ہماری مدافعت کے قابل نہ ہوگی اور اس بات کے ہم مجاز ہیں اور ہوں گے کہ جدید ہندوستانی حکومت سے جس قسم کے تعلقات مناسب سمجھیں قائم کریں۔ اس لیے لازمی طور پر وہ تمام معاہدات منسوخ ہو جائیں گے جو ہم نے مدافعت کے سلسلہ میں تاج برطانیہ سے کیے ہیں اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ چونکہ اب خود ہم کو اپنی مدافعت کا سامان کرنا ہوگا اس لیے وہ تمام مقبوضات جو ہم نے مدافعتی افواج کے اخراجات کے لیے یا کسی اور طریقہ پر انعاماً و عطاً تاج برطانیہ کے تفویض کیے تھے ہم کو واپس مل جائیں گے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ جنگ کے وہ لازمی نتائج ہیں جن سے کوئی معاہدات کا احترام کرنے والی حق و صداقت کے لیے قربانی کرنے والی قوم انکار نہیں کر سکتی۔

فتح کا تیسرا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم نے اپنے اطراف اور جوانب پر چھائی ہوئی اور ہم کو چاروں طرف گھیرے ہوئی جس طاقتور حکومت کو

اپنے بیرونی تعلقات کا اختیار تفویض کیا تھا چونکہ وہ ہمارے اطراف راست کارفرما نہ ہوگی اس لیے خود بخود سارے معاہدات باقی نہ رہیں گے جو بیرونی تعلقات کے سلسلہ میں تاج برطانیہ کے ساتھ کیے گئے اور ہم ایسی آزاد مملکت ہوں گے جس کو یہ اختیار ہوگا کہ تاج برطانیہ کے ساتھ اپنی غیر متزلزل دوستی کو قائم رکھتے ہوئے دنیا کی دوسری طاقتوں کے ساتھ جیسے تعلقات چاہیں قائم کریں میں چاہتا ہوں کہ ان حقائق کی روشنی میں آپ اپنے قلب کے ان تمام شکوک کو رفع کریں جو اس وقت پیدا ہو رہے ہیں اور ان حقیقتوں کو استواری کے ساتھ اپنے قلب میں پرورش کرتے ہوئے جلالۃ الملک کے ارشاد کی تعمیل میں اس جنگ میں حکومت برطانیہ کی امداد کریں۔

میں آپ کے قلب کے اس دوسرے شبہ کو بھی جانتا ہوں کہ آپ سوچ رہے ہیں کہ اگر خدانخواستہ برطانیہ کو شکست ہوئی اور ہندوستان پر اس کی گرفت ڈھیلی ہوگئی۔ ہندوستان میں نراج پیدا ہوگیا اور ہمارا ملک ان خطرات سے دوچار ہونے لگا جو آج ہم کو دور نظر آرہے ہیں تو معاہدات کی روشنی میں جو حکومت برطانیہ نے ہم سے کیے ہیں ہم اس سے کس امداد کی توقع کر سکتے

ہیں؟ خصوصاً جب کہ معاہدات کی رو سے برطانیہ اس اس وقت ہماری امداد پر مجبور نہیں ہے جب کہ اس کی فوجیں دوسری طرف مشغول ہیں کیا ہم اتنے طاقتور ہیں کہ ایسی طوائف الملوکی کا مقابلہ کریں۔

میں اس شبہ کو آپ کی موجودہ امداد میں خارج نہیں تصور کرتا کیونکہ آپ کی حکومت آج بھی مجبور نہیں ہے کہ آپ کی فوجی طاقت میں اضافہ نہ کرے۔ یہاں حکومت کو چاہیئے کہ حالت کی نزاکت کا اندازہ کرتے ہوئے فوراً اپنے یہاں سامان حرب تیار کرنے والے کارخانے قائم کرے اپنے توپ کے سانچے بندوق سازی کے ٹوٹے ہوئے کارخانوں کو دوبارہ زندہ کرے اور اپنے ملک کو اس قابل بنائے کہ اپنے حلیف کی اس پریشانی میں بوقت ضرورت اپنی آپ حفاظت کر سکے۔ ہم کو یقین ہے اور برطانیہ سے اس یقین کے قائم نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ جو آلات حرب ہم تیار نہیں کر سکتے۔ اور جن کی موجودہ زمانہ میں شدید ضرورت ہے مثلاً ہوائی جہاز، مشین گن، دبابے، ہوائی مدافعت کے سامان، انٹی ایرکرافٹ توپیں وغیرہ وہ ہم کو فراہم کیے جائیں گے بلکہ بعجلت ممکنہ فراہم کیے جائیں گے۔ کیونکہ زمانہ کی رفتار خطرات کو کچھ زیادہ دور

نہیں بتا رہی ہے اس کے علاوہ خود ہم جاگیرداروں کا فریضہ ہے کہ حکومت برطانیہ کی ممکنہ مدد کریں ملک کے لیے ایک ایسی شہری فوج تیار کریں جو اندرونی خلفشار کی صورت میں ہمارے کام آئے مجھے یہ سن کر مسرت ہوئی کہ خود جاگیرداروں کی نوجوان اولاد نے اپنے آپ کو فوجی خدمت کے لیے پیش کیا ہے ہمارا شیوہ ہمیشہ سے سلاطین آصفیہ کی عماری کے سامنے داد شجاعت دینا ہے اور آج بھی ہم کو اپنا یہ فرض یاد ہے۔

برادرانِ طبقہ

اب مجھے یقین ہے کہ اس رزولیوشن کو جو آپ کے سامنے پیش کیا گیا منظور کرنے میں آپ کو کوئی تامل نہ ہوگا لیکن ساتھ ہی ساتھ آپ کو آپ کے بھائی کی طرح نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے ان قلبی جذبات کو جس کی میں نے اس وقت ترجمانی کی اپنے قلوب کے صندوق میں بند رکھنا چھوڑ دیں۔ تاریخ کے ہر دور میں آپ حکومت کی ریڑھ کی ہڈی رہے ہیں۔ اور آج بھی کسی طبقہ کو سب سے زیادہ حکومت کے حال اور مستقبل پر غور کرنے کا حق ہے تو وہ آپ ہی کا طبقہ ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ میں آپ میں ایک بیداری کی لہر دیکھ رہا ہوں۔

ایک سال قبل جب کہ خطرہ آپ کے دروازہ کی زنجیر کھٹکھٹا رہا تھا۔ آپ سو رہے تھے اور آپ کی نیند موت کے خواب سے بھی بدتر نظر آرہی تھی لیکن آج سات ہزار میل دور خطرہ کو دیکھ کر اس کا احساس پیدا کرنا اور اس کے مقابلے کے لیے تیار ہونا ہر طرح قابلِ مبارکباد ہے یہ خطرہ گذشتہ خطرہ سے یقیناً عظیم تر ہے۔

ہم کو اس جنگ میں امداد دیتے ہوئے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہماری امداد دور جارہی ہے۔ انگلستان کا میدانِ جنگ ہمارے محاذ کا پہلا مورچہ (یعنی فرسٹ لائن آف ایکشن) ہے اور اس مورچہ کی مضبوطی اور کامیابی پر ہمارے آخری مورچہ کے تحفظ کا انحصار ہے۔

میری یہ تقریر کسی پریشان یا مصیبت زدہ حلیف کے سامنے پیش کردہ شرائط نہیں ہے۔ ہماری امداد غیر مشروط ہے کیونکہ ہم فطرتاً اور اپنی جبلی شرافت کی وجہ سے اپنے حلیف کی امداد پر مجبور ہیں اور ہمارے آقائے ولی نعمت امداد کر رہے ہیں تو ہماری امداد میں کوئی شرائط نہیں ہو سکتے۔ میری یہ تقریر آپ کے شبہات کے ارتفاع اور مستقبل کے متعلق آپ کے یقین کے اضافہ کے لیے ہے اور اپنے حلیف کی یاد کی تازگی اور اس کے جذبات شرافت صداقت کو ابھارنے کے لیے ہے بحمد اللہ اب حیدرآباد میں اتنا شعور پیدا ہو چکا ہے کہ

کوئی ناسمجھ سے ناسمجھ آدمی میرے ان خیالات کو تنہا میرے خیالات نہیں قرار دے سکتا۔ یہ ملک اور خصوصاً طبقہ جاگیرداران کے ہر ایک فرد کے قلب کی آواز ہے جس کو نظر انداز کرنا برطانیہ کے لیے ایسا ہی ہے جیسے کوئی طوفانی سمندر کا کشتی شکستہ مسافر اس تختہ کو نظر انداز کر دے جس کے سہارے وہ موجوں کا مقابلہ کر سکتا ہے اور جس کو باقی رکھ کر ہی وہ ساحل مراد تک پہنچ سکتا ہے۔

جشن یوم خود مختاری مکّہ مسجد میں

خود مختاری ہمارا مطالبہ نہیں بلکہ حق ہے

قائدِ ملّت کی توضیحات

دوستو! میں آپ کی اور اپنی ضرورت سے بمبئی گیا تھا۔ گو میں وہاں رو کا جا رہا تھا مگر آج کی اس یادگار تقریب میں شرکت کے لیے بے تاب واپس ہوا۔ ابھی آپ نے حضرت بادشاہ حسینی صاحب سے لنڈن ہمایونی کو سماعت کیا جو دو صد سالہ جشن اعلان خود مختاری کے دربار میں ارشاد فرمائی گئی تھی اور آپ نے یہ بھی سنا ہے کہ کس طرح ہندوستان کے ڈوبتے ہوئے جہاز کو ہمارے اعلیٰ حضرت کے جدِ اعلیٰ آصف جاہ اول نے بچایا۔ اس وقت کو تاریخ کا متعلم نہیں بھلا سکتا جب مدراس کی کھاڑیوں میں برطانیہ کا جہاز ڈوبنے کو تھا اس وقت جس ہاتھ نے ان کو ڈوبنے سے بچایا وہ آصف جاہ اول کے بیٹے کا تھا۔ خدا ان کی روح کو

مقامات اعلیٰ عطا کرے اور اس ریاست کی حیثیت کو زیادہ مستحکم اور پائدار رکھے۔

مملکت آصفیہ کی حلیفانہ امداد

میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ حضرت آصف جاہ اوّل نے جس خود مختاری کا اعلان کیا تھا وہ خود مختاری ان معاہدات کی رو سے آج بھی قائم و مستحکم اور غیر متزلزل ہے جو سلطنت آصفیہ اور حکومت برطانیہ کے درمیان ہوئے۔ ہم نے حکومت برطانیہ کی ایک حلیف کی حیثیت سے امداد کی میں اس یاد کو اس لیے تازہ نہیں رکھتا کہ اپنے حلیف کو دکھ پہنچاؤں بلکہ اس لیے کہ ان کی حیدرآباد سے دوستی کو زیادہ مستحکم کروں جس نے بلا لحاظ مذہب و ملت اپنی دوستی کو نباہنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ آج بھی آپ ٹیپو سلطان کی زبان سے اس داستانِ خونی کو سن سکتے ہیں۔

اگر نظام ہاتھ سے کھسکے!

۱۹۲۲ء کی وہ کشمکش جب کہ ہندوستان آزادی کے لیے جدوجہد کر رہا تھا۔ اس وقت ایک وائسرائے نے ایک گورنر کو صاف الفاظ میں متنبہ کر دیا تھا "کہ نظام ہاتھ سے

کھسکے تو سب کچھ نکل جائے گا۔" اس اپنی ساری حلیفانہ اور دوستانہ زندگی کے دوران میں ہم ہمیشہ ثابت قدم رہے مگر مجھے یہ بتلانا مقصود ہے کہ ہماری آزادی اور خود مختاری کا کسی کو شبہ ہے تو آج کا "وقت" پڑھ لے جس میں آپ سالار جنگ بہادر کے مکتوب کو پڑھیں گے جو "دستاویز خود مختاری" ہے۔

آزادی کے خلاف ایک آواز

ہماری آزادی کے خلاف جو پہلی آواز سنی گئی وہ لارڈ ریڈنگ کی زبان سے مسلمہ اسناد کی موجودگی میں کسی وائسرائے کا کسی خیال کو ظاہر کر دینا کبھی بھی مستند نہیں ہو سکتا۔ دنیا کو معلوم ہے کہ لارڈ ریڈنگ یہودی تھا۔ انگریزوں سے اس یہودی وائسرائے نے صدیوں کا بدلہ لیا۔ پیرامونٹسی کی تھیوری (اقتدار اعلیٰ کا نظریہ) پیدا کر کے انگریزوں سے دیسی روساء کو بدظن کر کے چلا گیا۔ میں انگریزوں کی فراست کا ہمیشہ قائل رہا ہوں مگر جب وہ لارڈ ریڈنگ کے خط کو پیش کرتے ہیں تو مجھے ان کے تدبر پر شبہ ہونے لگتا ہے۔ یہ نظریہ اور دیسی ریاستوں کے بارے میں صحیح ہو تو ہو مگر حیدرآباد سے اس کو دور کا بھی تعلق نہیں۔ ہمارا یہ دعویٰ آج بھی قائم اور ہمیشہ قائم رہے گا۔ مگر حیدرآباد نے بھروسہ کی انتہا کر دی بھروسہ انسان

میں کمزوریاں پیدا کر دیتا ہے ؎

رفتن بپائے مردمی ہمسایہ در بہشت
حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است

اپنے حلیف کی فوجوں کو اپنے خرچ پر اپنے ملک میں رہنے کی اجازت دی۔ اگر وہ اس وقت ایسا نہ کرتا تو آج وہ باتیں بھی نظر نہ آتیں جو نظر آتی ہیں۔

مقبوضاتی مرتبہ اور حیدرآباد کی حیثیت! حضرت اقدس اعلیٰ کا ارشاد

عالی آج سے سترہ سال پہلے جس طرح مطابق تھا اسی طرح آج بھی ہے۔ ہماری حلیف سلطنت برطانیہ نے ہندوستان کو مقبوضاتی مرتبہ دینے کا وعدہ کیا۔ اس کے صاف الفاظ میں یہ معنی ہیں کہ اس کو وہ حقوق حاصل ہو جائیں گے جو نیوزی لینڈ، کینیڈا اور آسٹریلیا کو حاصل ہیں۔ آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس درجہ کی بناء پر آئرلینڈ شریک جنگ نہیں ہے اور ہندوستان اپنے ہمسایہ ممالک سے معاہدہ کر سکے گا اور یہ سب کس کو ملے گا؟ سلطنت برطانیہ کے دشمنوں کو کیا آپ نہیں جانتے کہ انھوں نے گذشتہ پچاس سال سے برطانیہ کا ناطقہ تنگ کیا اور ہنگامہ برپا کیا۔ کیا آپ توقع کر سکتے ہیں کہ حیدرآباد کو

جوان کی عزت، ان کی حفاظت کا ضامن اور ہندوستان میں ان کے قیام کا باعث اولین رہا ہے اپنے معاملات کو آپ طے کرنے کا حق نہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ مدافعت کے جو وعدے ہمارے حلیف نے کیے کیا ان کی ضرورت رہے گی؟ نہیں رہے گی! اور جب نہیں رہے گی تو کیا ان مقبوضات کے اپنے حلیف کے قبضہ میں رہنے کی ضرورت ہوگی؟ ہرگز نہیں ہندوستان کو مقبوضاتی درجہ ملنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ علاقہ جات جو اپنے فوجوں کے اخراجات کے لیے تھے ہم کو واپس مل جائیں گے۔

اب جب کہ ہندوستان کے غلاموں کو خود افضالی معاملات کے حقوق مل جائیں گے تو کیا ہمارے مقبوضہ اختیارات حلیف کے پاس باقی رہیں گے؟ ہرگز نہیں۔ اس کے دوسرے الفاظ میں یہ معنی ہیں کہ ہم کو خود مختاری زیادہ سے زیادہ حاصل ہو جائے گی۔ ایسی چیز کے ذریعہ ہم کو دوسرے دول کے ساتھ تعلقات قائم کرنے اور اپنے دفاع کا آپ انتظام کرنے کا حق ہوگا۔

مملکت آصفیہ اسلامیہ کے مقبوضات کی واپسی کے بعد ہمارے حدود اس قسم کے ہوں گے کہ ہم مشرق میں خلیج بنگال پر وضو کریں گے جنوب میں سلطان شہید کی مزار پر فاتحہ پڑھیں گے اور شمال میں ورد ھا کی

سرحدوں پر کھڑے ہو کر گاندھی جی کو نمسکار کریں گے۔ یہ مطالبہ نہیں بلکہ ہمارا حق ہے۔ میں خود مختاری کا دن منا رہا ہوں اور میں اپنی حیثیت کا اعلان کر رہا ہوں جس کو ہر مسلمان کے قلب میں جاگزیں ہو جانا چاہیئے۔

یہ جنگ کا لازمی نتیجہ ہوگا کہ حیدرآباد اس مقام پر پہنچے گا جس مقام پر وہ خود کے اختیارات کو اپنے حلیف کے سپرد کر دینے سے قبل تھا۔ یہ تو ہوئی کل کی بات مگر آج کی بات یہ ہے کہ ہم قطعاً اس قابل نہیں رہے کہ اپنی مدافعت آپ کریں۔ جب برطانیہ کا حلیف فرانس صفحۂ ہستی سے مٹ چکا اور اب برطانیہ یکہ و تنہا ہے کہ اس کو سمالی لینڈ اپنی فوجی مصلحتوں کی بنا پر چھوڑنا پڑا۔ بحر احمر اور بحر روم میں آگ برس رہی ہے ایسے میں تم اس کو اس قدر اور زیادہ مجبور کیوں کر کرو گے کہ وہ تمہاری مدافعت کرے اس لیے ہم اپنے حلیف سے کہتے ہیں کہ اے حلیف ہم تجھ کو پریشان نہیں کر سکتے ؎

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست
در پریشاں حالی و در ماندگی

حکومت سے مطالبہ اس لیے ہم کو ہمارا حلیف موقع دے کہ ہم اس کی مدد کرنے کے پوری طرح قابل ہوں۔ مگر ہمارے حلیف نے ہم کو روکا بھی نہیں۔ آں

لیے ہم اپنی حکومت سے کہتے ہیں کہ فوراً فوج بھرتی کی جائے بارود گولی تیار کرے توپیں اور بندوقیں تیار کرے کہ جب کبھی ہمارے حلیف پر مصیبت آئے تو ہم ہندوستان میں اس کی مدد کر سکیں۔ نظام علی خاں نے ٹیپو کے مقابلہ میں کثیر فوج کھڑی کی تھی لیکن افسوس کہ ان کا پوتا آج اتنی فوج بھی نہیں رکھ سکتا اس لیے ہم اپنی حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ہماری فوج میں اضافہ کرے مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ خود کو فوجی بنائیں۔

حضرات! یہی وہ چند باتیں ہیں جس کو مجلس اتحاد المسلمین مملکت آصفیہ اسلامیہ نے جو آپ کی نمائندہ مجلس ہے (مجمع سے شور ہوا کہ بے شک ہے، بے شک ہے) حکومت کے سامنے ایک یادداشت کی صورت میں پیش کیا ہے۔ اس یادداشت کو آپ کے سامنے سنائے دیتا ہوں۔ (اس کے بعد قائد ملت نے یادداشت سنائی اور اس کے فقروں کی تشریح فرمائی)

دولت آصفیہ کا سیاسی مرتبہ

مجلس اتحاد المسلمین حلقہ (ب) حیدرآباد کے عظیم الشان اجلاس میں قائد ملت کی بصیرت افروز افتتاحی تقریر
مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۴۰ء۔

یہ امر باعث مسرت ہے کہ مجلس اتحاد المسلمین مملکت اسلامیہ آصفیہ کے دستور جدید کے مطابق ہماری مختلف ضلع واری شاخوں نے ارکان کی بھرتی اپنے اندر بیداری اور عمل کی صلاحیت پیدا کرنے کا کام شروع کر دیا ہے اسی بیداری کا نمونہ بلدہ کی ایک مجلس ضلع حلقہ (ب) کی مختلف شاخوں کی یہ کانفرنس ہے کانفرنس اس قسم کے اجتماعات آپ سب کا جمع ہونا اور مستقبل سے متعلق مسائل پر غور وفکر کرنا ہم کو اپنی منزل سے قریب تر اور عوام میں ایسی بیداری پیدا کرنے کا ضامن ہوتا ہے جو فی الحقیقت ابتدائی کام کی پہلی منزل ہے۔ میں مبارک باد دیتا ہوں مجلس اتحاد المسلمین حلقہ (ب)

کے کارکنوں کو جن کے اس عمل نے ایک مثال قائم کی تاکہ دوسری شاخیں اسی راہ عمل پر گامزن رہیں یہ اپنے قسم کا پہلا اجتماع نہیں ہے دوسری شاخوں نے بھی مختلف حیثیت سے جلسے منعقد کیے ہیں۔ مجھے توقع ہے کہ آئندہ اس قسم کے اجتماعات تنظیم اور اتفاق و اتحاد کا باعث ثابت ہوں گے۔ اس کے ساتھ یہ عرض کر دینا بھی چاہتا ہوں کہ ان اجتماعات کو اسلام کی بہترین سادگی کا نمونہ بنانا چاہیئے۔ مملکتی اتحاد المسلمین نے اپنے سالانہ جلسہ کو عظیم الشان اور شاندار پیمانے پر منانے کی جو کوشش کی اس کی ضرورت تھی آئندہ بھی مملکتی مجلس حالات کے لحاظ سے زیادہ کامیاب بنانے کی کوشش کرے گی لیکن اس نے طے کیا ہے کہ کام زیادہ کیا جائے اور خرچ کم ہو۔ دوسری مجالس بھی یہی مطمح نظر رکھیں تاکہ بچا ہوا پیسہ مفید کاموں میں خرچ کیا جا سکے۔

جنگ کی آگ اور ہولناکیاں

جس زمانہ میں حلقہ (ب) کی یہ شاندار کانفرنس منعقد ہو رہی ہے زمانہ کی رفتار اپنی تیزی، تندہی اور درشتی کے لحاظ سے سابقہ ریکارڈ کو توڑ رہی ہے۔ جنگ کی ہولناکیوں نے ایک طوفان مچا رکھا ہے۔ کوئی ملک ایسا نہیں ہے جو اپنی عافیت

سے متعلق فکرمند اور مستقبل کی کامیابی کے لیے کوشاں نہ ہو یورپ کی اس جنگ نے امریکہ کو جنگ کے عواقب سے متاثر کیے بغیر نہیں رکھا مشرق قریب بھی ان خطرات کو محسوس کر رہا ہے گو اس جنگ میں ایشیا نے اب تک حصہ نہیں لیا لیکن ہند چینی کا فرانسیسیوں سے تقریباً نکل جانا جاپانیوں کا تسلط جنگ کی آگ کو مشرق میں تیز تر بنانے کو کافی ہے۔ سومالی لینڈ کے تخلیہ کے بعد خطرات عدن سے زیادہ قریب ہو گئے ہیں اور ہندوستان پر ظاہر ہے کہ دنیا کی ہر قوم کی نگاہیں لگی رہتی ہیں جنگ کی اس آگ نے ہندوستانیوں کے قلوب کو بھی بے چین کر دیا ہے۔

انگلستان کی فتح ہماری فتح ہے

ہندوستان باستثناء

حیدرآباد، دو سو سال کے عرصہ میں موجودہ بیرونی حکومت کے رجحان طبع طریق ہائے کار کا اچھی طرح مطالعہ کر چکا ہے اب جو خطرات ہندوستان سے قریب تر ہو رہے ہیں اور جو اندیشے پیدا ہو رہے ہیں یقین ہے کہ ہندوستان کی حالت اس وقت بدترین ہو جائے گی بلکہ ہندوستان تباہ و برباد ہو جائے گا۔ ہم نے انگلستان کی اس لڑائی میں ہندوستان کے اس بچاؤ کی ساری ذمہ داریاں برطانیہ

کی طاقت کے بھروسہ پر اس کے سپرد کر دی تھیں۔ انگلستان کی شکست صاف اور صریح معنوں میں ہماری شکست اور انگلستان کی فتح ہماری فتح ہے حیدرآباد نے بھی ساری اپنی مدافعت کو اپنے حلیف برطانیہ عظمیٰ کے سپرد کر دیا مملکت آصفیہ برطانیہ کی فتح کی دل سے متمنی ہے اور وہ سمجھتی ہے کہ اس کی فتح مملکت آصفیہ کی فتح ہے۔

مجلس اتحاد المسلمین کی یادداشت اور مطالبات کی توضیح

مجلس اتحاد المسلمین مملکت آصفیہ نے سر صدر اعظم بہادر کی خدمت میں یادداشت پیش کر کے بتا دیا اور صاف مطالبہ کیا ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کا یہ زمانہ نہیں ہے بلکہ وقت ہے کہ آپ اور ہم حیدرآباد کی اور اپنے حلیف کی کامیاب اعانت کریں مجلس اتحاد المسلمین نے یادداشت میں صاف کہا ہے کہ حیدرآباد مدافعانہ طاقتوں کے بڑھانے میں کبھی دوسری طاقت کے مشورے یا اتمزاج کا پابند نہیں بلکہ کسی سے مشورہ کیے بغیر ہماری حکومت کا فریضہ ہے کہ اپنی مدافعت کی تیاری کے لیے وقت ضائع کیے بغیر کارخانوں کے قیام اور اسلحہ کی فراہمی کا انتظام کرے اور یہی حکومت کا اولین فریضہ

ہو سکتا ہے۔ آلات حرب کی تیاری مختلف قسم کی جنگی ضروریات کی فراہمی کے علاوہ مین پاور (MAIN POWER) کا بڑھانا بھی ضروری ہے۔ اخباری اطلاعات سے ظاہر ہے کہ بھوپال نے وقت کی ضرورت کو محسوس کر کے آفریدیوں کی فوج میں بھرتی شروع کر دی اور گورنمنٹ آف انڈیا نے آخر کو قبول کرتے ہوئے فوجی بھرتی میں نمایاں حصہ لیا۔ حیدرآباد کا زمانۂ قدیم سے یہ طرز عمل رہا ہے کہ ایشیاء کے مختلف گوشوں سے بہادر نسلیں مہیا کر کے انھیں اپنی افواج میں بہترین مقام عطا کرے۔ حیدرآباد کی بچی کھچی نشانیوں میں عرب موجود ہیں۔ آپ کو پٹھان بھی نظر آتے ہیں جن کو دو سو سال قبل براہ راست لا کر بسایا گیا تھا۔ اسی طرح سکھ، راٹھور، بلوچیوں کی ٹولیاں بھی نظر آتی ہیں جن کو سپاہی اقوام اور نسل ہونے کی وجہ سے عساکر آصفی میں جگہ دی گئی۔ بھوپال کی یہ مثال ہماری حکومت کے لیے کیا کم ہے اس کو چاہیئے کہ ہمارے یہاں فوجی بھرتی شروع کرے۔

اپنی مدافعت اور حلیف کی امداد کے لیے فوجی بھرتی کا مطالبہ

اس سلسلہ میں یہ سن کر افسوس ہوا کہ حکومت ہند نے آفریدیوں کے پیش کش کو ہمارے بعض ناعاقبت اندیش عہدیدار

حیدرآباد کی تاریخ میں دوسری مرتبہ مستعد کر دینا چاہتے ہیں اور یہ سوال بھی پیدا کر رہے ہیں کہ ان شیروں کو کون کنٹرول کر سکے گا جن میں وسوسے ہوں خود اعتمادی کا فقدان ہو۔ وہ حکومت کرنے کے قابل نہیں ہوتے۔ ان کا اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو ذمہ دارانہ مقام سے الگ کر لیں جن پر فائز ہیں۔ حیدرآباد نے عرب، سکھ اور افغان سپاہیوں کو کنٹرول کیا اگر ان آفریدیوں پر دوسری قوم کے لوگوں کو حاکم بنا دیا جائے گا تو بیشک ان کو قابو میں رکھنا ناممکن ہے۔ لیکن اگر انہیں کی قوم کے بعض وظیفہ یاب فوجی عہدیداروں کی خدمات حاصل کر کے ان کو ان پر حاکم بنا دیا جائے تو آپ دیکھیں گے کہ وہ کس طرح کنٹرول کر سکتے ہیں۔ ہماری حکومت کا قدیم دستور یہی رہا ہے کہ عربوں پر عرب جمعدار اور افغانوں پر افغان عہدیدار مقرر کیے جاتے تھے۔ میں حکومت سے مطالبہ کرتا ہوں کہ حکومت برطانیہ کے اس پیش کش کو بلا تاخیر قبول کر لے اور جس قدر ہو سکے اچھے سپاہی اپنی مدافعت اور حلیف کی امداد کے لیے فوج میں بھرتی کرے۔

آئندہ دستور ہند میں حیدرآباد کے مقام کا سوال

دوسری چیز ہندوستان کے مستقبل آئندہ دستور اور

اور اس کے اثرات و نتائج سے متعلق ہے یہ امر مسلّم ہے کہ وائسرائے اور سکریٹری آف اسٹیٹ فار انڈیا مسٹر ایمری کے بیانات جو ابھی ۱۴ر اگست کو شائع ہوئے اس میں ہندوستان کے لیے مقبوضاتی مرتبہ کو متعین کر دیا گیا ہے۔ اس یقین کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حیدرآباد کا مقام اس دستور میں کیا ہوگا۔ ڈومینین اسٹیٹس دینے کے یہ معنے ہوں گے کہ حکومت برطانیہ ہندوستان کو خود انفصالی حق دے رہی ہے۔ مدافعت مالیہ اور بیرونی تعلقات سے متعلق سارے اختیارات حاصل ہو جاتے ہیں اگر یہ حقوق ہندوستان کو حاصل ہو جائیں جیسا کہ دوسرے کالونیز کینیڈا، آسٹریلیا، آئرلینڈ اور جنوبی آفریقہ کو حاصل ہیں تو کیا تاج برطانیہ حیدرآباد کے معاہدات کی تکمیل کے قابل رہے گا اور کیا ان کی تکمیل نہ ہونے پر ان کی ضرورت رہے گی۔ اگر ضرورت نہ رہے تو ظاہر ہے کہ حیدرآباد اپنی ذمہ داریوں کو اپنے کاندھے پر لے لے گا۔ جو علاقہ جات فوج کی امداد و اعانت کے لیے مملکت آصفیہ نے دیئے تھے خود بخود ان کی واپسی کا حق پیدا ہو جائے گا۔ بہرحال مجلس حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ ایسی موثر کارروائی کرے کہ حیدرآباد کے اس حق کو نظر انداز نہ کیا جا سکے ہمارے حلیف برطانیہ کو چند علاقے بطور انعام اور جاگیر کے دیئے گئے

تھے۔ جب انگریز ہندوستان کو مقبوضاتی مرتبہ عطا کردیں گے اور ان عطایا سے استفادہ کے قابل نہ رہیں گے تو انھیں کوئی اختیار نہ ہوگا کہ حیدرآباد کے ان عطایا کو کسی اور کے حوالے کریں جب وہ لازمی طور پر معطلی کی طرف عود کریں گے۔

مطالبہ نہیں حق ہے

تیسرا علاقہ برار جو پٹہ پر ہے حکومت برطانیہ نے ایک معاہدہ کے ذریعہ حال میں اس پر حیدرآباد کی بادشاہت (ساورینٹی) کو تسلیم کرلیا ہے۔ موجودہ دستوری تبدیلیاں جب ہمارے اس پٹہ سے اس کو فائدہ کے قابل نہ رکھیں گی تو لازمی طور پر اس پٹہ کے معاہدہ کو ختم ہوجانا چاہیئے اور وہ علاقہ جات جو بطور پٹہ دیئے گئے تھے حیدرآباد کو واپس مل جانا چاہیئے۔ یہ مطالبہ نہیں بلکہ حق ہے اور یہ ایسے حقوق ہیں جن کو مجلس حکومت کے سامنے پیش کرنا اپنا فرض سمجھتی ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

مجلس جاگیرداران کی قرارداد

یہ ممکن ہے کہ بیرون ملک میں ہمارے مطالبات اور استحقاقات سے ناراض ہونے والے

بھی موجود ہوں جو ہمارے جائز حقوق کو حاصل ہوتا ہوا دیکھ کر جل جاتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگوں سے کبھی زمانہ خالی نہیں رہا۔ ان کا وجود ہمارے عزائم کو پست نہیں کر سکتا۔ دنیا میں ہمیشہ مخالفت ہی رفتار عمل کی ترقی اور حصول مقصد میں کامیابی کا باعث ثابت ہوئی ہے۔ مخالفت سے گھبرا جانے والے کا اس دنیا میں کوئی مقام نہیں لیکن یہ امر میرے لیے باعث اطمینان و مسرت ہے کہ ملک کے ہر گوشہ سے ہماری یادداشت کی تائید ہو رہی ہے مملکت کے سب سے زیادہ باوقار ذمہ دار طبقہ جاگیرداران کی نمائندہ مجلس نے ابھی حال میں ایک قرارداد منظور کی ہے جس کے استفہامی انداز میں وہ سب کچھ موجود ہے جو مجلس اتحاد المسلمین کی یادداشت میں ہے اس قرارداد کی شکل میں جو سوالات پیش کیے گئے ہیں اس کا جواب مجلس اتحاد المسلمین کی یادداشت ہے میں بحیثیت معتمد مجلس جاگیرداران نہیں بلکہ ایک شہری کہوں گا کہ مجلس جاگیرداران نے جن چیزوں کے صاف کرنے کا سوال کیا ہے اس کا یہ وقت نہیں ہے زمانہ جس تیز رفتاری سے چل رہا ہے اس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ مجلس جاگیرداران نشان زد کر کے صاف بتا دے کہ حیدرآباد کا یہ مقام ہے اور یہ مقام اس کو حاصل رہنا چاہیئے۔

آصف جاہ اول کی عماری کے گرد پروانہ وار کٹ مرنے والوں کی اولاد سوالات نہیں کیا کرتی بلکہ خدا نے اس کو وہ مقام بلند عطا کیا ہے کہ ملک کے مستقبل کو معین کرتی اور اس کو اپنے زور تدبر و قوت اثر سے حاصل کرتی ہے۔ مجلس جاگیرداران کے علاوہ مدراس جانے سے قبل بعض ایسے بیانات بھی نظر سے گزرے جو ملک کے بعض زعماء کی طرف سے شائع ہوئے ہیں اور جن سے بڑی حد تک مجلس کی یادداشت کی تائید ہوتی ہے۔

یہ امتحان عہد وفا ہے بھائیو! یہ امتحان عہد وفا ہے اپنے اپنے اداروں کی طرف سے غیر متزلزل وفاداری اور عقیدت کے طویل اور بلند بانگ رزولیوشن پاس کرنے والوں کی صداقت کی پرکھ کا وقت ہے جب کہ کھرا کھوٹا پرکھا جاتا ہے یہ وقت ہے کہ بلند آہنگ دعوؤں کی جانچ ہوتی ہے۔ اصلی اور نقلی دعویدار پہچانے جاتے ہیں۔ ان زعماء نے مجلس اتحاد المسلمین مملکت آصفیہ کے ان مطالبات سے اتفاق کیا ہے کہ ہندوستان کے آئندہ دستور میں حیدرآباد کی کامل آزادی اور اس کی معاشی ترقی کے امکانات کو متاثر نہ ہونا چاہیئے اس کا میں پُرجوش خیر مقدم کرتا ہوں اور ان کو قابل مبارک تصور کرتا ہوں

اگر اندرونی مسائل کو بالائے طاق رکھ کر اس سوال کو پیش کیے بغیر کہ حیدر آباد کا اندرونی دستور کیا ہوگا؟ کیا ہونا چاہیئے؟ جیسا کہ بیان کے آخری فقرہ سے ظاہر ہے۔ محض بیرونی تعلقات اور کامل خود مختاری کے مسئلہ میں کوئی مجھ سے ہاتھ ملانا چاہے تو میں اس کو اپنے ساتھ لینے میں کبھی دریغ نہ کروں گا۔

مجلس اتحاد المسلمین کا قدم ناقابل بازیافت ہے۔ مجلس اتحاد المسلمین نے جو سیاسات

کا ٹرننگ پوائنٹ (خود مختار وسیع تر اور آزاد حیدر آباد) پیش کیا ہے اس منزل تک پہنچانا بھی آپ کا فریضہ ہے لیکن اس کا انحصار تمام تر آپ کی تنظیم پر ہے۔ مجلس اتحاد المسلمین آپ کے بڑھے ہوئے قدموں کو پیچھے نہ ہٹائے گی۔ مجلس نے بار گین کیا ہے نہ کر رہی ہے اور نہ کرے گی مجلس کا قدم متعین ہوتا ہے اور ناقابل بازیافت یہی اصلاحات میں ہوا یہی حیدر آباد کے مستقبل کے تعین میں ہوگا لیکن اس کے قدم کے آگے بڑھنے کا انحصار آپ پر ہے۔ یہ گاڑی آپ کے بغیر نہیں چل سکے گی۔ جب تک پندرہ لاکھ مسلمانوں کی آواز مجلس کے ساتھ ہے اس وقت تک مجھے ہر طرح کی کامیابی کی امید ہے اور جب یہ معلوم ہوگا کہ ایک آواز بھی ساتھ دینے سے ہٹ گئی

ہے تو میں مشوش ہو جاؤں گا میں نے اب تک آپ کے نعروں اور تالیوں سے فائدہ اٹھایا ہے اب ایسا نہ ہوگا کیونکہ ۱۹۱۸ء کے ہتیار ۱۹۴۰ء میں ناکارہ ہو رہے ہیں۔ تمہارا موجودہ ہتیار مجلس اتحاد المسلمین کے رجسٹر میں باقاعدہ شرکت ہے۔

نماز سیاست کا بدل ہو سکتا ہے

میں ہر ایک کو مجلس کا رکن دیکھنا چاہتا ہوں اگر کوئی اس نماز سیاست کے ناقابل قرار دیا گیا ہے تو وہ اپنے بچے اور بیبیوں سے اس نماز کا بدل کرائے نماز عبادت کا بدل نہیں لیکن اس نماز سیاست کا بدل ہو سکتا ہے۔ دعا ہے کہ آپ کا یہ شاندار جلسہ کامیاب ثابت ہو آپ کے قدم میں ثبات، عزم میں استقلال اور زبان میں صداقت و بیباکی پیدا ہو۔ آمین

یوم حیدرآباد

یکم نومبر ۱۹۴۰ء کو یوم حیدرآباد کے موقع پر قائد ملت کی تقریر۔

آج کا دن ہندوستان کی تاریخ میں بے مثل اور قابل یادگار ہوگا کیونکہ نہ صرف حیدرآباد بلکہ ہندوستان کے طول و عرض میں آج یوم حیدرآباد منایا جارہا ہے۔ اس وقت جب کہ اللہ کے پرستاروں نے بارگاہ رب العزت میں سجدہ ریزیوں سے فراغت پائی ہے دعاؤں سے قلوب کو نرم اور جبینوں کو منور کرلیا ہے وہ حیدرآباد کی آزادی اور مستقبل کے استحکام کے لیے بے قرار ہیں۔ نوکروڑ اسلامیان ہند کی دعائیں ہمارے ساتھ ہیں اور ہماری حمایت میں اپنی آواز بلند کررہے ہیں۔

یوم حیدرآباد کا مقصد

یوم حیدرآباد کا مقصد یہ تھا کہ مجلس اتحاد المسلمین نے جو یادداشت ۲۶ رجمادی الثانی ۱۳۵۹ھ کو سر صدر اعظم بہادر کی

خدمت میں پیش کی ہے اس کی تائید ہندوستان کے گوشے گوشے سے ہو جائے۔ میں اس وقت یادداشت کی یاد کو اس لیے تازہ کرنا نہیں چاہتا کہ الحمد للہ ہر حیدرآبادی کو اس کا ایک ایک لفظ یاد ہے اور حیدرآباد کے مسلمانوں میں سیاسی بیداری پیدا ہو چکی ہے۔

پہلا مطالبہ جن دو امور کو مطالبہ کی صورت میں مجلس نے حکومت کے سامنے پیش کیا ہے ان میں سے پہلا مطالبہ یہ ہے کہ جنگ کی آگ نے جو یورپ سے بھڑکی اور ہندوستان سے قریب تر ہو رہی ہے ایسے حالات اور مواقع پیدا کیے ہیں کہ ملک کی حربی طاقت میں اضافہ کیا جائے یہ وقت نہیں ہے کہ ارباب حل و عقد اپنی موجودہ حالت پر قانع ہو جائیں۔ یہ امر بدیہی ہے کہ ہم برطانیہ کے حلیف ہیں حیدرآباد اعلیٰ حضرت بندگان عالی اور حکومت برطانیہ کے مابین معاہدات کی تکمیل نہ کر سکے گا۔ جب تک کہ وہ قوی آزاد اور خود مختار نہ ہو۔ اس کی چند ہزار کی فوج کو ہم اس قابل نہیں پاتے کہ اگر ہندوستان جنگ کے شعلوں میں لپٹ جائے تو وہ اپنے حلیف کی کما حقہ اعانت یا اپنی حفاظت کر سکے گی۔ اس لیے مجلس نے بجا طور پر

مطالبہ کیا ہے کہ فوج میں اضافہ کیا جائے ملک میں حکومت کی جانب سے بلا تاخیر بہ تعداد کثیر کارخانوں کا قیام عمل میں لایا جائے تاکہ جدید حربی ضروریات کے مطابق تملکتی افواج کے لیے آلاتِ حرب مہیا ہو سکیں۔

دوسرا مطالبہ دوسرا مطالبہ آلات کی تبدیلیوں سے متعلق ہے آپ نے وزیر ہند مسٹر ایمری کی تقریر وائسرائے بہادر کے اعلان اور حکومت برطانیہ کے مواعید کا مطالعہ کیا ہوگا جس میں جنگ کے بعد قریب ترعرصہ میں قانون وسٹ منسٹر کے بموجب ہندوستان کو مقبوضاتی مرتبہ عطا کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ میں اس وقت قانون وسٹ منسٹر کی تشریح یا مقبوضاتی مرتبہ کی وضاحت کے لیے نہیں کھڑا ہوں سب جانتے ہیں کہ ہندوستان کو مقبوضاتی مرتبہ ملنے کے بعد انگریزوں کی حکومت بدستور باقی نہ رہے گی بلکہ ہندوستان برطانوی دولت عامہ کے ایک آزاد رکن کی حیثیت سے اختیار کر لے گا۔ اگر یہ حقیقت ہے تو یہ معنی ہوں گے کہ اطراف و جوانب میں جو ملک پھیلا ہوا ہے انگریزوں کا نہیں بلکہ ہندوستانیوں کا ہوگا جب ہندوستان کی یہ صورت حال ہو تو انگریز براہ راست کارفرما نہ رہیں گے اور

نتیجتاً وہ معاہدات بھی جو ہم نے برطانیہ سے کیے تھے باقی نہ رہیں گے بلکہ خود بخود کالعدم ہو جائیں گے ایسی صورت میں مجلس اتحاد المسلمین کا یہ بجا مطالبہ ہے کہ ہماری حکومت حکومت برطانیہ سے گفت و شنید کرے اور اس کی ضمانت حاصل کرے کہ جس لمحہ ہندوستان کو مقبوضاتی مرتبہ حاصل ہو جائے۔ حیدرآباد کی آئینی سابقہ حیثیت عود کر آئے گی۔ اور مقبوضاتی حکومت کے ساتھ جدید معاہدات طے کرنے میں وہ بالکلیہ آزاد رہے گا جو علاقہ جات بوجوہ مختلف حکومت برطانیہ کے تفویض کیے گئے تھے وہ خود بخود مسترد متصور ہوں گے اور علاقہ برار بھی واپس ہو جائے گا جو پٹہ کی صورت میں انگریزوں کے حوالے کیا گیا تھا۔ بہرحال یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ انگریزوں کو یہ حق نہیں ہوگا کہ ہمارے مقبوضہ علاقوں کو دوسروں کے حوالہ کر سکیں۔

یہ مطالبہ چالیس کروڑ مسلمانوں کا ہے

آج ہم جس مقصد کے لیے جمع ہوئے ہیں اس کی تائید ہندوستان کے نو کروڑ مسلمان کر رہے ہیں تاکہ حکومت پر واضح ہو جائے کہ یہ مطالبہ صرف باشندگان دکن کا نہیں بلکہ نو کروڑ مسلمانوں کا ہے

اگر حالات جنگ نہ ہوتے تو میں اپنی آواز دوسرے اقطاع بلاد اسلامیہ میں بھی پہنچا دیتا ایران میں یوم حیدر آباد منایا جاتا، مصر میں منایا جاتا، حجاز میں منایا جاتا، ترکیہ میں منایا جاتا، الجزائر و مراقش میں میں منایا جاتا۔ حیدر آباد اس اسلامی جسد کا ایک عضو ہے جو شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک پھیلا ہوا ہے اس لیے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انگریز حیدر آباد سے جو معاملت کر رہے ہیں وہ صرف حکومت حیدر آباد ہی سے نہیں بلکہ دنیا کے چالیس کروڑ مسلمانوں سے کر رہے ہیں۔

مساجد کا انتخاب یوم حیدر آباد کے لیے مسجد کے انتخاب پر ممکن ہے آپ سوال کر بیٹھیں اس کا جواب دیتے ہوئے ان سے میرا خطاب نہیں جن کی ذہنیت کو کلیسا کے تصور نے مسخ کر دیا اور جو مساجد کو بھی صرف مناسک صلوٰۃ کی ادائی کا مقام تصور کرتے ہیں۔ جو لوگ مسجد کی اہمیت سے واقف ہیں ان پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مسجد صرف عبادت گاہ ہی نہیں بلکہ دینی و دنیوی امور کی تکمیل کی جو تدابیر سوچی جا سکتی ہیں وہ مسجد ہی کے صحن میں سوچی جا سکتی ہیں۔ اس سے بہتر مسلمانوں کا اور کوئی مرکز نہیں ہو سکتا کیونکہ مسلمان کی زندگی کا ہر فعل اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا حیات و ممات

صرف للہ رب العالمین ہوتا ہے اور اس کی جدوجہد کا منتہا اعلاء کلمۃ الحق کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

یادداشت کی تائید میں آوازیں

میں جانتا ہوں کہ تم میں سے ہر ایک کے قلب کی آواز مجلس کی یادداشت کے ساتھ ہے۔ ملک کے گوشے گوشے سے یادداشت کی تائید میں آوازیں اٹھیں مسلمانوں سے تخصیص نہیں بلکہ ہمارے غیر مسلم برادرانِ وطن نے بھی اس کی تائید کی لیکن انھوں نے ملک کے اندرونی دستور کی تبدیلی کی بھی شرط عائد کی ان کے لیڈر مسٹر گاندھی کے الفاظ میں ان سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ حیدرآباد کا مسئلہ اپنا گھر کا مسئلہ ہے کسی وقت بھی طے کیا جاسکتا ہے۔

آؤ! ہم متحدہ طور پر ان بیرونی مسائل کو طے کرلیں جن میں ہم اور آپ متفق ہیں۔ اس کے بعد پھر ہم مل کر طے کریں گے حیدرآباد کا اندرونی دستور کیا ہونا چاہیئے؟ میں بحیثیت صدر مجلس اتحادالمسلمین خوش اور ممنون ہوں۔ ان اداروں کا جنھوں نے یادداشت کی تائید کی خصوصاً میں طبقۂ جاگیرداران کا ممنون ہوں کہ اس نے بروقت اس اہم مسئلہ کی اہمیت کا احساس

کیا، نواب کمال یار جنگ بہادر کی ممتاز صدارت میں اب یہ طبقہ اپنے منصب کی ذمہ داریوں اور اپنے حقیقی فرائض کی باحسن الوجوہ تکمیل کر رہا ہے۔

یادداشت کے خلاف شرانگیز بیانات

مختلف طبقات نے دکن میں یا دکن سے باہر یادداشت کی بجا اور جائز تائید کی چند ایسی بھی آوازیں سنی گئیں جو ہمیشہ حق کے خلاف بلند ہو جایا کرتی ہیں۔ ہمارا شٹرا، آندھرا اور پنجاب کے اکثر لیڈروں نے شرانگیز بیانات شائع کیے ان میں میرے نزدیک قابل توجہ صرف دو مضامین ہیں ایک مسٹر گاندھی کا مضمون ہے جو ۱۳ اکتوبر ۱۹۴۰ء کے ہریجن میں شائع ہوا ہے اور دوسرا مسٹر پٹا بھی سیتا رامیا کے اخبار اسٹیٹس پیپلز کا مقالہ افتتاحیہ جو غالباً ان ہی کا لکھا ہوا ہے اور جو ۱۷ اکتوبر کی اشاعت میں سپرد قلم کیا گیا ہے۔ مسٹر گاندھی کا مضمون میرے لیے نیا نہ تھا۔ انھوں نے جس سوال کا ذکر کیا ہے اور جو جواب دیا ہے حالیہ ملاقات میں میں ان سے سن چکا ہوں جس کو ابھی ایک مہینہ بھی نہیں گزرا۔ اب ضروری سمجھتا ہوں کہ اس کی طرف آپ کی توجہ

منعطف کراؤں۔

مسٹر گاندھی کی زہر افشانی

مسٹر گاندھی الفاظ کے ہیر پھیر کے استاد ہیں الفاظ کے ذریعے سے ذہن کو بدلنا انھیں خوب آتا ہے یہ ان کی مسلمہ قابلیت ہے اور ان کی اس قابلیت کو میں بھی تسلیم کرتا ہوں۔ مسٹر گاندھی نے لکھا ہے جہاں تک کہ انگریزوں کا تعلق ہے میں انگریزوں کے مقابلہ میں حیدرآباد کے مطالبات کو درست سمجھتا ہوں اس کے ساتھ ہی دوسری سانس میں آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر اصول انصاف کا سوال ہے تو استرداد کی نسبت ان علاقہ جات کی رائے عامہ حاصل کرنی ضروری ہے اگر انصاف کا نام حق اور حق کا نام انصاف ہے تو مسٹر گاندھی سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا اصول انصاف حق کے سوا کچھ اور بھی ہو سکتے ہیں؟ یہ امر ظاہر ہے اور واضح ہے کہ حیدرآباد نے جتنے معاملات اپنے حلیف برطانیہ کے ساتھ ۱۷۵۶ء سے لے کر آج تک کیے شاہ حیدرآباد کی حیثیت نمائندہ عوام (PEOPLES REPRESENTATIVO) کی نہیں تھی۔ نظام حیدرآباد نے جو معاہدہ کیا اس خاندانی اور استحقاقی بناء پر کیا جو فطرتاً حیثیت

بادشاہ ان کو حاصل تھا اور اس وقت سے آج تک (HYDERABAD IS NIZAM AND NIZAM IS HYDERABAD) کا مقولہ علی التواتر رائج ہے۔ نظام سے ہٹ کر حیدرآباد کی کوئی حیثیت نہیں جب شمالی سرکار کے علاقے تفویض کیے جا رہے تھے تو کیا اس وقت بھی استصواب عامہ کا سوال پیدا ہوا تھا؟ کیا اس وقت مسٹر گاندھی جو ممکن ہے بہ اعتقاد خود کسی اور جنم میں ہوں مفوضہ علاقہ جات کے باشندوں کو یہ مشورہ دے رہے تھے؟ مسٹر گاندھی کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ معاہدہ نظام حیدرآباد اور حکومت برطانیہ کے مابین ہے اور تیسرے کو مداخلت بیجا کا کوئی حق حاصل نہیں وہاں کے باشندے جو دستوری تبدیلیاں ہوئیں یا ان کو جو اختیارات حاصل ہوئے اس کے سلسلہ میں موجودہ پوزیشن کے برقرار رکھنے کا مطالبہ کر سکتے ہیں یہ مسئلہ رعایا اور راجی کے درمیان کا ہے جو بہ آسانی طے کیا جا سکتا ہے۔ جب معاہدات برطانیہ کے مابین طے ہو جائیں اور علاقے واپس ہوں تو وہاں کی رعایا بحیثیت رعایا کے اپنے راجی کی خدمت میں حقوق کا مطالبہ کر سکتی ہے جیسا کہ آج حیدرآباد کی رعایا کر رہی ہے اور نظام حیدرآباد ان مطالبات پر غور کر سکیں گے۔ مسٹر گاندھی اپنے اس

مضمون میں خاموش لوگوں کو چھیڑ کے دے کر ابھارنا چاہتے ہیں کہ تمھاری رائے کو ان علاقوں کی منتقلی میں بڑا دخل ہے۔ تلاش حق کے دعویدار کو یہ نازیبا طرز عمل زیب نہیں دیتا۔ مسٹر گاندھی نے اپنے مضمون میں ہندوستان کے مستقبل کا نقشہ کھینچ کر یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ ہندوستان کا مستقبل کیا ہوگا؟ ہندوستان کو عدم تشدد کے ذریعہ آزادی حاصل ہو تو وہ کہتے ہیں کہ سارے علاقہ جات کا ایک نمائندہ منتخب شدہ مرکز ہوگا اور تمام علاقہ جات بہ رضامندی اس کے تابع ہوں گے۔ یہ سوال کرتے ہوئے کہ اس ہندوستان میں رود سار کا کیا مقام ہوگا؟ انھوں نے حیدرآباد کی عظیم الشان سلطنت کو بھی دوسری چھوٹی ریاستوں کے ساتھ شامل کر کے اعلیٰ حضرت کو رعایا کے منتخب کردہ نمائندہ کی حیثیت دی ہے۔

اعلیٰ حضرت بحیثیت خادم قوم وملت

اعلیٰ حضرت بندگان عالی کے خادم قوم وملت ہونے سے نہ مجھے انکار ہے نہ خود اعلیٰ حضرت جلالت الملک کو! جامعہ عثمانیہ میں شعبۂ فنون کی عمارت کے افتتاح کے وقت جب آپ کی شبیہہ مبارک پیش کی گئی تو اعلیٰ حضرت بندگان عالی نے اس پر "خادم قوم وملت" تحریر فرمایا تھا۔ بادشاہ

کی نسبت مسٹر گاندھی کے ہم مذہبوں کا تصور پرماتما کے اوتار ہونے کا ہے لیکن مسلمانوں نے بادشاہوں کو کبھی خادم قوم وملت سے زیادہ نہیں سمجھا اگر انھوں نے بڑھایا اور بہت بڑھایا تو ظل اللہ بنا کر چھوڑ دیا۔ اگر آج مسجدیں بادشاہ ہوتے تو دیکھتے کہ تمھارے ساتھ ان کی بھی پیشانی جھکتی معلوم ہونا چاہیئے کہ اسلام نے محمود و ایاز کے امتیاز کو باقی نہ رکھا۔

مسٹر گاندھی آگاہ ہو جائیں کہ اعلیٰ حضرت آج بھی خادم ہیں اور خادم رہیں گے۔ لیکن منتخب کردہ کٹ پتلی خادم نہیں جس کو کان پکڑ کر اتارا جا سکتا اور ہاتھ پکڑ کر بٹھایا جا سکتا ہے جس کو چاہا شادی کے مسئلہ میں کان پکڑ کر ہٹا دیا اور جس کو چاہا منگنی کے موقع پر بٹھا دیا۔ اعلیٰ حضرت کو مسلمان ایسا خادم کبھی نہ ہونے دیں گے اور مسٹر گاندھی کی یہ امیدیں قیامت تک بھی پوری نہ ہوں گی۔

اعلیٰ حضرت بندگان عالی مسلمانوں کے اقتدار کا مظہر ہیں مسلمان ان کے اعمال و افعال کو اسلامی تصور خلافت و امارت کے معیار سے ہٹنے نہ دیں گے جو ایک خادم ملک وملت کا صحیح و بلند ترین مقام ہے لیکن ان کو اس مقام تک اترنے بھی نہیں دیں گے جو مسٹر گاندھی کا تصور بادشاہت ہے۔ مسٹر گاندھی نے ہندوستان کے

مستقبل کا دوسرا نقشہ تشدد سے حاصل کردہ آزادی کی صورت میں پیش کیا ہے اور وہ اس کو "نراج" (انارکی) سے تعبیر کرتے ہیں جس میں نظام تخت دہلی پر جلوہ فرما ہو کر پورے ہندوستان پر حکومت کر رہے ہوں وہ اس نراج کو بیرونی حکومت کے مقابلہ میں بدرجہا بہتر سمجھتے ہیں لیکن اپنی نسبت یہ طے کرتے ہیں کہ اس "نراج" کو دیکھنے کی بجائے وہ مرجانا یا جمہوری حکومت حاصل کرنا بہتر سمجھیں گے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ ایک سے زیادہ مرتبہ مرنے کا ارادہ کر چکے ہیں اور جب کبھی انھوں نے ارادہ کیا مجھے ان کی موت کے خیال سے تکلیف بھی ہوئی ہے لیکن چونکہ ان کا ارادہ فی الحقیقت مرنا نہیں ہوتا اس لیے وہ نہیں مرتے لیکن جس صورت کو انھوں نے پیش کیا اس میں قرآن کا ایک ہی جواب ہے جو میں بہ مجبوری ان کو دے سکتا ہوں۔ موتوا بغیظکم۔

ڈاکٹر پٹابھی سیتارامیا کا صریح مغالطہ

ڈاکٹر پٹابھی سیتارامیا نے اپنے مقالہ میں دو تین نئی چیزوں کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا جواب ضروری ہے تاریخ کے متعلمین کی آنکھوں میں خاک جھونک کر انھوں نے یہ بیان کیا ہے کہ شروع

سرکار کے جو علاقہ جات انگریزوں کو تفویض کیے گئے ان کا مطالبہ استرداد اس لیے حق بجانب نہیں ہے کہ ۱۷۶۳ء میں اس کی سند انگریزوں نے شہنشاہ مغلیہ سے حاصل کی تھی یہ بیان ایک الجھن میں ڈال دیتا ہے۔ تاریخ کے پڑھنے والوں کو آگاہ کر دیتا ہوں کہ یہ بیان صریح مغالطہ ہے۔

حضرت آصف جاہ کا تدبر

آصف جاہ اول نے اپنی دور رس نگاہوں سے سیاست ہند کا جائزہ لے کر دیکھا کہ مغلیہ سلطنت کے تاجدار اس قابل نہیں رہے ہیں وہ اکبر و عالمگیر کی وراثت و امانت کی کما حقہ حفاظت کر سکیں وہ دیکھ رہے تھے کہ ایک طرف شمال سے نادر شاہی حملوں نے ہندوستان کی جڑیں ہلا دی ہیں۔ دوسری طرف جنوب سے اٹھا ہوا مرہٹوں کا طوفان دلی سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے تیسری طرف بنگال اور بہار کی صوبہ داریاں آہستہ آہستہ انگریزوں کی طرف منتقل ہوتی جا رہی ہیں۔ اس قیامت کبریٰ میں سارے ہندوستان کو فنا ہوتا ہوا دیکھ کر ان کے تدبر نے دکن کے اس عظیم الشان علاقہ کو جو اس وقت تقریباً دو لاکھ مربع میل پر پھیلا ہوا تھا۔ مرکز کے کمزور ہاتھوں سے الگ کر کے محفوظ کر لینا ضروری تصور کیا اور وہ تاریخی اعلان خود مختاری

کرنے یا جس کی یادگار ہم ہر سال ۲۹ رجب کو مناتے ہیں۔

معاہدات کے سلسلہ کی سب سے پہلی کڑی اس کے بعد سلاطین دہلی کو دکن کے کسی

علاقہ کی عطا کا کوئی حق باقی نہ رہا تھا یہی وجہ ہے کہ جب انگریزوں نے ۱۷۶۵ء میں شمالی سرکار کی سند راست شہنشاہ دہلی سے حاصل کی (نہ کہ ۱۷۶۳ء میں جیسا کہ ڈاکٹر پٹابھی نے کہا ہے) تو نواب نظام علی خاں نے نہ صرف شمالی سرکار پر حملہ کیا بلکہ انگریزوں کے حلیف نواب محمد علیخاں والیٔ کرناٹک پر دباؤ ڈالا جس کے بعد انگریزوں کے لیے اس کے سوا کوئی مفر نہ تھا کہ ان علاقہ جات کی سند اس کے جائز مالک سے حاصل کریں جس کے حقوق ملکیت کو انھوں نے دو سال قبل معاہدہ پیرس میں خود تسلیم کیا تھا۔ چنانچہ ۱۷۶۶ء کا وہ سب سے پہلا معاہدہ عمل میں آیا جو حکومت برطانیہ اور دولت آصفیہ کے درمیان معاہدات کے سلسلہ کی سب سے پہلی کڑی ہے ان تاریخی حقائق کی روشنی میں کون متعلم تاریخ ہے جو ہندوستان کو مقبوضاتی مرتبہ دیئے جانے کی صورت میں نواب نظام علی خاں کے جائز جانشین اعلیٰ حضرت خسرو دکن کے سوا کسی اور کو شمالی سرکار کا وارث قرار دے سکتا ہے۔

حیدرآباد کسی اور علاقہ سے پیچھے نہیں ہے:۔ اسٹیٹس پیپلز کے

اس افتتاحیہ میں حیدرآباد کے موجودہ دور کو قرون وسطیٰ کا دور ظاہر کیا گیا ہے جہاں شہری آزادی کا فقدان ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسٹیٹس پیپلز کانفرنس کے سابقہ اور حالیہ ہر ایک صدر کا ذہن ہمیشہ قرون وسطیٰ کے تصور سے معمور رہتا ہے اور وہ اپنی اس ذہنی دنیا سے باہر آنا ہی نہیں چاہتے۔ جن شہری آزادیوں کے حیدرآباد میں فقدان کا وہ ماتم کرتے ہیں کیا اپنے آپ کو ان سے محروم دیکھ کر بھی ان کو حیدرآباد کے خلاف آواز بلند کرنے سے احتراز کی توفیق نہیں ہوئی؟ کیا آج ونوبا بہاوے سے متعلق ہندوستان کا کوئی اخبار یہاں تک کہ مسٹر گاندھی جی کا ہریجن اور مسٹر پٹابھی کا اسٹیٹس پیپلز ایک لفظ بھی کہنے کی جراءت کرتے ہیں اور اگر دنیا کی کوئی متمدن سے متمدن حکومت اپنے خلاف بغاوت کے طوفان کو برداشت نہیں کرسکتی تو حیدرآباد پر اعتراض کرنے کی کس کو جراءت ہوسکتی ہے؟ میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ حیدرآباد اپنی بہت سی کوتاہیوں کے باوجود جن سے کوئی حکومت خالی نہیں ہے زمانہ کا ساتھ دینے اور ترقی پسند رجحانات کو قبول کرنے میں ہندوستان کے کسی اور علاقے سے پیچھے نہیں ہے۔

مسلمانوں کا بے نظیر موقف

ڈاکٹر پٹابھی نے جہاں مجھے اپنے

سب وستم کا ہدف بنایا وہاں قائد اعظم ملّت اسلامیہ ہندیہ مسٹر محمد علی جناح کے اس پیام پر بھی اعتراضات کیے ہیں جو مجالس اتحاد المسلمین حلقہ (ب) کی کانفرنس میں انھوں نے بھیجا تھا۔ ان کی سمجھ میں دکن میں مسلمانوں کا وہ بے نظیر موقف نہیں آتا جس کی حفاظت و بقاء کی تلقین قائد اعظم نے اپنے پیام میں کی ہے۔ میں مسلمانوں کے اس بے نظیر موقف کو اتحاد المسلمین کے پلیٹ فارم سے بارہا واضح کر چکا ہوں اس لیے ڈاکٹر پٹا بھی کو صرف اتنا جواب دینا کافی تصوّر کرتا ہوں کہ شپرۂ چشم اگر دن کے وقت بھی نہ دیکھ سکے تو چشمۂ آفتاب پر کوئی گناہ نہیں۔

توضیح یادداشت

ہم انگریزوں کے آزاد دوست اور حلیف ہیں

حیدرآباد ۱۱ر جنوری ۱۹۴۱ء یادداشت مملکتی مجلس اتحادالمسلمین کی توضیح میں آج شام کے تین بجے سے قمر باغ میں قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر نے اہم تقریر فرمائی قمر باغ کا وسیع میدان اور شہ نشین شرکاء سے معمور تھا قائد ملت نے دو گھنٹے تقریر فرمائی۔

حضرات! مجلس اتحادالمسلمین مملکت اسلامیہ آصفیہ کی یادداشت حکومت کے پاس پیش ہونے کی وجہ سے آج تک اس موضوع پر ایک سے زیادہ مرتبہ میں آپ کو مخاطب کر چکا ہوں لیکن محمل جب گراں ہوتا ہے اور ناقہ کی رفتار تیز کرنی ہوتی ہے تو حدی

کو بار بار اور تیز تر پڑھنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

میری ڈھائی ماہ کی خاموشی کے بعد مجلس اتحاد المسلمین نے محسوس کیا کہ ایک مرتبہ پھر ان مطالبات کی تشریح کی جائے۔ حیدرآباد کے رہنے والے خصوصاً مسلمانان دکن ذہن نشین کرلیں مجلس اتحاد المسلمین کی پوری طاقت اور تمام تر قوت آپ ہیں۔ مسئلہ سے آپ کا واقف ہونا مجلس کے مطالبات کی کامیابی کی ضمانت ہے۔

منٹو مارلے اصلاحات جن کی نظر گذشتہ چند سال کے سیاسی انقلابات پر ہے۔

جو اخبار کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں میری مخاطبت ان کی یاد کو تازہ کرنے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ اور جن لوگوں نے ان واقعات کا مطالعہ نہیں کیا ہے میں ان کے سامنے چند حقائق کو زندہ کرنا چاہتا ہوں۔

آپ کو معلوم ہے کہ ہندوستان میں آزادی کی کشمکش گزشتہ ۵۰-۵۵ سال سے جاری ہے۔ جس نے گذشتہ جنگ کے بعد زیادہ شدت اختیار کرلی۔ باشندگان ہند اصرار کرتے رہے کہ ان کو اپنے ملک پر حکومت کا حق ملنا چاہیئے۔ منٹو مارلے اصلاحات سے لے کر ۱۹۳۵ء کے قانون حکومت ہند تک تدریجی طور پر ہندوستان آزادی کی

منزلیں طے کرتا رہا۔ گذشتہ چالیس سال کا کوئی عشرہ ایسا نہیں گزرا جس نے اس کے راستہ کی ایک منزل کو کم نہ کیا ہو۔

گول میز کانفرنس

۱۹۱۸ء کے بعد مطالبہ آزادی زیادہ شدید ہوا تو حکومت گول میز کانفرنس کے انعقاد پر آمادہ ہوئی جس نے ہندوستان کا آخری دستور مدون کیا۔ مرکزی مقننہ میں جو منتخب ارکان کا اضافہ مانٹیگو چیمسفورڈ اسکیم میں ہوا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر کامل ذمہ دارانہ حکومت کی شکل اختیار کی حکومت ہند کے صوبوں کو اپنی اپنی جگہ حکومت خود اختیاری دی گئی۔ ہر ایک صوبہ وحدت قرار پایا اور ساری وحدتوں کو ایک نقطہ پر مرتکز کرنے کے لیے وفاقی مقننہ کی تجویز سوچی گئی جس سے آپ سب واقف ہیں۔

۳۶-۱۹۳۷ء میں صوبہ داری انتخابات ہوئے ہندوستان کے سارے صوبوں میں ۱۹۳۵ء کے قانون کے مطابق خود مختار حکومتیں قائم کی گئیں۔ دو سال کا عرصہ نہ ہوا تھا کہ موجودہ جنگ چھڑ گئی جس کا ہندوستان پر موثر ہونا لازمی تھا اور یہ دوسرے ممالک کے لیے خطرہ بن گئی یکے بعد دیگرے دنیا کے مختلف ممالک

شریک ہوتے جارہے ہیں اور اس جنگ نے یورپ سے آگے بڑھ کر افریقہ کے شمال و مشرق کو بھی متاثر کر دیا ہے۔

فرانس کی شکست اور برطانیہ کے عزائم

جنگ کی ابتداء فرانس انگلستان اور جرمنی سے ہوئی۔ فرانس نے شکست کھائی اور انگلستان اپنے ایک بہترین حلیف سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ صرف حلیف ہی نہیں گیا بلکہ قریب کے چھوٹے چھوٹے ممالک جو انگلستان کے لیے فصیل کی حیثیت رکھتے تھے دشمن کے قبضہ میں چلے گئے۔ ڈنمارک، بلجیم اور ہالینڈ لقمۂ نازی ازم ہو گئے۔

اٹلی کی جنگ میں شرکت سے بحر متوسط اور افریقہ کے شمالی حصوں میں جنگ جاری ہے، اٹلی کے یونان پر حملہ نے البانیہ کو میدان جنگ بنا دیا امریکہ نے انگلستان کی مدد پر اکتفا کی۔ کوئی تعجب نہیں روزولٹ کسی موقع کے متلاشی ہوں اور میدان میں آجائیں روس و جاپان کا آئندہ کیا رویہ ہوگا، اور جنگ کی آگ کا آئندہ رخ کیا ہوگا؟ نہیں کہا جا سکتا۔

ہندوستان پر جنگ کے اثرات

اس جنگ کے ہندوستان

پر یہ اثرات پڑے کہ جیسے ہی جنگ چھڑی ہندوستان برطانوی دولت عامہ کے ایک رکن کی حیثیت سے جنگ میں داخل کر دیا گیا۔ کانگریس نے اس پر احتجاج کرتے ہوئے صوبہ داری وزارتوں سے استعفا دے دیا۔ گورنروں نے صوبہ داری حکومتوں کی زمام راست اپنے ہاتھوں میں لی اور حکومت ہند نے دستور کے وفاقی حصہ کو جنگ کی وجہ سے ملتوی کر دیا اور آج ہم ہندوستان کی سیاست میں ایک عالم تعطل سے گذر رہے ہیں کانگریس کی طرف سے سارے ہندوستان میں آزادی کاملہ کے لیے کشمکش شروع ہوئی لیکن آخر میں آزادی کاملہ کا دعویٰ صرف آزدی تقریر کے مطالبہ پر منحصر ہو کر رہ گیا دوسری طرف مسلم لیگ نے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ اور ایک جداگانہ قومی وطن کی تحریک شروع کی جس نے وہ صورت حال اختیار کی جس کو آپ ملک میں اس وقت پا رہے ہیں۔

مقبوضاتی درجہ کا وعدہ

ان مطالبات کی شدت کو کم کرنے کے لیے حکومت ہند کی مواعید کا سلسلہ شروع ہوا اور حکومت نے وعدہ کیا کہ جنگ کے بعد جلد سے جلد ہندوستان کو قانون ویسٹ منسٹر کے مطابق مقبوضاتی درجہ عطا کیا جائے گا اور اس کی وضاحت وزیر ہند نے

اس طرح کی کہ یہ مرتبہ دنیا کی کسی آزادی سے کم نہیں ہے جیسے ہی جنگ ختم ہوگی وزیر ہند کے الفاظ میں کہ "جلد سے جلد ممکنہ عجلت کے ساتھ قانون ویسٹ منسٹر کے مطابق ہندوستانی کو مقبوضاتی درجہ دے دیا جائے گا" قانون ویسٹ منسٹر کے مطابق مقبوضاتی درجہ کیا ہوتا ہے؟ میں بلا اختصار اس کو بیان کروں گا جب یہ درجہ کسی ملک کو حاصل ہوتا ہے تو وہ برطانوی دولت عامہ کے خاندان ممالک کا ایک فرد ہونے کے باوجود اپنے اندرونی و بیرونی معاملات میں آزاد و کامل ہوتا ہے۔ گو ہر آبادی میں ایک گورنر جنرل ہوتا ہے لیکن اس کا منصب اس سے زیادہ کچھ اور نہیں ہوتا کہ دونوں ممالک کے تعلقات کو زیادہ مستحکم اور خوشگوار بنائے۔

ہندوستان آزاد اور خود مختار رکن رہے گا

ان کی آزادی کی ایک بہترین مثال جنوبی افریقہ ہے جو جنگ میں ہرگز شامل نہ ہوتا اگر جنرل اسمٹس کو چند آراء سے کامیابی حاصل نہ ہوتی۔ آئرلینڈ کو آپ دیکھ رہے ہیں کہ انگلستان کے بغل میں اور اس سے برائے نام جدا ہونے کے باوجود آج تک غیر جانبدار رہے اور حکومت برطانیہ کی انتہائی کوشش

بھی ڈی ولیرا کے عزم غیر جانبداری کو متزلزل نہ کر سکی۔ اس سے آپ کو مقبوضاتی مرتبہ رکھنے والے علاقہ کا اندازہ ہوگیا۔ ہندوستان کو اسی طرح مقبوضاتی مرتبہ دیئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ ہندوستان برطانوی دولت عامہ کا ایک آزاد اور خود مختار رکن رہے گا جس کو اپنے اندرونی اور بیرونی مالیاتی اور مدافعاتی مسائل پر کامل اقتدار حاصل ہوگا جیسے آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، کینڈا، آئرلینڈ اور جنوبی آفریقہ ہیں۔

مجلس اتحاد المسلمین کا سیاسی کلمہ

حضرات! جنگ اور اس کے ہندوستان پر مرتب ہونے والے اثرات کو تھوڑی دیر کے لیے اسی مقام پر چھوڑ کر میں چاہتا ہوں کہ آپ مجلس اتحاد المسلمین کے مسلک اور اس کے پیدا ہونے والے لازمی نتائج کو میرے ساتھ سمجھنے کی کوشش کریں۔ مجلس نے اپنے مسلک میں اس امر کی وضاحت کر دی کہ شاہ دکن اعلیٰ حضرت بندگان عالی کا تخت و تاج مسلمانانِ دکن کے تمدنی و سیاسی اقتدار کا مظہر ہے ایک سے زیادہ مرتبہ میں اس کی وضاحت کر چکا ہوں اور آپ میں سے کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جس نے مجلس کے اس سیاسی کلمہ

کو اپنے قلب و دماغ کی پوری صداقت کے ساتھ پڑھا اور تسلیم نہ کیا ہو۔
میں اس کلمہ سیاسی کو ایک مرتبہ پھر پڑھتا ہوں کہ:۔

"ہم دکن کے بادشاہ ہیں۔ اعلیٰ حضرت بندگان عالی کا تخت و تاج ہمارے سیاسی اور تمدنی اقتدار کا مظہر ہے اعلیٰ حضرت ہماری بادشاہت کی روح ہیں اور ہم اُن کی بادشاہت کا جسم، اگر وہ نہیں تو ہم نہیں، اور ہم نہیں تو وہ نہیں"۔

بصیرت کے اندھوں سے مخاطبہ

جب یہ امر متعین ہو چکا کہ اعلیٰ حضرت بندگان عالی کا تخت و تاج ہمارے سیاسی و تمدنی اقتدار کا مظہر ہے تو ہم اس تخت و تاج پر جتنی کیفیات تاریخ کے مختلف ادوار میں گذریں گی ان سے بے خبر اور بے تعلق نہیں رہ سکتے یہی وجہ ہے کہ جب بعض اندرونی فتنے کھڑے ہوئے اور انھوں نے تخت و تاج شاہی کے اقتدار کو نقصان پہنچانا چاہا تو مجلس نے اپنی پوری قوت سے مدافعت کی اور آج ان حالات پر غور کر رہی ہے جو زمانہ کے امتداد اور مشیران مملکت کی نرم حکمت عملی کی وجہ سے پیدا ہو گئے ہیں

اور آئندہ بھی حالات کی تبدیلی سے جو واقعات پیدا ہوں گے وہ خود بخود بغیر کسی ادارے کے مجلس سے متعلق ہوتے جائیں گے۔ مجھے آج جب کہ یہ مسلک بالاتفاق و بلا اختلاف مسلمانانِ دکن کے نزدیک مسلّم ہو چکا ہے۔ بعض گوشوں سے یہ آواز سن کر تعجب ہوتا ہے کہ "بہادر خاں" اور اس کی مجلس اقتدار شاہی کو اعلیٰ حضرت سے مسلمانوں کی طرف منتقل کرنا چاہتی ہے اور اس طرح اعلیٰ حضرت کی بے اختیاری کو بڑھانا چاہتی ہے۔ میں ان بصیرت کے اندھوں اور عقل کے کوڑوں سے تخاطب کی ہرگز ضرورت نہیں سمجھتا اگر اس غلط پروپگنڈے نے وسعت اختیار نہ کرلی ہوتی ان کو سمجھنا چاہیے کہ مسلمانانِ دکن اعلیٰ حضرت کے اقتدار کامل کو اپنی حیات سیاسی کے لیے بمنزلۂ روح تصور کرتے ہیں۔ اس کا گھٹانا یا منتقل کرنا ایک ایسا گناہ سیاسی ہے جس کی سزا غیروں کی غلامی کے جہنم کے سوا اور کچھ اور نہیں ہو سکتی مجلس کے اس مسلک نے تو اعلیٰ حضرت کے اقتدارات شاہی کے اطراف پندرہ لاکھ مضبوط اور باعزم انسانی اجسام کی ایک مربوط و متصل فصیل کھڑی کردی ہے جو اندر و باہر سے آنے والی ہر مصیبت کو برداشت کرنے اور بندگانِ اقدس کے اقتدار شاہی کو ان سے محفوظ رکھنے ہ

کام دے گی اس نظریہ نے ہر مسلمان میں سلطنت اسلامیہ آصفیہ کے تحفظ کا جذبۂ بے پایاں پیدا کیا۔ اور اس راستہ میں فنا ہونے کی تڑپ پیدا کی اور یہی نظریہ آئندہ بھی خانوادہ آصفی کے اقتدار شاہی کی بقاء کا ضامن ہوگا۔

آصفی سلطنت کے انگریزوں سے تعلقات

دکن کی چھ سو سالہ تاریخ کی آپ کو بارہا سیر کرا چکا ہوں آج اس کا صرف ایک باب کھولنا چاہتا ہوں، خلجیوں کے داخلے سے بحث نہیں غوریوں کی سلطنت سے تعلق نہیں بہمنیوں کا عظمت و جلال بھی دکھانا مقصود نہیں اور یہ بھی نہیں چاہتا کہ سلطنت بہمنہ کے اجزائے خمسہ سے بحث کروں، مجھے صرف آصفی سلطنت کے انگریزوں سے تعلقات پر ایک سرسری نظر ڈالنی ہے ان تعلقات کی ابتداء حضرت آصف جاہ اول ہی کے عہد سے ہوتی ہے جب کہ ان کا وفد فریادی کی صورت میں دربار آصفی میں حاضر ہوا تھا اور شکایت یہ تھی کہ فرانسیسیوں نے مدراس ان سے چھین لیا لیکن کرناٹک کے آصفی گورنر نے ان کی کوئی مدد نہیں کی ان کی کوئی فریاد نہ سنی گئی صوبہ دار کرناٹک کو

احکام خاص دیئے گئے اور اس طرح حیدرآباد نے پہلی مرتبہ انگریزوں کی مدد کی یہ امداد اس وقت ہی نہ دی گئی بلکہ میں آگے چل کر آپ کو سناؤں گا کہ حیدرآباد نے انگریزوں کی جتنی مدد کی اتنی ان کے کسی اور حلیف نے نہیں کی یہ تعلقات بڑھنے لگتے ہیں اور اس کو ناصر جنگ و مظفر جنگ کی خانہ جنگیوں سے تقویت پہنچتی ہے کہ فرانسیسیوں نے ایک اور انگریزوں نے دوسرے فریق کا ساتھ دیا تھا نظام علی خاں کے عہد میں انگریزوں کی دوستی زیادہ استوار ہوئی اور شمالی سرکار کے اضلاع فرانسیسیوں سے چھین کر انگریزوں کی جاگیر میں دے دیئے گئے اس موقع پر انگریزوں نے ایک سیاسی چال چلی جس سے آج ہمارے مخالف فائدہ اٹھا رہے ہیں میں اس کا مختصر الفاظ میں تذکرہ کر دینا ضروری تصور کرتا ہوں وہ یہ کہ نظام علی خاں کی بے خبری میں انھوں نے اپنے سفراء کے ذریعہ شمالی سرکار کی سند شاہانِ مغلیہ راست حاصل کر لی حالانکہ وہ جانتے تھے آصف جاہ اول نے دہلی کی مغلیہ سلطنت کو کمزور ہوتا ہوا دیکھ کر اپنی زندگی ہی میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا۔

انگریز حیدرآباد کے اچھے حلیف ہو سکتے ہیں

آصف جاہ ثانی نواب

نظام علی خاں بہادر اس کو کبھی برداشت نہیں کر سکتے تھے انھوں نے فوج کشی کی تیاری کر لی اور انگریزوں کو دربار آصفی میں حاضر ہو کر جدید سند حاصل کرنا پڑی۔ اس حقیقت کی موجودگی میں ڈاکٹر پٹا بھی سیتا رامیا جیسے لوگوں کا یہ اعتراض کہ شمالی سرکار حکومت آصفیہ کا عطیہ نہیں ہے کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا شمالی سرکار کے سلسلہ میں ایک اور بات پر زور دیا جاتا رہا کہ حکومت آصفیہ نے اپنا حق مالکانہ جو نو لاکھ روپیہ سالانہ از روئے اسناد طے ہوا تھا وہ انگریزوں کو معاف کر دیا اس لیے اب سرکار آصفیہ کو ان علاقہ جات پر کوئی استحقاق باز یافت باقی نہ رہا میں اس کا نہایت مختصر جواب تاریخی تفصیلات میں گئے بغیر یہ طے دے سکتا ہوں کہ معترضین کا یہ جواب حیدر آباد کے جاگیرداری سسٹم سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے حیدر آباد میں آئے دن یہ ہوتا رہتا ہے کہ بعض جاگیرات پر حق مالکانہ پہلے سے نہیں ہوتا اور وہ قائم کر دیئے جاتے ہیں اور بعض جاگیرات پر حق مالکانہ پہلے سے ہوتا ہے اور بعد میں بہ الطاف شاہانہ کم یا معاف کر دیا جاتا ہے۔ خود میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہے ایسی صورت میں حق مالکانہ کی معافی کو مقبوضات سے ملکیت کی دستبرداری کہنا حقیقت سے انکار ہے جو کسی کے

ہرگز یک قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

حیدر آباد کی انگریز دوستی کا ثبوت

اس کے بعد انگریزوں سے دولت آصفیہ کے تعلقات دن بہ دن ترقی کرتے گئے فرانسیسیوں کو جو انگریزوں کے انتہائی مخالف تھے اور جن کو حیدر آباد میں خاصہ رسوخ حاصل ہو چکا تھا ملک سے نکال دیا گیا۔ حیدر آباد کا فوجی نظام انگریزوں کے تفویض کیا گیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نازک وقت میں جب کہ شہید ملت سلطان ٹیپو رحمۃ اللہ ہندوستان میں آزادی وطن کے لیے آخری کشمکش کر رہے تھے اور انگریزوں کی کشتی حیات ساحل مدراس کے پاس ڈگمگا رہی تھی حیدر آباد نے ہم وطنی و ہم مذہبی کے سارے پاس و لحاظ کو بر طرف رکھ کر اپنے انگریز حلیف کی امداد کی یہ واقعہ آج بھی تاریخ ہندوستان کے حیدر آبادی طالب علم کی گردن کو شرم سے جھکا دیتا ہے لیکن حیدر آباد کی انگریز دوستی کا ایک ایسا ثبوت ہے جس سے کوئی انگریز انکار نہیں کر سکتا انگریزوں پر ہمارا اعتماد دن بہ دن بڑھتا گیا چاہے اس کی وجہ انگریزوں کی صداقت و خلوص رہا ہو، چاہے اس زمانہ کے وزراء دکن کی خود شناسی

اور نا عاقبت بینی اس کی وجہ رہی ہو، بہر حال حیدر آباد اور انگریزوں سے قریب تر ہو گیا۔ سلطنت سرنگا پٹنم کے حیدر آبادی حصہ سے ہم بہت تھوڑے دنوں استفادہ کر سکے تھے ہم نے وہ حصہ اپنے حلیف کے تفویض کر دیئے تاکہ وہ ان کے خرچ سے ہماری مدافعت کے لیے فوجیں تیار کریں۔ اس تفویض کا منشاء قطعاً یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم نے اپنی مدافعت کرنے کا سارا حق کھو دیا بلکہ اس کا منشاء یہ ہے کہ ہم نے اپنے چند علاقوں کی آمدنی کے صرفہ سے اپنے حلیف پر مدافعت کی ذمہ داری عائد کی۔

حیدر آباد نے عہد وفا کو نبھایا

انگریزوں کو ہماری دوستی کا ایک بڑا ثبوت اس وقت ملا جب کہ شمالی ہند میں غدر کی آگ پوری شدت کے ساتھ بھڑک رہی تھی اور ہندوستان سے انگریزوں کے قدم تقریباً اکھڑ چکے تھے حیدر آباد نے اپنے عہد وفا کو پوری شرافت کے ساتھ نبھایا اور مختار الملک کے تدبر نے دکن میں انگریزوں کو ہر مصیبت سے محفوظ رکھا حیدر آباد کی دوستی کا یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ جب کبھی انگریزوں پر برا وقت آیا حیدر آباد نے اپنی ساری صلاحیتوں کے ساتھ ان کی امداد کے لیے ہاتھ بڑھائے گذشتہ

جنگ عظیم میں نہ صرف ہم نے اپنے خزانوں کے دہانے ان کے لیے کھولے اور اپنی دولت پانی کی طرح بہائی اپنی فوجوں کو عراق و شام میں اپنے حلیف کی خاطر اپنے ہم مذہبوں پر جن کی اخوت و برادری کا رشتہ ہمارے لیے ایک خدائی رشتہ ہے گولیاں چلانے اور سنگینیں گھونپنے کے لیے بھیج دیا بلکہ اپنے اثر و نفوذ سے بھی کام لیا تاریخ کا متعلم جلالتہ الملک شاہ دکن کے اس تاریخی مینیفسٹو کو نظر انداز نہیں کر سکتا جس میں مجاہدین ترک خلاف مسلمانان ہند کو انگریزوں کی امداد پر آمادہ کیا گیا تھا۔

وفا شعار رعایائے آصفی کی حلیفانہ امداد

انگریزوں کی مصیبتیں جنگ عظیم کے ساتھ ختم نہیں ہوئیں اس جنگ کے ختم ہوتے ہی ہندوستان میں مطالبہ آزادی کا طوفان اٹھا اس نے غدر سے کچھ زیادہ ہی انگریزوں کو پریشان کر دیا تھا لیکن حیدرآباد اس لنگر کی طرح حکومت برطانیہ کی کشتی کو سنبھالے رہا جو طوفان میں حفاظت کا واحد سہارا ہوتا ہے۔ آج بھی آپ دیکھ رہے ہیں کہ انگریزوں کے "یار وفادار" نے اور ان کی وفا شعار رعایا نے اپنے حلیف کی امداد میں کوئی کسر اٹھا نہیں

رکھی ہے نہ صرف حکومت نے اپنی فوجیں بھیجیں ہوائی دستوں کی تیاری کے لیے روپیہ دیا بلکہ جاگیرداروں اور رعایا نے اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی جس کو ملک کے اندرونی طوفان میں بھی خرچ نہ کر کے بچا رکھا تھا اور جس میں ملک کے قحط زدوں کو بھی کوئی حصہ نہ مل سکا تھا اپنے تاریخی حلیف کی نذر کر دی کوئی برطانوی مدبر ایسا نہیں ہے جس نے اس کا اعتراف نہ کیا ہو۔

انگریزوں کی شکست ہماری تباہی ہے

مجلس اتحاد المسلمین نے اس جنگ کو ہمیشہ اپنی جنگ تصوّر کیا ہے اس امر پر غور کیے بغیر کہ جنگ میں کون برسرِ حق ہے مجلس اتحاد المسلمین ابتداء سے یہ سمجھتی رہی ہے اور آج بھی اس بات پر کامل یقین رکھتی ہے کہ مملکت حیدرآباد کی بقاء اور ہندوستان کی حیات اس لڑائی میں انگریزوں کے شکست نہ کھانے میں ہے ہم سمجھتے ہیں اور پورے یقین کے ساتھ سمجھتے ہیں کہ کسی دوسری قوم کی بہ نسبت انگریز ہندوستان کے اچھے مالک اور حیدرآباد کے اچھے حلیف ہو سکتے ہیں ہم نے اطالیہ کو شمالی افریقہ میں روس کو بخارا و کاشغر اور جاپان کو چین کے ممالک مفتوحہ میں اچھی طرح

آزمایا ہے جرمنی کی آزمائش پولینڈ کی فتح کے بعد سے آج تک برابر ہوتی رہی ہے ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم ان اقوام کی بہ نسبت انگریزوں کی نبض و دماغ کو زیادہ صحیح طور پر سمجھ سکتے ہیں انگریزوں کی شکست ہندوستان اور حیدرآباد کے لیے کوئی اچھے دن نہیں لاسکتی اس لیے ہماری تمنا ہے کہ اس لڑائی میں انگریزوں کی مدد کریں اور ان کے راستے میں کوئی رکاوٹ پیدا ہونے نہ دیں۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور آج پھر مجلس اتحادالمسلمین کے صدر کی حیثیت سے اعلان کرتا ہوں کہ افریقہ و یورپ کا میدان جنگ صرف انگریزوں کا محاذ جنگ نہیں ہم حیدرآبادیوں کی صف جنگ کا اولین محاذ ہے۔

مجلس اتحادالمسلمین امداد کر رہی ہے اور کریگی

مجلس اتحادالمسلمین نے نہ صرف یہ کہ کانگریس و مسلم لیگ کی طرح جنگی کوششوں میں کوئی رکاوٹ نہیں پیدا کی بلکہ اپنے اپنے ارکان کو اجازت دی کہ مرکز و اضلاع کی جنگی کمیٹیوں میں علانیہ حصہ لیں اور کامیاب بنائیں مجلس کے صدر نے بحیثیت جاگیردار جنگی امداد کی جو تائید کی اس سے آپ سب واقف ہیں اگر مجلس

چاہتی تو جو جنگی امداد حیدرآباد کے عوام نے دی اس کو آدھے سے زیادہ گھٹا سکتی تھی لیکن مجلس نے اس ایقان میں فرق نہ آنے دیا کہ اس وقت انگریزوں کی امداد خود اپنی امداد ہے ہماری یہ کوشش صرف حیدرآباد تک نہیں رہی۔ اتحاد المسلمین کے صدر نے آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے تمام ہندوستانی ریاستوں کے مسلم باشندوں کو ہدایت دی کہ وہ اس جنگ میں انگریزوں کی مدد کریں اور اس وقت ہدایت دی جب کہ آل انڈیا مسلم لیگ اپنے ارکان کو جنگی کمیٹیوں میں حصہ لینے کی جنگی کوششوں میں مدد کرنے سے منع کر رہی تھی۔ مجلس نے اپنی یادداشت میں وعدہ کیا ہے اور میں آج اس وعدہ کی تکرار کرتا ہوں کہ اگر ضرورت پڑے تو مجلس اپنی ان ہی امداد کی کوشش پر اکتفا نہ کرے گی بلکہ اندرون ملک قیام امن اور محاذ پر کام کرنے کے لیے اپنے مستعد اور بہادر رضاکار پیش کرنے کے لیے تیار ہے۔ یہ ہے داستان ہمارے ان تعلقات کی جو دو صدی سے حکومت برطانیہ اور سرکار آصفیہ کے درمیان چلے آرہے ہیں۔

تاج برطانیہ کے مشورت کا سلسلہ

ان تعلقات کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ہم ایک دوسرے سے

قریب تر ہو جائیں چنانچہ ہمارے انگریز حلیف نے چاہا اور ہم نے پسند کیا کہ ان کا ایک نمائندہ ہمارے دار السلطنت میں ہر وقت موجود رہے تاکہ ہمارے حلیف کے خیالات سے آگاہ کرتا رہے اور ہمارے خیالات حلیف تک پہنچاتا رہے ان کے لیے ہم نے ہر ممکن سہولتیں بہم پہنچائیں۔ نمائندہ تاج برطانیہ کی موجودگی نے تاریخ کے ابتدائی دور میں ہم کو اس کی سہولت دی کہ اپنے مسائل سے متعلق اپنے زیادہ تجربہ کار، زیادہ سیاست آگاہ اور زیادہ زمانہ دیدہ حلیف سے مشورہ کریں۔ مشورت کا یہ سلسلہ جاری رہا اور اب ہمارے حلیف نے بغیر ہماری خواہش کے بھی مشورہ دینا شروع کیا اور مشورہ دینے کی یہ عادت رفتہ رفتہ طبیعت ثانی بن گئی اور ہم مشورہ سنتے سنتے اتنے عادی ہو گئے کہ خود آگاہی ہم سے گھٹتی گئی اور پائے ہمسایہ سے چلنے کی عادت بڑھتی گئی۔ ہمارے عزائم کسی کی مرضی کے تابع ہوتے گئے اور آج نہایت افسوس اور رنج کے ساتھ اس منظر کو دیکھ رہے ہیں کہ آصف جاہ اول اکبر و عالمگیر کے جانشینوں کو مشورہ دیا کرتے تھے ان کا جانشین ہمارا مالک و آقا دو لاکھ مربع میل کا وارث تقریباً تین کروڑ نفوس کا حاکم اپنا کوئی قدم نمائندۂ تاجِ برطانیہ کے مشورہ بغیر نہیں اٹھا سکتا۔

قصور مشورہ دینے والے کا نہیں

اپنے کسی وزیر کا تقرر و تعطل بغیر حلیف کی منشاء معلوم کیے نہیں کر سکتا اور اب خود انہی کونسل کے متفقہ فیصلہ کو نہیں توڑ سکتا (جلسہ سے تالیاں) نہیں حضرات یہ وقت ہاتھ کو ہاتھ پر مارنے کا نہیں بلکہ دل کو جگر سے ٹکرانے کا وقت ہے۔ میں اس مسئلہ میں تاج برطانیہ یا اس کے نمائندہ کو بالکل بری الذمہ قرار دیتا ہوں۔ قصور مشورہ دینے والے کا نہیں بلکہ مشورہ لینے اور اپنے آپ کو مشورہ کا پابند کرنے والوں کا ہے حیدرآباد کے وزراء سابق و حال آنے والی نسلوں کے دربار میں ہرگز معافی نہیں پا سکتے جن کی نرم خود فراموشانہ اور غیر پرستانہ پالیسی نے حیدرآباد کو اس مقام تک پہنچایا ہے

سعدی از دست خویشتن فریاد

اقتدار اعلیٰ کا نظریہ

تاریخ کے متعلم کے لیے یہ واقعہ استعجاب و حیرت کی انتہا ہے کہ شاہ حیدرآباد جیسے حلیف کے سارے احسانات جنگ عظیم کے عین بعد فراموش کر دیئے جاتے ہیں اور لارڈ ریڈنگ کو وہ تاریخی خط لکھنے کی جرأت ہوتی ہے جس کے

ذریعہ پیرامونٹسی (یعنی اقتدار اعلیٰ) کا نظریہ پیدا ہوا۔ حیدرآباد کے حکومت برطانیہ سے کیے ہوئے سارے معاہدات ہمارے سامنے ہیں اس کی کوئی تعبیر ہم کو ہندوستان کے اس والسرائے سے متفق نہیں کر سکتی۔ تاریخ کے ہر دور میں حیدرآباد کا اقتدار اعلیٰ شاہ دکن کے سوا کوئی اور طاقت نہ رہی اور نہ ہو سکتی ہے۔

اگر معاہدات کی اس تعبیر میں دوسرے فریق معاہدہ کو اختلاف ہو تو اس کا فیصلہ کوئی آزاد ثالثی ہی کر سکتی ہے کسی ایک فریق معاہدہ کو فیصلہ کرنے کا اور اپھر اس فیصلہ پر اصرار کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اور نہ ہمارے اس دعوئی آزادی سے ہماری اس دوستی اور وفاداری میں کوئی فرق آسکتا ہے جو صدیوں سے دونوں حکومتوں کے درمیان قائم ہے۔ ہم دوست تھے ہیں اور رہنا چاہتے ہیں۔

اگر خدانخواستہ ہم پر کوئی برا وقت آئے؟

دعوئی اظہار دوستی چاہتا ہے اور اظہار دوستی کی واحد صورت برے وقت کام آنا ہے یہ تو آپ نے سن لیا کہ ہم نے کسی وقت اپنے حلیف کی مصیبت میں مدد سے دریغ نہیں کی جب ہم اپنی

امداد پر نظر ڈالتے ہیں تو مجالت سے اپنی گردن جھک جاتی ہے
چند لاکھ روپیہ، چند سو سپاہی، چاقو، کمبل، رسی اور ٹاٹ فراہم
کر دینا حیدر آباد کی شایانِ شان نہیں ہو سکتا۔ ہماری دلی تمنا یہ
ہے کہ حیدر آباد تاریخ کے ہر دور میں اپنے حلیف کی فتح کا اسی طرح
ضامن رہے جس طرح ۱۷۹۹ء میں میسور کے میدان میں رہ چکا
ہے۔ میں تو یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ امریکہ کی طرح حیدر آباد اپنے حلیف
کے لیے ہوائی جہازوں کے پرزے اور ٹینکوں کی صفیں تیار کر رہا
ہو اس کے بنائے ہوئے مشین گن اور گولہ بارود جہازوں پر لاد کر
محاذ جنگ پر جا رہے ہوں کیا یہ امر میرے اور آپ کے لیے باعث
رنج نہیں ہے کہ حکومت آصفیہ و سلطنت برطانیہ کی مشترکہ آغوش
میں پلے ہوئے میسور میں تو ہوائی جہازوں کا کارخانہ قائم ہو۔ اور
حیدر آباد صرف چاقو اور رسی تیار کر کے اترا تا رہے۔ زیادہ افسوس
کے قابل یہ بات ہے کہ ہم خود اپنی فوج کے لیے ہتھیار فراہم کرنے کا
بار بھی اپنے مشغول و مصروف حلیف کی گردن پر ڈالنے کے لیے مجبور
ہیں۔ آج ہمارے یہاں چند روڈ کار توسوں سے زیادہ کچھ نہیں
ہم تیار کر سکتے ہیں لیکن کار توس تیار نہیں کرتے ہمارے حلیف کو
خود بندوقوں کی ضرورت ہے لیکن ہم جدید قائم کردہ پلٹنوں کے لیے

اپنے حلیف ہی کو فراہمی اسلحہ کی زحمت دے رہے ہیں حالانکہ ہم ایسی بندوقیں تھوڑی سی زحمت سے تیار کر سکتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ ہم پر اندرونی طور پر کوئی بُرا وقت آئے اور ہمارا حلیف دوسری طرف متوجہ و مشغول ہونے کی وجہ سے از روئے معاہدہ ہماری امداد کرنے سے انکار کر دے تو ہم اپنی مشکل کو رفع کرنے کے قابل بھی نہیں ہیں۔ ان سارے حالات کا تقاضہ تھا کہ مجلس اتحاد المسلمین اپنی یادداشت میں وہ مطالبہ کیا جس کی تشریح میں کل کروں گا۔

مجلس کی یادداشت کا پس منظر

یہ حالات و ماحول تھا جو مجلس کے سامنے اس وقت آیا جب اندرونی فتنے ایک حد تک دب چکے تھے اور ان کی طرف سے مجلس ایک حد تک اپنے اقتدار تمدنی و سیاسی کے مظہر تخت و تاج آصفی کو محفوظ کر چکی تھی اس کا لازمی فرض تھا کہ اپنے مظہر اقتدار کے گذشتہ اور آئندہ پوزیشن پر اس کے استحکام و ترقی کے تدبر پر اس کی آزادی و حریت کے یقین پر اور اس کے حلیف کی زیادہ سے زیادہ امداد کے وسائل پر نہ صرف غور کرے، صرف اپنی

حکومت کو متوجہ کرے نہ صرف اس کو مجبور کرے بلکہ اگر ضرورت پڑے تو اپنے ہر ایثار و قربانی سے اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرے اسی غور اور کوشش کا ابتدائی قدم مجلس کی یادداشت تھی جس کی تفصیلات اور حصول مقصد کے ذرائع و وسائل پر میں کل تفصیلی نظر ڈالوں گا۔

مخالفت میرے سمند عمل کے لیے تازیانہ ہے

الحمدللہ کہ ہمارے اس مطالبہ اور یادداشت کی تائید نہ صرف مسلمانانِ دکن نے اپنے قلب کی گہرائیوں سے کی نہ صرف باشندگان دکن نے پوری وسعت قلب کے ساتھ کی بلکہ سارے ہندوستان کے مسلمانوں نے اس سے اتفاق ہم سے ہمدردی اور ہماری آئندہ مساعی میں اشتراک عمل کا وعدہ کیا۔ مخالف آوازیں بھی مختلف گوشوں سے سنی جارہی ہیں لیکن میں اپنی عادت کے مطابق ان مخالفتوں کو بجائے زحمت کے اپنے لیے رحمت تصور کرتا ہوں۔ میرا ایقان ہے کہ دنیا کسی نیک کام کی صداقت اور نیکی اس وقت تک مکمل و مسلم نہیں ہوتی جب تک کہ اس کی مخالفت نہ ہو دنیا کا کوئی نیک کام اور مقدس مقصد اختلاف سے نہ بچا۔ میں اپنے کسی مطالبہ کی صداقت اور مقصد

کی نیکی میں شبہ کرنے لگتا ہوں جب دیکھتا ہوں کہ کسی گوشے سے اس کی مخالفت نہیں ہو رہی ہے ہمیشہ مخالف میرے سمند عمل کے لیے تازیانہ ہوا ہے جو پیچھے ہٹانے کے بجائے مجھے تیزی سے آگے بڑھانے میں مدد دیتا رہا ہے میں ممنون ہوں مخالفت کرنے والوں کا کہ انھوں نے اپنے اختلافات سے اپنے مطالبہ کی صداقت پر مجھے زیادہ متیقن اور اپنے عزائم میں زیادہ مضبوط کر دیا۔

میں آپ سب کا ممنون ہوں کہ میری اس خشک اور غیر دلچسپ تقریر کو آپ کے اس کثیر مجمع نے اس تحمل اور صبر کے ساتھ سنا کہ میں باشندگان دکن کے شعور سیاسی کی اس بیداری پر اپنے خدا کا شکر گذار ہوں اور خدا کے فضل کے بعد آپ کی یہ بیداری ہی میرا اول و آخر سہارا ہے۔

موجودہ مجلسِ وزراء سے ہمیں کوئی توقع نہیں!

آزادیِ دکن کی منزل اصلاحات کی منزل نہیں ہے

حضرت قائدِ ملت نے یہ تقریر ۱۲ر جنوری ۱۹۴۱ء کو قمر باغ میں فرمائی۔ جس میں ۱۱ر جنوری ۱۹۴۱ء کی تقریر کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے یادداشت مورخہ ۲۶ر جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ پوری پڑھ کر سنائی اور یادداشت کی وضاحت میں یہ معرکۃ الآراء تقریر فرمائی۔

یادداشت کے اہم امور

مجلس اس یادداشت میں تین امور کا مطالبہ کرتی ہے اول یہ کہ حیدرآباد کی حربی طاقت کو مجتمع کیا جائے اور آلاتِ حرب کی تیاری کی طرف فوراً توجہ کی جائے دوم یہ کہ

حیدرآباد کی آزادی اور اعلیٰحضرت کے اقتدارات کاملہ کا اس طرح تحفظ و تیقن کیا جائے کہ حیدرآباد ہر قسم کی اندرونی شورشوں اور بیرونی مداخلتوں سے محفوظ رہے۔ سوم یہ کہ حکومت برطانیہ سے اس امر کا وعدہ لیا جائے کہ جب ہندوستان کو مقبوضاتی مرتبہ دیا جائے گا تو حیدرآباد کے وہ مقبوضات کسی اور کو حوالے کرنے کی بجائے حیدرآباد کو واپس کی جائیں گی۔

مملکتی مجلس کا دوسرا قدم

ہماری موجودہ حکومت نے اس سلسلہ میں کوئی قابل اطمینان قدم اب تک نہیں اٹھایا نہ آئندہ اس سے اس کی توقع ہے۔ اسی وجہ سے مملکتی مجلس اپنا دوسرا قدم یہ تصور کرتی ہے کہ موجودہ مجلس وزراء کو اس طرح تبدیل کروائے کہ اس میں ملک کے درد رکھنے والے اور ایثار کے جذبات صحیح کے ساتھ عمل کرنے والے لوگ داخل ہوں۔

ہندو مسلم مفاہمت کا مسئلہ

بعض ہندو زعماء نے مجھ سے ملاقات کر کے مفاہمت کے لیے بعض شرائط پیش کی ہیں جن پر میں غور کر رہا ہوں مسلمان اگر صلح خواہی نہ خواہیم جنگ کا اصول

رکھتے ہیں اور باعزت مفاہمت کے لیے جو ان کے مسلک کے منافی نہ ہو ہر وقت تیار رہیں۔ ہم جنگ کے اس تشویشناک دور میں اپنی حکومت کی ان توجہات کو جو مساعی جنگ پر مرکوز ہیں اپنے مظاہرے سے اس وقت تک متاثر نہیں کرنا چاہتے جب تک ہمیں اس پر مجبور نہ کر دیا جائے۔ مسلمانوں کو ہر قسم کی قربانی کے لیے پوری آمادگی کے ساتھ تیار رہنا چاہیے اور مجلس اتحاد المسلمین کی ہدایات کا انتظار کرنا چاہیے۔

ارباب حل و عقد کی غلط کاریوں نے اگر ہماری موجودہ حالت کو وہ نہیں رکھا جو آج سے پہلے تھی تو اس سے ہمارے حقیقی موقف میں جو معاہدات کی رو سے ہمیں حاصل ہے کوئی فرق نہیں ہوتا۔ مجھے حیرت ہوتی ہے جب میں دیکھتا ہوں کہ معاہدات کے تحفظ کے لیے لاکھوں انسانوں کا خون بہا دینے والی اور دنیا کی ساری طاقتوں سے ٹکرا کر مقابلہ کرنے والی حکومتیں بھی معاہدات سے ہٹ کر غلط عمل درآمد یا اس سے زیادہ غلط ایک طرفہ دعاوی پر زور دینے لگتی ہیں۔

یہودی والسرائے کا نظریہ اقتدار اعلیٰ ——— مجھ سے کہا گیا کہ لارڈ ریڈنگ کے

نظریۂ اقتدار اعلیٰ نے حیدرآباد کی آزادی کے خلاف ایک دلیل فراہم کی ہے میں نے پہلے بھی کہا تھا اور پھر کہتا ہوں کہ مجھ سے انگریز قوم کے تدبر اور فراست پر جس کا ایک زمانہ قائل ہے تعجب ہونے لگتا ہے جب میں دیکھتا ہوں کہ اس یہودی والسرائے کا نظریہ اقتدار اعلیٰ بار بار دہرایا جاتا ہے میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ لارڈ ریڈنگ نے انگلستان کی سی حکومت سے اپنے مذہب کی پرانی دشمنی کا بدلہ لے لیا اور اس نظریہ کو پیش کرکے اس نے کئی سو طاقتور اور بااختیار دستوروں میں ایک نہ ختم ہونے والی بے چینی پیدا کر دی۔ حیدرآباد اس نظریہ کو کیا قبول کرتا ہندوستان کی کسی ریاست نے آج تک اس کو قبول نہیں کیا۔ روسا ہند آج بھی اس کے ڈیفنشن یا از صحیح تعریف کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ جو نظریہ آج تک مسلمہ طور پر ڈھالا ہی نہ گیا ہو اور جس کو ایک فریق ابھی تک محتاج تعارف تصور کرتا ہو اس پر استدلال کرتے ہوئے حیدرآباد کی آزادی پر دراندازی سے بنی دامنی کا اقرار ہے۔

عوائے شہنشاہیت کا غلط استدلال

حیدرآباد کی آزادی کے خلاف ایک دوسری دلیل مجھ سے

بیان کی گئی وہ یہ کہ اواخر انیسویں صدی میں جب کہ ملکہ وکٹوریہ نے قیصر ہند ہونے کا اعلان کیا تو سارے روساء ہند نے چونکہ اس کو قبول کر لیا تھا اس لیے ان کا آزاد نہ ہونا مسلم ہے، مجھے آج بھی ملکہ وکٹوریہ کے پوتے کے شہنشاہ معظم اور قیصر ہند ہونے سے انکار نہیں ہے میں نے اس وقت بھی جواب میں کہا تھا اور آج بھی کہتا ہوں کہ کوئی شہنشاہ اپنی شہنشاہیت کا دعویٰ نہیں کر سکتا جب تک چند آزاد بادشاہتیں اس کے ساتھ حلیفانہ تعلق نہ رکھتی ہوں اگر برطانوی دولت عامہ چند آزاد اور خود مختار جمہوریتیں موجود رہ سکتی ہیں اور خود ہندوستان آزادی کی منزل سے قریب تر ہو رہا ہے وہ ہندوستان جس پر ملکہ معظمہ اور ان کے پوتوں کی شہنشاہیت کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور ان کو آزادی دی جا رہی ہے جن کی غلامی میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں تھی ایسے زمانہ میں کسی کا اس سلطنت کی آزادی کے خلاف دعوائے شہنشاہیت سے استدلال نہ صرف غلط بلکہ مضحکہ خیز ہے۔

حیدرآباد کا آزاد سیاسی موقف

اصل چیز جس کے ذریعہ حیدرآباد کے سیاسی موقف کا تعین کیا

جاسکتا ہے وہ معاہدات ہیں جو صاف واضح اور غیر مبہم طور پر حیدرآباد کی آزادی کاملہ کی ضمانت دے رہے ہیں اور جن سے ہر بحث میں کترانے کی کوشش کی جاتی ہے اور جب ان کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے تو کوئی دوسری بے سروپا دلیل پیش کر دی جاتی ہے میں نے کل کہا اور آج پھر کہتا ہوں کہ اگر معاہدات کی تعبیر میں اختلاف ہو تو اس کا فیصلہ کرنے کا حق بھی کسی ایک فریق معاہدہ کو نہیں اگر ضرورت پڑے تو اس کا فیصلہ ایک آزاد ثالثی کرے گی۔

حضرات! حیدرآباد کے اس آزاد سیاسی موقف کو سمجھ لینے کے بعد آپ کے رنج کی کوئی انتہا نہ رہے گی۔ جب آپ موجودہ غلط عمل درآمد کا تصور کریں گے جب کہ بیرونی مداخلتیں حد انتہا کو پہنچ گئی ہیں اور مشورے نے حیدرآباد کے ہر اندرونی انتظامی مسئلہ کو ہمارے اختیار سے باہر کر دیا ہے۔

وزراء کی مرکز گریز پالیسی

وزراء کا تقرر دوسروں کی توثیق کا محتاج اور

جب وزراء کو یہ یقین ہے کہ وہ اپنے عہدہ پر بغیر دوسروں کی رضامندی کے آسکتے ہیں نہ ان عہدوں سے ہٹائے جاسکتے ہیں تو ان کی

امیدوں اور خوف کا مرکز بدل جاتا ہے اور اس قسم کی مرکز گریز مجلسِ وزراء سے میں خود آپ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ کیا توقع رکھتے ہیں۔ (جلسہ گاہ سے آوازیں اٹھیں کہ ہم کو کوئی توقع نہیں ہے) کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ایسی مجلس وزراء اعلیٰ حضرت کو صحیح مشورے دے سکتی ہے (پبلک ہرگز نہیں کوئی توقع نہیں) کیا ہم اپنے مطالبات کی تکمیل کی اس مجلس وزراء سے توقع رکھ سکتے ہیں (مجمع نے یک آواز کہا نہیں، کبھی نہیں) کیا وزراء کی اس مرکز گریز پالیسی نے حیدرآباد کے بیرونی درجہ کو کمتر اور اندرونی بے چینی کو زیادہ نہیں کر دیا (مجمع نے کہا بیشک بیشک) میں اس پالیسی کو قطعاً نتیجہ خیز نہیں سمجھتا کہ درخت کی خرابی کا علاج پتوں اور ڈالیوں پر پانی چھڑک کر کیا جائے؟ جب تک آپ جڑ کو درست نہیں کرتے درخت کی برومندی کی توقع نہیں کر سکتے۔ مجلس اتحاد المسلمین سلطنت آصفیہ اسلامیہ کے اس درخت سے صحیح پھل حاصل کرنے کے لیے اپنے مالی اور باغبان اعلیٰ حضرت بندگان عالی سے درخواست کرتی ہے کہ اس کی جڑ کو درست فرمائیں، فاسد اجزاء کو کاٹ کر صحیح قسم کی کھاد وہاں فراہم فرمائیں۔

جب ہندوستان کو مقبوضاتی درجہ مل جائے؟ یادداشت کا

تیسرا جز ہندوستان کو مقبوضاتی درجہ ملنے پر مقبوضات کی واپسی ہے کل آپ نے اس مسئلہ کو پوری وضاحت کے ساتھ سن اور سمجھ لیا کہ حکومت برطانیہ نے جنگ کے ختم ہوتے ہی جلد سے جلد ہندوستان کو مقبوضاتی مرتبہ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ آپ نے یہ بھی سمجھ لیا کہ مقبوضاتی مرتبہ دینے کے معنے ہندوستان کو وہ آزادی حاصل ہونے کے ہیں جو وزیر ہند مسٹر ایمری کے الفاظ میں "دنیا کی کسی آزادی سے کم درجہ نہیں رکھتی" ہم نے معاہدات حکومت برطانیہ سے اس وقت کیے تھے جب کہ ہمارے چاروں طرف حکومت برطانیہ پھیلی ہوئی تھی آئندہ جب کہ ہندوستان آزادی حاصل کر لے اور حکومت برطانیہ ہمارے اطراف کا رفرما نہ رہے تو یہ معاہدات خود بخود منسوخ اور قابل تجدید ہو جاتے ہیں کیونکہ اب ہمارے چاروں طرف نہیں تو کم از کم تین طرف حکومت ہند ہوگی جس سے ہمیں جدید معاہدات کرنے پڑیں گے۔

مطالبات کے تین نقاط

یہ تھی وہ یادداشت جس کی تشریح مجھ سے سننے کے لیے آپ یہاں جمع ہوئے ہیں اس کے دس فقروں کے منجملہ ایک دو تو تمہیدی ہیں اور مجلس مطالبات کو صرف تین نقاط

پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) اپنے حلیف کی خاطر خواہ اور حیدرآباد کے شایان شان امداد کے لیے حیدرآباد آلات حرب کی تیاری کے لیے کارخانے کھولے اور اپنی فوجی طاقت میں کماحقہ اضافہ کرے۔

(۲) حیدرآباد کی آزادی اور اقتدارات شاہانہ کی کامل سے کا تحفظ و تیقن کیا جائے جو ہر قسم کی بیرونی و اندرونی مداخلت سے پاک ہو۔

(۳) اس امر کا تیقن کیا جائے کہ ہندوستان کو مقبوضاتی مرتبہ ملتے ہی بلا تاخیر و مقبوضات جو حیدرآباد نے مختلف وجوہ کی بناء پر حکومت برطانیہ کے تفویض کیے ہیں حیدرآباد کو واپس مل جائیں۔

ہم نے مدافعت کی ذمہ داری سے دستبرداری نہیں کی

ان تینوں نقاط کی تشریح ایک حد تک تو میری تمہید ہی نے کردی ہے اور جو باقی رہ گئی اس کی تکمیل آج ہو جائے گی۔ کل میں نے اس امر کو واضح کر دیا کہ ہم اس جنگ کو اپنی جنگ تصور کرتے ہیں اور انگریزوں کی شکست کو اپنی تباہی یقین کرتے ہیں

اس لیے ضرورت ہے کہ اس وقت حیدرآباد اپنے حلیف کی اس سے زیادہ امداد کرے جتنی آج سے قبل تاریخ کے مختلف ادوار میں اس نے کی ہے۔ یہ امر بھی کل واضح ہو چکا ہے کہ ہم نے مدافعت کی جو ذمہ داری بعض علاقہ جات کی تفویض کے ذریعہ اپنے حلیف پر عائد کی۔ اس سے ہم نے اپنے حلیف کو تو ہماری مدافعت کا ذمہ دار ضرور قرار دیا لیکن اپنے ملک کی مدافعت کا جو حق اور اپنے حلیف کی امداد کی جو ذمہ داری خود ہم پر عائد ہوتی ہے اس سے ہم نے دستبرداری نہیں کی معاہدات کا مطالعہ ہمارے اس یقین کو اور زیادہ پختہ کرتا ہے کہ ہم آلاتِ حرب کی تیاری، افواج کی زیادتی اور اپنی فوجی طاقت کے اضافہ کے لیے کسی دوسری طاقت کے استرضا اور استجازت کے محتاج نہیں ہیں اس سلسلہ میں حکومت نے مجلس کو جو جواب دیا وہ قطعاً ہماری تشفی نہیں کرتا۔

یادداشت کا حکومتی جواب مجلس کی معروضانہ درخواست

جواب میں مجلس سے کہا گیا ہے کہ "یادداشت میں جن امور کا تذکرہ ہے ان پر نصف سابق میں کامل غور و خوض کیا گیا ہے بلکہ جنگ سے جو نئے حالات رونما ہوئے ہیں اور ڈومینین اسٹیٹس کے

متعلق جو حالیہ اعلان کیا گیا ہے ان کی روشنی میں بھی سرکار عالی
ان پر متوجہ ہے مجلس یا باشندگان مملکت آصفیہ اس سے ہرگز مطمئن
نہیں کہ حکومت ان مسائل پر غور کرتی رہی ہے اور توجہ کا مفہوم
بھی اگر اپنی جگہ پر غور و فکر ہی ہے تو مجلس کا اس سے کسی طرح اطمینان
نہیں ہو سکتا۔ ہم کو گذشتہ تاریخ سے یہ شہادت ملتی ہے کہ ہم نے
غور کرتے ہی کرتے وقت کو ہاتھ سے دے دیا اور کبھی نتائج خاطر خواہ
برآمد نہیں ہوئے۔ ہمارے پہلے مطالبے سے متعلق غور کا کوئی محل
ہی نہیں ہے۔ اس عالم کشمکش و اضطراب میں غور کرنے والی
قوتیں تباہی کے سوا کوئی نتیجہ نہیں برآمد کر سکتیں۔ مجلس پورے
غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ ہماری موجودہ مجلس وزراء
کبھی غور کی مجلس سے آگے نہیں بڑھ سکتی، اور نہ ایسی مجلس وزراء
پر جو جنگ چھڑ جانے سے تقریباً ڈیڑھ سال بعد بھی اور یادداشت
پیش ہونے کے چھ ماہ بعد غور کر رہی ہو کوئی اعتماد کر سکتا ہے اخلاقی
جراءت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ ایسے لوگ جو غور کی منزل سے قدم آگے
نہیں بڑھا سکتے خود استعفا دے دیں اور اپنی ذمہ داریوں سے
سبکدوش ہو جائیں اور اگر ان میں اتنی اخلاقی جراءت نہیں
ہے تو اعلیٰ حضرت بندگان عالی سے مودبانہ درخواست ہے کہ اس

مجلس وزراء کی اکثریت کو بعجلت ممکنہ تبدیل فرما کر ایسے ارکان کا اس کے لیے تقرر فرمائیں جو ملک کی ضروریات کی تکمیل کر سکتے ہوں اور جن کی ہمتیں اور غور و فکر کی صلاحیتیں جوان ہوں۔

مجمع سے آوازیں "ہرگز نہیں"۔ میں کہہ چکا ہوں اور پھر کہتا ہوں کہ اس

زمانہ میں جب کہ ہر ملک کے میزانیہ کی آدھی سے زیادہ آمدنی ضروریات حرب کی تیاری پر صرف ہو ہماری مملکت میں صرف چاقو، رسی اور ٹاٹ و کمبل کا تیار ہونا اہل ملک کو مطمئن نہیں کر سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ آپ کے دل کی آواز ہے کیونکہ آپ کی نمائندہ جماعت نے پیش کی ہے۔ بہ مزید احتیاط میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ میں سے کسی کو مجلس کے اس مطالبہ یا میرے ان خیالات سے اختلاف ہے۔ (مجمع میں سے آوازیں آئیں ہرگز نہیں ہرگز نہیں) مجھے یقین تھا اور ہے کہ آپ میں سے کوئی شخص اس دور کے مورخ کو یہ موقع دینا نہیں چاہتا ہے کہ ہم پر اپنے حلیف کی کما حقہ امداد میں کوتاہی کا الزام لگائے۔

حیدرآباد کی آزادی کا تحفظ و تیقن مجلس کا دوسرا مطالبہ حیدرآباد

کی آزادی کا تحفظ و تیقن ہے میں کل کہہ چکا ہوں اور آج اپنے اس ایقان کی توثیق کرتا ہوں کہ حیدرآباد آزاد تھا۔ معاہدات کی رو سے آج بھی آزاد ہے مستقبل میں آزاد رہنا چاہتا ہے اور رہے گا۔ اگر عمل درآمد اور ہماری یہ حکومت ہند مرکزی حکومت ہو جیسا کہ کانگریس کا مطالبہ ہے یا علاقہ واری آزاد حکومتیں ہوں جیسا کہ مسلم لیگ چاہتی ہے اس مقام پر میں ایک نہایت اہم اور ضروری مسئلہ کی وضاحت کر دینا چاہتا ہوں کہ ہمارے معاہدات حکومت برطانیہ کے ساتھ ہیں یہ مسئلہ اس لیے بھی زیادہ اہم ہے کہ ملک میں غیروں اور بعض اپنوں کی ایک ایسی جماعت موجود ہے جو آپ کو اس کے خلاف باور کرانے کی کوشش کرے گی اس لیے آپ کا اس مسئلہ سے قبل از قبل واقف ہو جانا ضروری ہے۔

حیدرآباد اب غلامی میں گرفتار نہیں رہ سکتا!

جیسا کہ میں نے بیان کیا انگریزوں سے ہمارے تعلقات اس وقت شروع ہوئے جب کہ وہ ایک تجارتی کمپنی کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس کمپنی سے ہم نے ایک عرصہ تک بنام ایسٹ

انڈیا کمپنی تعلقات رکھے ایک زمانۂ دراز کے بعد حکومت برطانیہ نے اس کمپنی کے سارے افعال و اعمال کی ذمہ داری خود اپنے اوپر لی اور ہم سے معاہدات کرتی رہی حکومت ہند کے قیام کی نوبت اس کے بہت بعد آئی اور قیام کے بعد بھی وائسرائے اور گورنر جنرل کے عہدوں پر برابر امتیاز باقی رہا اور آج تک ہمارے تعلقات بتوسط وائسرائے راست حکومت برطانیہ سے ہیں۔ حکومت ہند سے ہم بعض مشترکہ مسائل میں اشتراک عمل ضرور کرتے ہیں لیکن کبھی خود ہم نے یا حکومت برطانیہ نے اس کے خلاف کوئی اور خیال کیا کہ ہمارے تعلقات حکومت ہند سے الگ ہیں۔ جب یہ امر ایوان و ایلیان ریاست یا حکومت حیدرآباد اور حکومت برطانیہ کے درمیان باہمی طور پر مسلم ہے کہ روساء کے تعلقات خصوصاً تاج برطانیہ کے ساتھ ہیں تو کسی تیسرے کو اس مسئلہ کی تغیر کرنے کا کوئی حق ہی نہیں پہنچتا جو لوگ ہمارے تعلقات کو حکومت ہند کے ساتھ قائم تصور کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ حیدرآباد ایک غلامی سے نجات پاکر دوسری غلامی میں گرفتار ہو جائے اور آنے والی ہندوستانی حکومت برطانیہ کی طرح اقتدار اعلیٰ ہونے کا دعویٰ کرنے لگے۔ حیدرآبادی اب اتنے

بے سمجھ نہیں رہے کہ ان کے اس دھوکہ میں آجائیں۔ بحمد اللہ اب حیدرآبادیوں میں کافی شعور سیاسی پیدا ہوگیا ہے چنانچہ میں آج کے جلسہ کو دیکھ رہا ہوں کہ بے سمجھ عوام مجھے اس میں ڈھونڈے سے نہیں ملتے اور اتنا بڑا مجمع مجھے تماماً و کمالاً سیاسیات کے ماہرین پر مشتمل نظر آتا ہے۔ میں حیدرآبادیوں کی نسبت اس غلط فہمی میں مبتلا رہنے والوں کو قابل رحم سمجھتا ہوں اور اعلان کرتا ہوں کہ حیدرآباد اب ان دھوکوں میں گرفتار نہیں ہو سکتا آئندہ قائم ہونے والی حکومت ہند سے وہ اپنے تعلقات ضرور قائم کرے گا اور بہت سے ایسے امور ہوں گے جو ہندوستان کے لیے مشترک ہو سکیں گے اور وہ اشتراک عمل کے لیے تیار رہے گا لیکن یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ انگریز حکومت کو اس کی اجازت دے کہ وہ آنے والی حکومت ہند کو اپنے معاہدات کا وارث ٹھہرائے۔

مقبوضاتی مرتبہ کے بعد از ما علاقے واپس ہو جائیں گے

یہ بحث جملہ معترضہ کے طور پر درمیان میں پیدا ہوگئی جو ضروری اور اس قابل تھی کہ آپ کے ذہن نشین کرائی جائے۔ میں اس امر کو واضح کر رہا تھا کہ جب ہندوستان کو مقبوضاتی درجہ ملے تو ہمارے

اطراف برطانوی حکومت نہ ہوگی جس سے ہم نے معاہدہ کیے ہیں بلکہ کم از کم تین طرف وہ ہندوستانی حکومت ہوگی جو مقبوضاتی مرتبہ کی حامل ہوگی ایسی صورت میں ہم حکومت برطانیہ سے یہ توقع نہیں کر سکتے کہ وہ اپنی ان ذمہ داریوں کو جو ہماری مدافعت سے متعلق اس نے قبول کی ہیں پورا کر سکے گی۔ اور جب یہ ایک حقیقت ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ سارے معاہدات فسخ ہو جائیں گے جو مدافعت کے سلسلہ میں ہم نے حکومت برطانیہ سے کیے ہیں اور جن کے ذریعہ اپنے چند علاقے حکومت برطانیہ کے تفویض کیے ہیں اور لازماً وہ علاقے ہمیں واپس ہو جائیں گے جو مدافعتی اخراجات کی تکمیل اور فوج کی فراہمی کے لیے انگریزوں کے تفویض کیے گئے تھے ہمیں واپس کیے جائیں گے یا واپس ہو جانا چاہیے کی بجائے واپس ہوں گے۔ اس لیے کہا کہ میں ہمیشہ یقین کی دنیا میں جینے کا عادی ہوں نہ کوئی ایسا دعویٰ کرتا ہوں جس میں شک و ریب ہو اور نہ کسی دعویٰ کے بعد شک و ریب کو پیدا ہونے دیتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ان علاقہ جات کی واپسی کا دعویٰ کرتے وقت مجھے یقین کامل تھا کہ دو منٹ اسٹیٹس ملنے کا لازمی نتیجہ ان کی واپسی ہے آج بھی یقین ہے اور اس یقین میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں پاتا۔

اطراف برطانوی حکومت نہ ہوگی جس سے ہم نے معاہدہ کیے ہیں بلکہ کم از کم تین طرف وہ ہندوستانی حکومت ہوگی جو نقبوضاتی مرتبہ کی حامل ہوگی ایسی صورت میں ہم حکومت برطانیہ سے یہ توقع نہیں کر سکتے کہ وہ اپنی ان ذمہ داریوں کو جو ہماری مدافعت سے متعلق اس نے قبول کی ہیں پورا کر سکے گی۔ اور جب یہ ایک حقیقت ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ سارے معاہدات فسخ ہو جائیں گے جو مدافعت کے سلسلہ میں ہم نے حکومت برطانیہ سے کیے ہیں اور جن کے ذریعہ اپنے چند علاقے حکومت برطانیہ کے تفویض کیے ہیں اور لازماً وہ علاقے ہمیں واپس ہو جائیں گے جو مدافعتی اخراجات کی تکمیل اور فوج کی فراہمی کے لیے انگریزوں کے تفویض کیے گئے تھے ہمیں واپس کیے جائیں گے یا واپس ہو جانا چاہیے کی بجائے واپس ہوں گے۔ اس لیے کہا کہ میں ہمیشہ یقین کی دنیا میں جینے کا عادی ہوں نہ کوئی ایسا دعویٰ کرتا ہوں جس میں شک و ریب ہو اور نہ کسی دعویٰ کے بعد شک و ریب کو پیدا ہونے دیتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ان علاقہ جات کی واپسی کا دعویٰ کرتے وقت مجھے یقین کامل تھا کہ ڈومینین اسٹیٹس ملنے کا لازمی نتیجہ ان کی واپسی ہے آج بھی یقین ہے اور اس یقین میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں پاتا۔

انگریز ایک شریف قوم ہیں یہ ہمارا حق ہے جو ایک سے زیادہ مرتبہ مانا ہوا اور

مسلّم ہے انگریز ایک شریف قوم ہیں ہم معاہدات کی پابندی کے لیے لڑ رہے ہیں اور ان سے ہرگز یہ توقع نہیں کی جا سکتی ہے کہ اپنے دو صد سالہ حلیف سے کیے ہوئے معاہدات کو نظر انداز کرے اور پھر نظر انداز کرنے کا سوال بھی نہیں ہے آپ جب تفصیل کو سنیں گے تو اندازہ ہوگا کہ یہ علاقے یا تو جاگیرات کی صورت میں انگریزوں کو دیئے گئے یا قیام افواج کے لیے دیئے گئے یا پٹہ پر دیئے گئے شمالی سرکار ایک عطا ہے جس کی تفصیل کل کی تقریر میں بیان کر چکا ہوں۔ اضلاع کڑپا و کرنول، بلاری و اننت پور اخراجات فوج کے لیے دیئے گئے ہیں جس کی اس وقت انگریز تکمیل نہ کر سکیں گے جبکہ ہندوستان کو مقبوضاتی درجہ دیا جائے گا۔

پٹہ پر لی ہوئی زمین کسی دوسرے کے تفویض نہیں کی جا سکتی

اور برار ایک پٹہ ہے جس کو انگریزوں نے حکومت حیدرآباد سے حاصل کیا اور دنیا کا کوئی اصول نہیں ہے کہ ہماری دی ہوئی جاگیر سے اگر جاگیردار خود استفادہ نہیں کر سکتا تو وہ ہم کو واپس

کرنے کی بجائے ہمارا علاقہ دوسرے کے حوالے کر دے یا مدافعت کی ذمہ داریوں کے ساتھ ہمارے خرچ سے افواج کے مرتب کرنے کے لیے جو علاقے دیئے گئے تھے اس وقت کسی دوسرے کے تفویض کر دیئے جائیں جب کہ فریق ذمہ دار اپنی ذمہ داریوں کی تکمیل کے قابل نہ رہے یا اسی طرح ہم سے پٹہ پر لی ہوئی زمین کسی دوسرے کے تفویض کر دی جائے ہم نے اپنی حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ اس کارروائی کو فوراً اپنے ہاتھ میں لے اور حکومت برطانیہ سے اس کے سلسلہ میں مراسلت شروع کر دے۔ اور اس سے اس امر کا وعدہ لے کر جیسے ہی ہندوستان کو مقبوضاتی مرتبہ دیا جائے گا "بلا تاخیر" ہمارے یہ علاقے ہم کو واپس کیے جائینگے

یہی وقت ہے کہ نتائج وعدہ کا وعدہ کیا جائے

"یوم حیدرآباد" کے موقع پر بمقام مکہ مسجد اپنی پیش کردہ قرارداد میں "بلا تاخیر" کا میں نے جو لفظ استعمال کیا تھا اس کے معنی یہی تھے تاکہ آج جب کہ مقبوضاتی مرتبہ کا صرف تصور ہے لیکن حکومت برطانیہ سے وعدہ حاصل کرنے کا وقت موزوں ترین وقت ابھی اور صرف ابھی ہے اس لیے نہیں کہ انگریز اس وقت

پریشان ہیں اور ہم ان کو مجبور کر کے ان سے کوئی وعدہ لینا چاہتے ہیں۔ میرے ماں باپ نے پیدا ہوتے ہی میرا نام "بہادر خاں" رکھا ہے اس لیے آپ مجھ سے ایسے نامردانہ تصور کا گمان بھی نہیں کر سکتے کہ میں اپنے حلیف کو مجبور دیکھ کر ان کی پریشانی سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں میں نے جو کہا وعدہ کرنے کا وقت یہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انگریزوں نے ہندوستان کو مقبوضاتی مرتبہ دینے کا وعدہ ابھی تھوڑے دنوں قبل زیادہ پختگی اور مضبوطی سے کیا ہے اور یہی وقت ہے کہ وہ اس وعدے کے نتائج کا بھی وعدہ کریں۔ جب مقبوضاتی مرتبہ دینے کا وعدہ کیا جا رہا ہے تو اس کے لازمی نتائج یعنی ہمارے علاقہ جات مقبوضہ کی واپسی کا یہی اور صرف یہی وقت ہے اسی لیے ہم نے اپنی حکومت سے مطالبہ کیا کہ حکومت برطانیہ سے گفت و شنید کا آغاز کرے۔

انگریزوں کی ناراضی کی کوئی وجہ نہیں

ہم کو یہ دیکھ کر سخت مایوسی ہوتی ہے کہ اس سلسلہ میں ابھی تک کوئی قابل اطمینان قدم نہیں اٹھایا گیا اور ہم کو بلیغ جواب دیا گیا کہ حکومت سرکار عالی ان امور پر متوجہ ہے مجھے

اس جواب میں بقول اقبال طب مغرب کا لطف آرہا ہے جس کا مزہ تو میٹھا ہوتا ہے لیکن اثر خواب آوری میں اس کی توجیہ کی غرض سے ارباب اقتدار سے ملاقات چاہتا ہوں اور بوجوہ چند در چند مجھے آج تک اس کا موقع نہیں ملا۔ حکومت کی بدقسمتی ہے کہ وہ ملک کے اہم ترین مسائل میں مسلمانوں کی تنظیم کے ساتھ اشتراک عمل نہیں کر رہی ہے جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں ہم موجودہ مجلس وزراء سے اس کی توقع بھی نہیں کر سکتے۔ شاید وہ غلط طور پر یہ سمجھ رہے ہیں کہ جس طاقت کی رضامندی ان کے تقرر کی ضامن ہے وہ ان سے ناراض نہ ہو جائے حالانکہ ہمارے اس مطالبہ سے انگریزوں کی ناراضی کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ ہم تو اپنے مقبوضات اُن سے اس وقت واپس مانگ رہے ہیں جب وہ خود اپنے پاس رکھنا نہیں چاہتے ان مسائل کو جرأت سے آگے بڑھانے کے لیے خود آگاہ و خدا بیں وزراء کی ضرورت پڑتی ہے نہ کہ خود بیں و انگریز آگاہ۔

میں یا میرے رفقاء وزارت نہیں چاہتے

اسی لیے ہم اعلیٰ حضرت بندگان عالی سے بکمال ادب

درخواست کرتے ہیں کہ وہ وزارت کی اس مشنری کو تبدیل فرمائیں جس کی نگاہیں کنگ کوٹھی مبارک سے زیادہ بلارم کی طرف لگی رہتی ہیں۔ جب میں وزارت کی تبدیلی کا بار بار مطالبہ کرتا ہوں تو یہ گمان ہو سکتا ہے اور میں نے سنا کہ پیدا ہو رہا ہے کہ میں یا میرے رفقاء وزارت چاہتے ہیں یہ حقیقت ہے کہ کوئی سیاسی جماعت حکومت کو صحیح راستہ پر نہیں چلا سکتی جب تک وہ حکومت میں دخل نہ پائے لیکن حیدرآباد میں یہ سوال اس لیے پیدا ہی نہیں ہو سکتا کہ ہم وزراء کے تقرر و تعطل و علیحدگی کا کامل اختیار اپنے بادشاہ عالی قدر کے دست مبارک میں دیکھنا چاہتے ہیں اور کسی کو اس کا مجاز نہیں سمجھتے کہ وزراء کے انتخاب میں ان کو مشورہ دے تاہم میں پبلک کے اطمینان کے لیے اس بات کا اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ میں اپنے آپ کو وزارت کا اہل نہیں پاتا انکسار اً نہیں بلکہ حقیقت میں تصور کرتا ہوں کہ مجھے کرسی وزارت پر بیٹھ کر مہمات مملکت پر غور کرنے کے لیے نہیں بلکہ گرد کوچہ و بازار بن کر قلوب کی دنیا میں طوفان برپا کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اقبال کے الفاظ میں شاہین زادہ ہوں اور میرا مقام صفر دامن کوہ اور وسعت صحرا ہے میں وہ مزدور ہوں جو راستہ تیار کرتا ہے کہ ملت اسلامیہ کی گاڑی آسانی سے

منزل تک پہنچ جائے اس لیے اپنے قلب میں اس گمان کو بھی جگہ نہ دیجئے کہ میں حکومت کا کوئی مقام چاہتا ہوں یا آئندہ قبول کروں گا چاہے وہ وزارت ہو یا وزارت عظمیٰ میرے لیے یہ فخر کافی ہے کہ میں شاہانِ آصفیہ کے وابستگان دامن سے ہوں اور میرے دل میں مملکت آصفیہ کے استحکام و استقرار کی تمنا ہر وقت بے چین رہتی ہے۔

ساری خرابیوں کی جڑ مداخلت ہے

مجلس اتحاد المسلمین اس کی کوشش ضرور کریگی کہ اعلیٰ حضرت بندگان عالی اس کے ہم خیال وزراء کا تقرر فرمائیں اور ایسا کرنا مجلس کا فرض ہے۔

حضرات! مجلس وزراء کی کوتاہیوں اور وزارت کی ناکامی کی ذمہ داری سے وزراء کو بری کیے بغیر میں یقین کامل رکھتا ہوں کہ ان کی ناکامیوں اور کوتاہیوں کی اصلی علت خود ان سے زیادہ ان کا انتخاب ہے۔ آپ کی چشم و ابرو سے محسوس کر رہا ہوں کہ میرے اس جملہ کا آپ غلط مطلب لے رہے ہیں اس لفظ سے فطرتاً آپ کی نگاہیں اس طرف جا رہی ہیں جس کو آپ مجاز انتخاب سمجھتے ہیں لیکن میرے نزدیک انتخاب کے غلطی کی ذمہ داری انتخاب

کرنے والے سے زیادہ انتخاب کی توثیق کرنے والی طاقت پر ہے۔ کاش یہ انتخاب بلا مداخلت اعلیٰ حضرت بندگان عالی کا ہوتا جو ہماری امیدوں کا آخری سہارا ہمارے اقتدار کا مرکز وحید اور ہمارے مستقبل کی درخشانی کے حقیقی ضامن ہیں لیکن آپ سن چکے ہیں کہ ایسا نہیں ہے اگر وہ اپنے اختیار کامل سے کسی وزیر کو منتخب فرماتے تو وہ ایسا وزیر ہرگز نہ ہو سکتا جس کی نگاہ ان کے سوا کسی اور کی رضامندی تلاش کرتی ہو۔ اس کے دوسرے الفاظ میں یہ معنی ہوئے کہ ہر وزیر جانتا ہے کہ اس کا انتخاب موثق نہیں ہو سکتا اور وہ کرسی وزارت کو حاصل نہیں کر سکتا جب تک توثیق کرنے والی طاقت کے ساتھ بھی وفاداری کو ثابت نہ کر لے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ساری خرابی کی اصل وزراء سے زیادہ انٹروئیشن (یعنی مداخلت) کو سمجھتے ہیں جو مشورہ کے نام سے دی جاتی ہیں ممکن ہے کہ ہمارے آبا نے ایسی مداخلت کو مخلصانہ مشورہ سمجھ کر گوارا کر لیا ہو لیکن ہم ہرگز گوارا نہیں کر سکتے۔

اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی سے مودبانہ معروضہ

اور موجودہ وزارت سے ہماری بے اعتمادی آئندہ

وزارت سے بھی متعلق ہو سکتی ہے۔ اگر مداخلت کا یہی سلسلہ آئندہ بھی جاری رہا۔ اس لیے ہمارا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ ہم اس مداخلت کو ختم کرنے کی کوشش کریں اور اعلیٰ حضرت بندگان عالی کی خدمت میں اپنے اس مودبانہ معروضہ کو پہنچا دیں کہ ملک ان کو کسی مشورہ کا محتاج نہیں سمجھتا اور درخواست کرتا ہے کہ کسی توثیق یا اجازت کے بغیر وہ ایسے وزراء کا تقرر فرمائیں جو ملک کی فلاح کا حقیقی جذبہ اپنے میں رکھتے ہوں اور جن کا عمل ان کو مستقبل میں اس اسلامی سلطنت کی آزادی کا مل کا ضامن قرار دے سکیں۔

حضرات! مجلس اس منزل کی طرف بڑھ چکی اور اس نے خوب سوچ سمجھکر اپنا قدم اٹھایا ہے جو پیچھے ہٹنے کے لیے نہیں بلکہ مسلسل آگے بڑھنے کے لیے ہے!

اصلاحات ہمارے راستہ کا سنگ میل تھا

میں آپ کو آگاہ کر دینا چاہتا ہوں کہ آزادئ دکن کی منزل اصلاحات کے مرحلہ سے زیادہ کٹھن ہے اصلاحات ہمارے راستہ کا صرف سنگ میل تھا اور آزادئ دکن اس راستہ کی منتہا اور منزل

ہے اس منزل کا راستہ پھولوں سے نہیں کانٹوں سے پٹا ہوا ہے
قوموں کی آزادی بازار کا سودا اور نمائش کی جنس نہیں کہ چند ٹکے
جیب میں ڈال کر گئے اور خرید لیا۔ یہ وہ جنس بے بہا ہے جس کی
قیمت ہماری جمع کی ہوئی دولت ہماری اعتباری عزت و ہماری
زندگی کا آرام و سکون چین بھی نہیں ہو سکتی۔ یہ منزل رسوائی سربازار
چاہتی ہے، ہنگامہ دار و رسن چاہتی ہے اور وہ جنس معاوضہ چاہتی
ہے جو ہم کو سب سے زیادہ عزیز ہو (مجمع نے چلا کر "جان" ہم اس
کے دینے کے لیے تیار ہیں) کیا بہادر خاں کی یا تمہاری جان آزادی
حیدرآباد سے عزیز تر تھی۔ (آوازیں ہرگز نہیں ہرگز نہیں) تو میں
تمہاری طرف سے کسی کو سنا دینا چاہتا ہوں کہ ع

سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

مجلس کی آواز باشندگان دکن کی آواز ہے

اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں ہے کہ میں تم کو کسی حرکت پر
اس وقت آمادہ کر رہا ہوں ان سب باتوں کا منشاء تو صرف یہ
تھا کہ میں تم کو اپنے مستقبل سے خبردار کر دوں اور پردہ اٹھا کر "چند
حقائق" دکھا دوں ابھی تو ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ مجلس کی یہ آواز

سارے باشندگان دکن کی آواز سمجھی جائے گی بہت ممکن ہے کہ ہمارا یہ دعویٰ کسی کی سمجھ میں نہ آئے اور ہم اس پر مجبور ہو جائیں کہ عملاً اپنے اس دعوے کو ثابت کریں کہ ہماری آخری تمنا وہ آواز ہوگی جس سے ہم حتی الامکان گریز کرنا چاہتے ہیں لیکن ہم مجبور کر دیئے گئے تو ہم اس سے بھی دریغ نہ کریں گے اور وہ وقت ہوگا جب کہ آپ میری آج کی باتوں کو یاد کریں گے اور آمادۂ عمل ہو جائیں گے۔

ہندو مسلم مفاہمت میں مسلمانوں کے مسلمہ اصول نظر انداز نہیں ہو سکتے

اب صرف ایک اور بات گذارش کے قابل رہ گئی وہ یہ کہ جب ہماری یادداشت شائع ہوئی اور تبدیلی وزراء کا رزولیشن منظور ہوا تو ملک کے دوسرے طبقات نے بھی اپنے اپنے انداز میں ان کی تائید کی ہم ان کی تائید کو ان کا فرض تصور کرتے ہیں اور ان کو مبارک باد دیتے ہیں کہ اپنا فرض ادا کیا اور اس کے بعد کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے جنھوں نے یقیناً آپ کو تفصیلات کے معلوم کرنے کا متمنی کر دیا ہے۔ خصوصاً مجلس شوریٰ کے

ہندو مسلم مفاہمت سے متعلق رزولیوشن نے، مجھے معلوم ہے کہ آپ میں ایک عام بے چینی پیدا کردی ہے اور آپ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ان مفاہمت کی کوششوں کی تفصیل کیا ہے۔ میں فی الحال صرف اس قدر بتا سکتا ہوں کہ پندرہ سترہ روز قبل مجھ سے چند ہندو زعماء نے ملاقات کی اور چند ایسے نقاط میرے سامنے پیش کیے جو مفاہمت کے لیے انھوں نے مرتب کیے تھے اور مجھ سے خواہش کی کہ میں مجلس کے صدر کی حیثیت سے نہیں بلکہ حیدرآباد کے ایک عام شہری کی حیثیت سے اس پر غور کروں۔

آپ جانتے ہیں کہ مسلمان کی پالیسی ہمیشہ اگر صلح خواہی نہ خواہیم جنگ رہی ہے اور گزشتہ چند سال سے میں ہمیشہ باعزت مفاہمت کے لیے آمادہ و تیار رہوں میں ابھی ان مسائل پر غور کر ہی رہا تھا کہ مجھے یہ اطلاعیں ملیں کہ بعض بالاتر گوشوں سے یہی جدوجہد راست شروع کردی گئی ہے میرے سامنے مفاہمت کی گذشتہ کوششوں کا تجربہ تھا اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ اس دوسری کوشش کے ختم ہوجانے تک میں انتظار کروں تاکہ میرا اپنا وقت اور فکر ضائع نہ ہو۔

اگر آئندہ بھی ہند و زعماء اس کی خواہش کریں گے کہ میں ان مسائل کو اپنے ہاتھوں لوں تو مجھے دریغ نہ ہوگا۔ آپ کے اطمینان کی خاطر سے میں آپ کو سنا دینا چاہتا ہوں کہ میں کسی مفاہمت میں مسلمانانِ دکن کے مسلّمہ اصول اور مسلک کو نظر انداز نہیں کر سکتا یعنے یہ کہ حیدر آباد ایک اسلامی سلطنت رہے اور اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی کے اقتدارات کامل میں جو ہمارے اقتدارات تمدنی و سیاسی کے مظہر ہیں کسی قسم کی کمی نہ آنے پائے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس بات کا یقین رکھیں کہ جو گفتگو بھی ہو اور جو تصفیہ بھی بالآخر آپ کی نمائندہ جماعت مجلس اتحاد المسلمین کرے اس سے یہ اصول ہاتھ سے جانے نہ پائیں گے۔

مجلس اپنے عزائم پر پختگی سے قائم ہے

آخر میں میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری اس تقریر کو وقت گزارنے کا ایک ذریعہ نہ سمجھیں۔ اس پر بار بار غور کریں اور اپنے احباب کے ساتھ غور کرتے رہیں۔ میری مخاطبت بالخصوص نوجوان طبقہ سے ہے۔ اپنے آپ کو پرامن

رکھیں اور کوئی قدم مجلس کی ہدایت کے بغیر نہ اٹھائیں
مجلس اپنے عزائم پر پختگی سے قائم ہے اس نے خوب
جانچ کر اپنے قدم اٹھائے ہیں اور پھر میں کہتا ہوں کہ یہ
قدم واپس لینے کے لیے نہیں اٹھائے گئے۔ مجلس کو مٹایا
جاسکتا ہے سارے مسلمانان دکن کو فنا کیا جاسکتا ہے۔ لیکن ہم کو
ان مطالبات سے نہیں ہٹایا جاسکتا۔

رقت انگیز تقریر

۱۹۵۹ء کے ملکتی مجلس اتحاد المسلمین کے سالانہ جلسے کی ابتداء حضرت قائد ملت کے خطبۂ صدارت سے ہوی اختتام اجلاس سے قبل حضرت قائد ملت نے جو تقریر فرمائی وہ درج ذیل ہے۔

معتمدین کی کارگذاریوں پر اظہار تشکر

مجلس استقبالیہ نے ان اصحاب کی ایک بڑی لمبی فہرست پیش کی جو مستحق شکریہ ہیں میں کسی کو بھی مستحق شکریہ نہیں سمجھتا۔ سب نے اپنا فرض ادا کیا اور اگر نہ کرتے تو قابل شکایت ہوتے۔ میرا شکریہ صرف یہ دعا ہے کہ اللہ ان سب کو جزائے خیر دے اس دعا میں تین اور ناموں کا اضافہ کر رہا ہوں ایک ملکتی مجلس

کے معتمد مولوی محمد عبدالروف صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل ہائیکورٹ کا نام جنھوں نے گذشتہ سال معتمدی کے فرائض کو انجام دیا اور سب سے زیادہ ان کے دوشرکاء مولوی محمد یامین زبیری صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل ہائیکورٹ اور مولوی محمد اعظم صاحب) جن کی کوششیں حکمتی مجلس کے نظم کو برقرار رکھنے میں شامل حال رہیں۔ ان حضرات نے جو اچھے کام کیے وہ ان کی خوبیاں تھیں اور ان کو شش کے باوجود کام میں جو خامیاں رہ گئیں اس کا تمام تر ذمہ دار میں ہوں کیوں کہ بہرحال اعلیٰ نگرانی کا فرض مجھ ہی پر عائد ہوتا ہے۔

مجالس اضلاع پر تبصرہ اس کے بعد قائد ملت نے ایک ایک ضلع کا نام لے کر وہاں کی تنظیم کا تذکرہ کیا اور دیر تک ضلع وار تنظیم سے متعلق ہدایات دیتے رہے خصوصاً ضلع ناندیڑ کی تنظیم کی بہت تعریف فرمائی اور اورنگ آباد کی نسبت فرمایا کہ بلدہ کے بعد مسلمانان دکن کا سب سے اہم مرکز ہونے کے باوجود وہاں کی تنظیم ابھی تک اطمینان بخش نہیں ہوئی اور یہ وہاں کے عوام کا قصور نہیں بلکہ ان کے زعماء کی فرض ناشناسی کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح قائد ملت نے رائچور کی تنظیم پر تنقید فرمائی اور افسوس کا اظہار کیا کہ

آج کے اس عظیم الشان اجتماع میں ضلع رائچور کا کوئی نمائندہ شریک نہیں۔

دوران تقریر میں قائد ملت نے فرمایا کہ الحمد للہ ہم اپنے جلسہ کی کاروائی کو بہ حسن و خوبی ختم کر رہے ہیں اور ہماری اپنی عقل و فکر کے اعتبار سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس عظیم الشان اور طویل اجتماع میں ہم نے کوئی قابل اعتراض بات نہیں کی۔ غالباً آپ میرے اس جملہ کا مطلب نہ سمجھ سکے ہوں۔ صدر صاحب استقبالیہ چاہتے تھے کہ اس کو اپنے خطبہ میں ہی ظاہر کر دیں لیکن میں نے مناسب سمجھا کہ ابتدائے کاروائی میں اس کا ذکر نہ کیا جائے آپ کو سن کر تعجب ہوگا کہ حکومت نے ہم کو آج کے جلسہ کی اجازت ایک بہت ہی عجیب و غریب شرط کے ساتھ دی تھی اور وہ شرط یہ تھی کہ "اس جلسہ میں کوئی سیاسی بات نہ ہو جو قابل اعتراض ہو"۔

حضرات! کبھی آپ نے اتنا مبہم اور بے معنی حکم حکومت کے کسی ذمہ دار ادارے کو دیتے دیکھا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ معیار پسندیدگی و اعتراض دنیا میں اتنا ہی مختلف ہے جتنا انسانوں کے چہرے اور آوازیں مختلف ہوتی ہیں۔ ایک بات جو آپ کے نزدیک انتہائی پسندیدہ ہو سکتی ہے اس کو میں انتہائی

قابل اعتراض سمجھ سکتا ہو۔

خود حکومت کے معیار پسندیدگی کا کوئی ٹھکانہ نہیں پچاسوں مقامات پر حکومت نے ان لوگوں سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ جنھوں نے ان کی شان میں مردہ باد کے الفاظ استعمال کیے جن کی زندگی ڈیڑھ کروڑ انسانوں کی زندگی ہے۔ میرے یہاں ایسے مقدمات کی فہرست موجود ہے جو عدالت میں دائر ہونے کے بعد برخاست کر دیئے گئے یا کہنے والے کو دیوانہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا گویا یہ نعرہ قابل اعتراض نہ تھا لیکن ہمارا نعرہ کہ "اعلیٰ حضرت کا تخت و تاج ہمارے سیاسی و تمدنی اقتدار کا مظہر ہے" تین سال کی کامل خاموشی کے بعد جس میں وہ یقیناً ناقابل اعتراض رہا۔ آج قابل اعتراض بن گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہماری ان تین صحبتوں میں بلند کیے ہوئے نعرہ ہائے تکبیر بھی قابل اعتراض تصور کیے جائیں اور کسی کی انتہائی بعادت بھی بنظر لطف و کرم ناقابل اعتراض قرار پائے۔

زیادہ پر لطف تو یہ بات ہے کہ جب صدر مجلس استقبالیہ نے اس طرف دوبارہ توجہ دلائی تو سررشتۂ کوتوالی سے ان کو جواب ملا کہ قابل اعتراض امور کی کوئی صراحت نہیں کی جا سکتی۔ آپ خود بہتر جانتے ہیں کہ کونسی باتیں قابل اعتراض ہیں؟ اور یہ لطف

دو آتشہ ہو جاتا ہے جب اس کی توثیق معزز ارباب حکومت سے فرما دی جاتی ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ سب کچھ اس جماعت کے ساتھ کیا جا رہا ہے جس کے خون کا ہر قطرہ، جس کی سانس کا ہر تموج، جس کی زندگی کا ہر لمحہ، اور جس کی صلاحیتوں کا ہر گوشہ اس سلطنت کی وسعت، آزادی اور استحکام کے لیے وقف ہے میں حکومت کی ان تمام کارروائیوں کی اس سے بہتر مثال نہیں سمجھ سکتا۔ جیسے کوئی شخص درخت کے کسی ڈالے پر پیٹر کی طرف منہ کر کے بیٹھے اور پھر اس ڈالے کو تراشنا شروع کرے۔ اب بھی میری پُرخلوص دعا ہے کہ خدا اس کے نتائج بد سے ملت کو محفوظ رکھے۔

معاشدار ارکان مجلس سے الگ ہو جائیں

مختصر یہ کہ مجلس کے راستے میں ہر قسم کی رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس کی ابتداء دوسرے باغی اور فرقہ پرست اداروں کے ساتھ مجلس کو شامل کر کے ملازمین سرکار کو اس میں شرکت کی ممانعت کی گئی اور اب معاشدار خطاب یافتہ اور صاحب مناسب و اعزاز مسلمانوں کو بھی اس کی شرکت سے ممنوع قرار دیا جا رہا ہے۔ میں اپنے معاشدار ساتھیوں

کے جذبات سے واقف ہوں مجھے معلوم ہے کہ وہ معاشدار رہنے سے زیادہ سلاطین آصفیہ کی نمک خواری کا فرض یہ تصور کرتے ہیں کہ مجلس اتحاد المسلمین سے وابستہ رہ کر تخت و تاج آصفی کی حفاظت کریں لیکن میں اس غلطی کا اعادہ نہ کروں گا جو آج سے بیس سال قبل ہندوستان کے زعماء سیاست نے کی تھی کہ مسلمان بچوں سے مدارس مسلمان وکلاء سے عدالتیں اور مسلمان ملازمین سے ملازمتیں چھڑوادیں جن کی تلافی آج تک نہ ہوسکی میں اپنے تمام معاشدار ارکان کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ مجلس اتحاد المسلمین سے الگ ہوجائیں۔ میں جانتا ہوں کہ اس سے ان کے جذبات ایثار کو ٹھیس لگے گی۔ لیکن کیا تعلیمات اسلام میں ایک بڑی قربانی بہت سوں کی طرف سے فدیہ کا کام نہیں دی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس سلسلہ میں میری طرف سے جو ہوگا وہ سب معاشدار ارکان مجلس کا فدیہ تصور کیا جائے گا۔

میں اپنے مالک کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے معاشدار رہنے یا سیاسیات میں حصہ لینے کا انتخاب خود ہماری صوابدید پر چھوڑا۔ اب سوچنا چاہیئے کہ آیا میں بحیثیت معاشدار سر قسم کی اسمائی کوشش سے الگ رہ کر اپنے مالک کا حق نمک ادا کرسکوں گا یا وقت

آگیا ہے کہ سیاسیات حاضرہ سے متعلق رہ کر میں اس نمک خواری کا حق ادا کروں جس کا شرف میری پانچ پشتوں کو نصیب رہا ہے میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ امتحان وفا کا وقت ہے مجھ سے بڑھ کر دنیا میں کوئی خود غرض، تن آسان، بندۂ زر اور نمک حرام نہ ہوگا اگر میں اس زمانہ میں محض اپنی جاگیر اور اعزاز کے خیال سے مالک اور ملت و ملک کی خدمت گزاری سے روگردانی کروں۔ یہ تو بہت مبارک ہوا کہ اب دیوانہ کوئے محبت جیب و دامن کی فکر سے بھی آزاد ہو رہا ہے۔

"میں نے ملک و مالک سے غداری نہیں کی"

میں اس کو اپنے لیے کوئی پابندی سمجھتا ہوں نہ سزا بلکہ یہ تو میرے لیے پروانۂ آزادی ہے پابندی بھی ایک سزا ہوتی ہے اور میں کسی سزا کا مستحق نہیں ہوں کیا اس عظیم الشان مجمع میں ایک فرد بھی ایسا ہے جو میری گفتار و کردار تو الگ چیز ہے حرکات و سکنات اور اشارہ و کنایہ میں بھی اپنے مالک سے بے وفائی اور اپنے ملک و ملت سے غداری کا کوئی شبہ اور گمان رکھتا ہو (مجمع نے آواز دی کہ پھر گرفتار کیوں ہیں) میں نے تمہاری یہ شہادت کسی دنیاوی عدالت

میں پیش کرنے کے لیے حاصل نہیں کی بلکہ اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے اور قیامت کے دن خدائے قدوس کی بارگاہ میں پیش کرنے کے لیے حاصل کی ہے غالباً کسی شاعر نے میرے ہی لیے کہا ہے ؎

وفا خطا تھی خطا میں نے زندگی بھر کی
اب اس کے بعد جو مرضی ہو بندہ پرور کی

میں آج اپنی پانچ پشتوں کے کھائے ہوئے نمک کو حلال کر رہا ہوں اور نہایت مسرت کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ ؎

بیا جاناں تماشہ کن کہ در انبوہ جاں بازاں
بصد سامانِ رسوائی سرِ بازار می رقصم
تو آں قاتل کہ از بہرِ تماشہ خونِ من ریزی
من آں بسمل کہ زیرِ خنجر خوں خوار می رقصم

انشاء اللہ زمانہ خود بتا دے گا کہ میں کیا ہوں۔ اور میں نے کس طرح اقتدارِ شاہی کا تحفظ کیا ہے۔ اور میری خدمات نہ کسی بڑی تنخواہ کی خاطر ہیں نہ منصب و جاگیر و خطاب کی خاطر!

تخت و تاج آصفی کا اقتدار ملّت اسلامیہ کا اقتدار ہے

فائد ملّت نے فرمایا کہ ان سب کے باوجود یہ نہ سمجھنا کہ میں شاہ دکن

کی خاطر مر رہا ہوں اور جان دے رہا ہوں۔ میں عبدالملک نہیں، عبداللہ ہوں اور دنیا کا کوئی صاحب ایمان عبداللہ کے سوا، اور کچھ نہیں ہوتا۔ میں تخت و تاج آصفی پر اس لیے قربان نہ ہوں گا کہ وہ جلالت الملک میر عثمان علی خاں کا تخت و تاج ہے۔ کسی فرد واحد کے لیے میری قربانی نہ شہادت ہے نہ ایثار، اور نہ خدا کے پاس اسکی کوئی جزاء میں اپنی قربانی کو اور اسکی جزاء کو زائل کرنا نہیں چاہتا یہی وجہ ہے کہ میں تخت و تاج آصفی اقتدار شاہانہ آصفیہ پر اس لیے قربان ہونا چاہتا ہوں کہ میں اس اقتدار کو ملت اسلامیہ کا اقتدار اور تخت و تاج آصفی کو ملت اسلامیہ کے اقتدار کا مظہر تصور کرتا ہوں اور اقتدار ملت اسلامیہ اعلا کلمۃ الحق کے سوا کسی اور مقصد کے لیے نہیں ہو سکتا لہذا میں حفاظت تخت و تاج آصفی اور تحفظ اقتدار شاہی کو تحفظ ملت اسلامیہ و اعلا کلمۃ الحق سمجھتا ہوں اور اسی راستہ میں مٹنے کو موت نہیں بلکہ شہادت اور حیات ابدی تصور کرتا ہوں۔

مجھ سے بار بار سوال کیا جاتا ہے کہ اب ہم کیا کریں اس سے قبل کہ میں اس کا جواب دوں تین سوالات کا تم سے جواب چاہتا ہوں تم نے مجھے ایک ڈرنے والا اور خوف زدہ تو نہیں پایا (مجمع نے آواز دی ہرگز نہیں ہرگز نہیں) تم نے مجھے پیچھے ہٹنے والا تو نہیں دیکھا

(مجمع نے کہا کہ ہرگز نہیں) اب بتاؤ کہ تم خود کیا کرنا چاہتے ہو؟ (اس پر جواب ملا کہ ہم آپ کے ہر اشارہ پر جان دینے کو تیار ہیں) میرے لیے جان دے کر اپنی موت کو مُردار نہ کرو۔ جو غیر اللہ کے لیے جان دیتا ہے وہ مردار موت مرتا ہے اور تمہاری جان کی اس وقت کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میرے آشیانے پر بجلی چمک رہی ہے۔ اس کو جل جانے دو تمہارے لیے یہ مبارک فال ہے۔ یہی ابر تمہارے گلشن حیات پر برسیں گے اور بہت جلد اس میں بہار آئے گی میں اپنے اجڑے ہوئے آشیانہ کی خاکستر پر بیٹھا اس بہار کا لطف اٹھاؤں گا ہوائیں چل رہی ہیں۔ ابر چھٹیں گے آفتاب امید چمکے گا اور دنیا دیکھے گی کہ حق ہمیشہ کامیاب ہوتا ہے اور باطل کے پرخچے دھنکی ہوئی روئی کی طرح اڑتے ہوئے نظر آئیں گے۔

قائد ملّت اور مسلمانوں کا عہد و پیمان رخصت ہونے سے پہلے میری چند نصیحتیں سن لیجئے اور عہد و پیمان کیجئے کہ آپ مجلس پر اعتماد کامل رکھتے ہیں۔

دارالسلام کا عظیم الشان مجمع۔ ہم وعدہ کرتے ہیں۔

قائد ملت۔ مجلس سے کامل وابستگی کا عہد کرو۔

مجمع۔ ہم عہد کرتے ہیں۔

قائدِ ملّت ۔ مجلس کے خلاف جو غلط فہمیاں پیدا کی جا رہی ہیں جب موقع ملے ان کو رفع کرو کیوں کہ زبان کے سوا اب ان غلط فہمیوں کے رفع کرنے کا کوئی دوسرا ذریعہ ہمارے لیے باقی نہیں رہا ہے۔

مجمع ۔ ہم وعدہ کرتے ہیں

قائدِ ملت ۔ جو تم سے بچھڑ گئے ہیں ان کو برا نہ کہو بلکہ کوشش کرو کہ وہ پھر مجلس سے وابستہ ہو جائیں۔

مجمع ۔ ان پر لعنت بھیجو۔

قائدِ ملّت نے فرمایا کہ خبردار میں اس کو بہت برا سمجھتا ہوں میں آقائے دوجہاں کی اتباع میں دعا کرتا ہوں کہ اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون۔

دعائے مضطرب قائدِ ملّت نے اختتام پر اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور بھرائی آواز، کپکپاتے ہوئے لہجہ اور درد بھرے الفاظ میں کہا۔ ان ہاتھوں کا واسطہ جن میں چکی پیستے پیستے چھالے پڑ گئے تھے۔ اس پیٹھ کے واسطہ سے جس پر جناب حسینؓ سوار ہو جایا کرتے تھے۔ اس دندانِ مبارک کے صدقے سے جو جنگ اُحد میں شہید ہوا تھا۔

مضطرب دعا مانگی کہ

پروردگار! ہم سیاہ کار ہیں۔ ہم بے عمل ہیں۔ ہمارے قلوب کو خلوص سے بھر دے۔ نیتوں میں صداقت عطا کر، ریا سے بچا، سیدھا راستہ چلا اور اس پر ثابت قدم رکھ، ترغیب و ترہیب کے امتحان میں کامیاب کر۔ امتحان میں مبتلا کر تو کامیابی دے، پروردگار ہم تجھ ہی سے مانگتے ہیں تیرے سوا ہمارا کوئی نہیں، بار الہا شاہ ذیجاہ حضرت جلالتہ الملک کو تا دیر سلامت باکرامت رکھ سلطنت اسلامیہ آصفیہ کو شر و رو فتن سے محفوظ رکھ۔ آمین۔

لاتور کے سالانہ جلسہ میں

قائدِ ملّت نواب بہادر یار جنگ بہادر کی تقریر

حضرت قائدِ ملت نے مجلس اتحاد المسلمین لاتور کے سالانہ جلسہ میں یہ تقریر فرمائی تھی۔

لاتور کی اہمیت

مجلس نے لاتور کی اہمیت کو کبھی نظر انداز نہیں کیا ہے۔ دستور جدید سے قبل مجلس لاتور کو مجلس ضلع کا درجہ حاصل تھا گو جدید تنظیم میں اس کی یہ حیثیت باقی نہیں رہی مگر مجلس شوریٰ میں اس کی اہمیت کے مدنظر اس کو ایک زائد نشست دی گئی ہے مجلس لاتور اس وقت سے قائم ہے جب کہ ہماری موجودہ شاخوں میں سے سینکڑوں شاخیں عالم وجود میں نہیں آئی تھیں اس لیے میں اس کو ابتدائی مجالس میں سے ایک سمجھتا ہوں اس

کی وجہ یہ ہے کہ لاتور میں ایک تڑپتا ہوا دل موجود ہے۔ اگر سید محمد قاسم رضوی اس جلسہ میں موجود نہ ہوتے تو میں اپنے اس جملہ کی زیادہ وضاحت کرتا لیکن میری عادت ہے کہ اپنے کارکنوں کی موجودگی میں ان کی غلطیوں پر گرفت کرتا ہوں اور ان کے محاسن کا بہت کم ذکر کرتا ہوں۔

سنگ میل کو منزل نہ سمجھ لیا جائے

لاتور کے پچھلے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے قائد ملت نے فرمایا کہ میں اس کی تفصیل میں نہ جاؤں گا لیکن اجمالاً اس کی نسبت ضرور یہ کہوں گا مجھے یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ ہمارے کارکن اور ارکان، سنگ میل کو منزل سمجھ لیتے ہیں اور اصولی مسائل کو چھوڑ کر فروعی مسائل سے الجھ جاتے ہیں اور سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ ہم اشخاص کو مجلس سمجھنے لگے ہیں حالانکہ اشخاص ایک اجتماعی ادارے میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے ہم سب آنے اور جانے والے ہیں ہم کو ذمہ دارانہ مقامات حاصل ہوتے رہیں گے اور چھوٹتے رہیں گے اعلیٰ چیز ادارہ اور اس کا مقصد ہے اگر اتنی سمجھ ہم میں پیدا ہو جائے تو پھر ہمارے

سب کام آسان ہو جائیں۔ مجھے یقین ہے کہ جو ناگوار واقعات یہاں پیدا ہو گئے ہیں مجلس کے صدر کی فراست بے لوث صداقت اور ۔ ۔ ۔ ۔ محبت خود ان کو سلجھائے گی اور یہ ایسے اچھے ناخن ہیں کہ کوئی گتھی ان کی موجودگی میں الجھی ہوئی نہیں رہ سکتی۔ ہماری نمازوں میں ایک نماز باجماعت ہے جو بغیر امام کے ادا نہیں ہو سکتی۔ مسلمانو تمھیں امام کو بدلنے کا اختیار ہے لیکن جب تک وہ امام ہے اس سے سرتابی کا تم کو حق نہیں۔ اب میں مجلس لاتور کے صدر سے مخاطب ہوتا ہوں اور ان کو اقبال کا یہ پیغام سنانا چاہتا ہوں کہ شعر

اے رہبرِ فرزانہ مایوس نہ ہو ان سے
کم کوش سہی لیکن بے ذوق نہیں راہی

آج ہماری بہت سی مجالس ضلع اور مجالس ابتدائی کے صدر جو اپنے اپنے مقام پر قیادت کے حامل ہیں ان کو اقبال نے بہت اچھی نصیحت کی اور میں اس سے زیادہ اچھی نصیحت نہیں کر سکتا اقبال فرماتے ہیں ؎

نگہ بلند سخن دل نواز، جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کیلئے

میں چاہتا ہوں کہ ان میں سے ہر ایک اس شعر کو لکھ کر اپنے کمرہ میں لٹکائے رکھے اور وہ یاد رکھے کہ شیر کا شکاری اپنا فیر چھوٹے جانوروں پر خالی نہیں کرتا۔ اس طرح بلند مقصد کے حامل ادارہ کا صدر اپنی توجہ فروعی مسائل میں صرف نہیں کرتا قائد اور صدر کا سب سے بڑا ہتھیار سخن دل نواز ہے اس زبان کو تیر و نشتر نہیں بلکہ کند محبت ہونا چاہیئے اور اس کے نخچیر اپنے لوگ ہی نہیں بلکہ سب سے زیادہ ان کو چاہیئے جو اپنے اندر کوئی نقص رکھتے ہیں اور یہ دونوں صفات اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتیں جب تک جان پر سوز نہ ہو۔ اللہ کے فضل سے مجھے ہر مقام پر ایسے کارکن مل گئے ہیں جن پر میں کامل اعتماد رکھتا ہوں۔

گذشتہ واقعات کا ذکر

میں نے اس وقت کہا تھا کہ موافق ہوائیں چلیں گی، طوفانی بادلیں چھٹیں گے اور کامرانی کا سورج چمکے گا آج میں کہہ سکتا ہوں کہ اس کے آثار نمودار ہو گئے ہیں۔ الحمدللہ کہ مجلس کی ایک بہت اہم درخواست کو حضرت جلالۃ الملک نے شرف قبولیت عطا فرمایا اور مجلس کی عین توقع کے مطابق

سابق صدر اعظم بہادر اپنے وقت پر خدمت صدارت عظمیٰ سے سبکدوش ہوئے اور توسیع کا وہ سلسلہ جو حیدرآباد کی روایات قدیم میں داخل ہوگیا ہے ختم کردیا گیا۔

سر اکبر سے کوئی ذاتی مخالفت نہیں تھی

مجھے یا مجلس کے کسی رکن کو سر اکبر سے کوئی ذاتی مخالفت نہ تھی نہ ہے جب سے میرے والد مرحوم نے یہ کہہ کر ملایا تھا کہ یہ ہمارے دوست اور تمہارے بزرگ ہیں۔ میں ہمیشہ ان کو اپنا بزرگ سمجھتا رہا ہوں ہمارا ان سے اختلاف ہمیشہ اصولی اور آئینی رہا ہے میں نے خود ان سے ایک مرتبہ کہا تھا کہ اگر خود میرے والد مرحوم ان کی جگہ پر ہوتے تو میرا اس اصولی اختلاف میں کوئی فرق نہ آتا۔ مجلس اس تبدیلی سے پوری طرح مطمئن نہیں ہے اور آج میں اپنے اس معروضۂ ادب کا اعادہ کرتا ہوں جو مجلس کے رزولیوشن کی صورت میں بارگاہ جلالت الملک میں گزرانا گیا تھا۔ جن وزراء کی مدت ختم ہوجائے ان کو توسیع نہ ملنی چاہیئے۔ دنیا کے کسی دستور میں وزراء کی مدت پانچ سال سے زیادہ نہیں ہوتی مجلس کو یقین ہے کہ بندگان عالی

کی نگاہ حقیقت شناس اس کی طرف بہ عجلت منعطف ہوگی اور ملک کو اطمینانِ خاطر حاصل ہوگا۔

نئے صدر اعظم بہادر

جدید صدر اعظم نواب احمد سعید خاں میرے دیرینہ کرم فرما ہیں اور آل انڈیا مسلم لیگ کے سلسلے میں مجھے بارہا ان کے ساتھ ایک جگہ جمع ہونے کا موقع ملا ہے وہ ایک تجربہ کار اڈمنسٹریٹر ہیں اور ہندوستان کے ایک صوبہ کی وزارت و گورنری کے فرائض انجام دے چکے ہیں۔

اہل ملک کی توقعات نئے صدر اعظم بہادر سے

ان کی نسبت مجلس کی رائے کا انحصار مستقبل پر ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ حیدرآباد کی نشاۃ ثانیہ کا باعث ثابت ہوں گے۔ اگر حیدرآباد کی پرانی بیماریوں نے ان کو متاثر نہ کیا اور انھوں نے اپنے تدبر و فراست سے ان پر غلبہ پالیا تو ان کی صدارت ملک کے لیے ... مبارک و مسعود ثابت ہوگی۔ اب جب کہ انھوں نے اپنے عہدۂ جلیلہ کا جائزہ حاصل کرلیا ہے

میں اپنی پہلی فرصت میں جو آج حاصل ہو رہی ہے اہل ملک کے حقیقی جذبات کو ان کی توجہ میں لانا چاہتا ہوں اور اس پلیٹ فارم سے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہم ان سے کیا توقع رکھتے ہیں۔ تفصیلات میں گئے بغیر صرف چند اصولی مسائل کی طرف آج ان کی توجہ مبذول کراؤں گا۔ شاید عنقریب مجلس ان کی خدمت میں ایک تفصیلی نظام نامہ پیش کرے۔

ذاتِ شاہانہ کے اقتدار کی کاملیت

(۱) ہم کو یقین ہے کہ جس نگاہِ انتخاب نے ان کے اپنے الفاظ میں نواب صاحب چھتاری کو ذرۂ بے مقدار سے آفتاب عالمتاب بنایا" اس کے اقتدار کی کاملیت کا تحفظ ان کا پہلا مقصد حیات ہوگا وہ اندرونی و بیرونی حیثیت سے کبھی اس کو گوارا نہیں کریں گے کہ اعلیٰ حضرت کے اقتدارات شاہی میں کسی قسم کی کمی یا تقسیم عمل میں آئے اور ان تحریکات کا پوری قوت سے مقابلہ کریں گے جو مختلف جدید رجحانات کے نام سے بندگان عالی کے اختیارات کو تقسیم یا تبدیلی کرنا چاہتی ہیں۔

حیدرآباد کا معاہداتی موقف

(۲) ہم کو یقین ہے کہ نواب صاحب چھتاری جیسے مدبر کی موجودگی میں جن کو ایک عرصہ دراز تک ہماری حلیف سلطنت برطانیہ کا کامل اعتماد حاصل رہا ہے حیدرآباد کا معاہداتی موقف زیادہ سے زیادہ بلند اور مضبوط ہو جائے گا اور یہی ایک وزیر اعظم کا اہم ترین فریضہ ہے کہ وہ اپنی سلطنت کی معاہداتی حیثیت کو زیادہ سے زیادہ بلند تر کرے۔

(۳) سلطنت آصفیہ اپنے حلیف حکومت برطانیہ کی امداد و اعانت میں سب سے زیادہ پیش پیش رہی ہمیں یقین ہے کہ جدید صدر اعظم بہادر حیدرآباد کی اس روایت کو برقرار رکھیں گے اور حکومت برطانیہ کی موجودہ مشکلات میں امداد کے لیے حیدرآباد کو زیادہ سے زیادہ تیار کریں گے اور اپنی پہلی فرصت میں حیدرآباد کی حربی طاقت کا جائزہ لیں گے اور ان کو اتنا طاقتور بنانے کی کوشش کریں گے کہ ہمارا حلیف اپنی ہر ضرورت کے لیے ہم پر

کامل بھروسہ کر سکے۔

نظم و نسق کی اصلاح کی ضرورت

(۴) سب سے آخر میں لیکن اپنی اہمیت کے اعتبار سے سب زیادہ زور میں اس پر دینا چاہتا ہوں کہ جدید صدر اعظم بہادر کو سلطنت کے نظم و نسق کی طرف اپنی توجہ مبذول کرنی چاہیئے کیونکہ نظم و نسق کی اصلاح پر ہی ملک کی تمام تمناؤں کا انحصار ہے جب میں نظم و نسق کی بعض خامیوں کا ذکر کرتا ہوں تو بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ میں اپنے دامن کے بعض گوشوں کو اپنے ہاتھوں سے ہٹا کر اپنے جسم کے داغوں کو عریاں کرتا ہوں لیکن انھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ میرا منشاء ہمیشہ اس سے اپنے مرض کا علاج ہوا کرتا ہے کیونکہ اس علاج کی کامل ذمہ داری صدر اعظم باب حکومت کے دوش پر ہے اس لیے میں مجبور ہوں کہ اپنا مرض بلا تکلف اپنے طبیب کے سامنے رکھ دوں اس سلسلہ میں بھی مجھے چار امور کی طرف صدر اعظم بہادر کو توجہ دلانا ہے۔

معین پالیسی کا فقدان (۱) سب سے پہلی چیز یہ کہ

ہم دنیا کے تمام نظام ہائے حکومت کے خلاف حیدرآباد کی کوئی معین پالیسی نہیں پاتے۔ جب بعض ہندیداروں سے میں حکومت کی پالیسی سے متعلق گفتگو کرتا ہوں تو مجھے ہمیشہ مایوسی ہوتی ہے۔ ضرورت ہے کہ صدر اعظم بہادر اپنی پہلی فرصت میں اپنی حکومت کی معین اور مستقل حکمت عملی کا اعلان کریں تاکہ ایک طرف رعایا اور دوسری طرف ہندیداران حکومت اس کو اپنے لیے مشعل راہ بنا سکیں۔

سلطنت کے مالیہ کی جانچ کرانی چاہئے

(۲) دوسری چیز جو ہمارے صدر اعظم بہادر کی توجہ کی مستحق ہے وہ ہمارا مالیہ ہے جس کی مضبوطی کے بلند آہنگ دعووں سے چار دانگ عالم گونج رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس پر نظر تعمق ڈالی جائے اور دیکھا جائے کہ ہمارے مالیہ کی بنیاد سلطنت کی حقیقی آمدنی سے زیادہ قرض پر تو نہیں ہے؟ مالیہ کی درستی کے لیے آمدنی سے زیادہ مصارف کے پہلوؤں پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہے اور مصارف کو جو ہر گوشۂ اہل ملک کی نگاہوں میں سب سے زیادہ شدت کے ساتھ کھٹک رہا ہے وہ

ہی جدیداروں کی تنخواہ کا معیار ہے جس سے ایک بہت بڑی رقم بچا کر اس کے تعمیری کاموں میں صرف کی جا سکتی ہے۔ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی نے اپنے ایک معروضے میں نواب صاحب چھتاری کو یوسف کنعاں سے تشبیہ دی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ نواب صاحب اس تشبیہ کو حقیقت کر دکھائیں گے۔ اور ان کے ہاتھ میں حیدرآباد کا مالیہ اسی طرح مضبوط بن جائیگا جس طرح حضرت یوسف کے ہاتھ میں آکر مصر کی دنیا خوش حال ہو گئی تھی۔

نظم و نسق کا سب سے زیادہ بدنما داغ ہے

(۳) تیسری جو چیز ہمارے نظم و نسق کا سب سے زیادہ بدنما داغ ہے وہ تقررات میں جانبداری ہے۔ ایک زمانہ تک تو ہم صرف (NEPOTISM) کی شکایت رہی لیکن اب وہ (FAVOURITISM) کے حدود سے بھی تجاوز کر رہی ہے۔ ہے صدر اعظم بہادر تقررات کا ایک صحیح معیار مقرر کریں جو ملک کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو مطمئن کر سکے۔

رشوت ستانی کے انسداد کی ضرورت (۴) ایک آخری

چیز جس کی طرف میں اپنے جدید صدر اعظم بہادر کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں وہ رشوت ستانی کی کثرت ہے جس کو خود حکومت نے کچھ دنوں قبل محسوس کیا اور مجلس عالیہ عدالت نے اس کی نسبت ایک سوال بند جاری کیا تھا۔ کوئی سلطنت خوشحال کے دن دیکھ نہیں سکتی جب تک رعایا کو اس کے کارکنوں پر اعتماد نہ ہو اور وہ ان کو اپنی دولت کے ڈاکو کے بجائے اپنے مال و عزت کا محافظ نہ سمجھنے لگے۔ اس مرض کا علاج کمیٹیوں اور تحقیقاتی رپورٹوں سے نہیں ہو سکتا اس کے لیے فولادی پنجہ اور آہنی بازو کی ضرورت ہے اس سلسلہ میں ایک معین تجویز صدر اعظم بہادر کی توجہ کے لیے رکھنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ دو یا تین نہایت با اصول دیانتدار اور باخبر عہدیداروں کی ایک با اختیار کمیٹی قائم کی جائے جس کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ جس کمیٹی کے متعلق بہ پیش رفت رائے عامہ دیکھے کہ وہ رشوت کھاتا ہے اس کو بلا تامل برطرف کر دے۔ اگر رشوت کے لیے تحقیقات و ثبوت کو شرط قرار دیا جائے تو میں یقین دلاتا ہوں کہ جس طرح زنا بالجبر کا ثابت کرنا مشکل ہے اسی طرح رشوت کا ثابت کرنا بھی دشوار ہوگا خصوصاً جب کہ مرتشی بھی مستحق سزا سمجھا جاتا ہے اس کا ایک ہی معیار ہو سکتا ہے اور وہ

رشوت عامہ جس کا جانچنا کمیٹی کے فیصلے بجز اس صورت کے قابل مرافعہ نہ ہوں گے خود کمیٹی کے کسی رکن پر جانبداری کا الزام لگایا جائے۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارے جدید صدر اعظم بہادر ان مشوروں کی طرف اپنی پوری توجہ مبذول کریں گے جو نہایت صحیح اور دوستانہ اسپرٹ میں ان کو دیئے جا رہے ہیں میں دعا کرتا ہوں کہ ان کا دور حکومت حیدر آباد کے لیے مبارک و مسعود اور ہماری تمناؤں کی تکمیل کا باعث ثابت ہو۔

آقا اور خادم کا معاملہ

آج کی تقریر کو میں ایک خاص مسئلہ کی طرف اشارہ کیے بغیر ختم نہیں کروں گا کیونکہ میں آپ سب کے چشم ابرو سے یہ اندازہ لگا رہا ہوں کہ آپ جریدہ غیر معمولی مورخہ ۸ شعبان المعظم ۱۳۶۰ھ کے متعلق مجھ سے کچھ سننا چاہتے ہیں۔ اس کا مختصر جواب تو یہ ہے کہ یہ آقا اور خادم کا معاملہ ہے جس پر کسی دوسرے کو غور کرنے کا کوئی حق نہیں۔

محتسب را درون خانہ چہ کار

ایک خادم کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے آقا کے قلب مطہر

میں اس کے طرف سے کوئی تکدر موجود ہے خادم اپنا سر نیاز
خم کر دیتا ہے اور عفو تقصیر کی درخواست کرتا ہے لیکن مجھے یہ
دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ بعض شریر اور شرارت جو اخبار نویس
میرے اس معروضہ اور معافی نامہ کو حکومت سے متعلق کرنے کی
مفسدانہ کوشش کر رہے ہیں حالانکہ میرے اس معافی نامہ کو حکومت
سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں۔ جن لوگوں نے اس کو غور سے
پڑھا ہوگا وہ جانتے ہیں کہ میرا معافی نامہ ایک معین مسئلہ
سے متعلق ہے اور وہ معاشداروں کا سیاسی تحریکات میں حصہ
لینا فرمان مبارک کی اشاعت کے بعد میں حسب سابق اپنی سیاسی
سرگرمیوں کو جاری رکھتا ہوں اس کو فرمان مبارک کی خلاف ورزی
سمجھا جاتا ہے اور میرے آقا کے سمع ہمایونی تک اس کو خلاف ورزی
کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے اور میں سنتا ہوں کہ میرا وہ عمل
جس کو میں نے خود فرمان مبارک کی عطا کردہ اجازت تصور کیا تھا
خلاف ورزی تصور فرمایا جائے اور طبع گرامی پر بار ہو رہا ہے تو
پشتنی وفاشعار کی حیثیت میں میں اپنے مالک کے سامنے اپنا سر نیاز
خم کرتا اور معافی چاہتا ہوں کہ میں کبھی ایک وفاشعار خادم کے
سوا اور کچھ نہیں ثابت ہو سکتا میری سیاست ہمیشہ آئینی

رہی ہے اور آئندہ بھی میری سیاسی سرگرمیاں آئینی بنیادوں پر قائم رہیں گی۔ اس میرے معروضہ کو جو معافی نامہ ہے اور جس کے معافی نامہ ہونے پر مجھے فخر ہے شرف قبولیت عطا ہوتا ہے۔ یہ ایک عزت ہے جو کسی کو نصیب نہیں ہو سکتی کہ اپنے آقا سے معافی مانگے اور معاف کیا جائے۔ اتنی سی بات ہے شریر الطبع لوگ افسانہ بنا رہے ہیں۔

حیدرآباد اور بعض خود مختار ممالک

حضرت قائد ملت نے یوم خود مختاری کے جلسہ میں "حیدرآباد اور بعض خود مختار ممالک" کے زیر عنوان ۲۳ر دسمبر ۱۳۴۳ف کو جو تقریر فرمائی تھی وہ تقریر "جشن عثمانی" نامی کتاب کے صفحہ ۱۶۵ سے صفحہ ۱۷۱ پر شائع ہوئی ہے۔ جلسہ کس مقام پر ہوا اس روئداد میں درج نہیں ہے۔

ہمارے آج کے اجتماع کا مقصد آپ سب کو معلوم ہے کہ تقریباً دو سو سال کے بعد آج اس اعلان کی یاد منانے کے لیے جمع ہوئے ہیں جو اعلیٰ حضرت نواب میر نظام علی خاں بہادر آصف جاہ نے سلطنت دکن کی خود مختاری کی نسبت فرمایا تھا۔ جس طرح انسان کی زندگی کے علامات میں ایک اہم چیز رنج و مسرت کا احساس بھی ہے اسی طرح وہ قومیں زندہ کہلانے کی مستحق ہیں جو اپنی خوشی اور رنج کا احساس رکھتی ہیں اور ان اساسی تغیرات کو ہمیشہ یاد رکھتی ہیں جو ان کی تاریخ

حیات کی تربیت کا مواد بننے کے لیے اس ماہ نومبر کے مہینہ میں آپ اس لمحہ سے گزر چکے ہیں جب کہ گزشتہ جنگ عظیم ایک فتحمندانہ صلح سے بدل گئی تھی وہ تاریخ ولمحہ آج بھی اتحادیوں کے نزدیک ایک یادگار دن ہے آپ نے دیکھا کہ اس یادگار کے منانے میں مارکٹوں میں خرید و فروخت عدالتوں اور محکموں میں کاروبار میدانوں میں کھیلی ہی نہیں بلکہ سمندروں میں جہاز اور فضا میں طیارے ساکن وصامت ہوکر اس دن کی یاد مناتے ہیں۔ دنیا کے دوسرے ممالک کی طرح حیدرآباد کی تاریخ بھی اپنے اوراق پر پچاسوں ایسے واقعات رکھتی ہے جن میں سے ہر ایک ملکی جشن اور ملکی عید کے لیے منتخب کیا جا سکتا ہے لیکن کسی ملک کے لیے اس سے بڑھ کر مسرت خیز اور قابل یادگار کوئی اور دن نہیں ہو سکتا جب کہ اس کے بادشاہ نے ایک کمزور شہنشاہ کے بے جا انتداب اور تسلط سے نجات حاصل کر کے اپنی خود مختاریت اور استقلال کا اعلان فرمایا ہو اور اس ملک کو دنیا کے دوسرے آزاد خود مختار ممالک کے ساتھ دوش بدوش کھڑے ہونے کا امتیاز بخشے مشرق اور خصوصاً حیدرآباد کی غیر سیاستدانی نے گزشتہ دوسو سال سے اس یوم سعید کو اپنے طاق نسیاں کا سرمایہ بنا دیا تھا بالآخر وہ دن بھی آیا کہ حیدرآباد کی خوش نصیبی اس کے تخت پر ایک ایسے بیدار مغز بادشاہ

کی رونق افروزی کی صورت میں نمایاں ہوگئی جو نہ صرف رعایا کی جسمانی ومعاشرتی فلاح وبہبود کی فکر میں لگا رہتا ہے بلکہ اس نے اس کی روحانی اور اجتماعی تربیت کا بھی بیڑہ اٹھایا ہے تعطیل کے اعلان سے اس یوم سعید کی اہمیت حضرت حکیم السیاست نے ہم کو بتادی اگر ہم اس سے فائدہ نہیں اٹھا رہے ہیں اور وہ بھی ہماری دوسری تعطیلوں کی طرح بیکاری میں گزر رہی ہے تو یہ ہماری بدبختی ہے آج کے جلسہ کے قیام کا مقصد یہی ہے کہ ہم اس اعلان کی اہمیت کا اندازہ کریں اور اس کے تذکرہ سے اپنے آپ کو اپنے ملک کو پہچانیں اور اپنی آپ قدر کرنے کے قابل ہو جائیں آپ نے اپنے ملک کی گزشتہ اور موجودہ تاریخ سے متعلق بہت کچھ سنا اور اپنی سلطنت اور ... اور ہندوستان کی دوسری ریاستوں کی طرح ایک دیسی ریاست کہنے کو آپ اپنی اور اپنے ملک کی ذلت تصور فرماتے ہیں آپ نے معلوم کرلیا کہ آپ ایک مستقل سلطنت ایک مکمل اور ایسے معاہدات کے ساتھ شہنشاہیت برطانیہ کے حلیف اور یار وفادار ہیں جو آپ کو سلطنت عالیہ برطانیہ کا ایک طاقتور اور خود مختار دوست نما ہست کرتے ہیں اب میں بتانے کے لیے سامنے کھڑا ہوا ہوں کہ دنیا کے آزاد خود مختار ممالک کی فہرست تیار کی جائے اور

ان میں سے ہر ایک سے آپ کی حکومت و سلطنت کی مختلف نوعیتوں اور حیثیتوں سے مقابلہ کیا جائے تو آپ کسی سے کم ثابت نہ ہوں گے اور اکثروں سے بحیثیت مختلف آپ کا تفوق مسلم ہوگا کسی سلطنت و مملکت کا جب ہم دوسری سلطنت یا مملکت سے مقابلہ کرتے ہیں تو اس تقابل میں چند ہی چیزیں دیکھی جاتی ہیں۔ رقبہ مملکت آبادی (مردم شماری) رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے فی مربع میل آبادی کا تناسب آمدنی اور اس کے ذرائع اور امکانات تعلیم و شائستگی وغیرہ اور اب بیسویں صدی میں فوجی اور جنگی طاقت سب سے زیادہ قابل لحاظ چیز بن گئی ہے۔ دنیا کے جغرافیہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو جائے گا اس وقت جو ممالک دنیا کی بساط پر سب سے اہم جزوں کا پارٹ ادا کر رہے ہیں ان میں بھی اکثروں سے حیدرآباد امتیازات خاص رکھتا ہے۔ رقبہ کی نسبت جب ہم کسی ملک کی عظمت و بزرگی کا تخیل کرنے لگتے ہیں تو سب سے پہلا اور اہم سوال جو کسی شخص کے دل میں پیدا ہوتا ہے وہ اس کے رقبہ حکومت کا خیال ہے اس کی بڑائی صرف اس میں تھی اور ہے کہ وہ ایشیا اور یورپ کے بہت بڑے رقبہ کا مالک ہے آج بھی سلطنت برطانیہ کی عظمت سب سے پہلے اس خیال سے پیدا کی جاتی ہے کہ اس کے حدود مملکت سے کہیں آفتاب

کی روشنی دور نہیں ہوتی۔ لیکن آپ کو یہ دیکھ کر حیرت ہوگی کہ دنیا میں بعض ایسے بھی آزاد و خود مختار ممالک ہیں جن میں سے بعض کا رقبہ حیدرآباد کے کسی صوبہ کے برابر بھی نہیں ہے لیکن وہ آزادی اور خود مختاری کے دل تمام لوازم سے بہرہ اندوز ہیں جو ایک بڑی سے بڑی آزاد سلطنت رکھتی ہے۔ مثلاً یونان کا رقبہ (۴۹۰۰۰) مربع میل ہے۔ بلغاریہ کا (۴۰۰۰۰) پرتگال کا (۳۵۵۰۰) البانیہ کا (۲۰۰۰۰) ڈنمارک کا (۱۵۰۰۰) ہالینڈ کا (۱۲۷۶۰) بلجیم کا (۱۱۰۰۰) مربع میل ہے اور ان سب کے مقابلہ میں حیدرآباد کا رقبہ اپنی موجودہ حالت میں (۸۶۶۹۸) مربع میل یعنی (۵۲۹۷۲۰) ایکر ہے گویا جن آزاد بادشاہتوں اور جمہوریتوں کا ذکر کیا گیا ان میں سے بعض سے دگنا بعض سے چار گنا اور بعض سے چھ بلکہ سات گنا زیادہ ہے لیکن اگر حیدرآباد سے اس موجودہ رقبہ میں آپ ہردو کے رقبہ کو بھی شامل کرلیں جو بلاشبہ اور جائز طور پر مملکت حیدرآباد کا ایک جزو ہے تو بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ اس کا رقبہ مملکت یورپ کے درجہ اول کی سلطنتوں انگلستان جرمنی فرانس اٹلی اور ہسپانیہ سے زیادہ نہیں تو ان کے برابر ضرور ہوجائیگا

دوسری اہم وجہ امتیاز جو ایک مملکت کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کی حکومت کے زیر سایہ کتنے نفوس انسانی زندگی

بسر کر رہے ہیں۔ بعض ایسے ملک بھی دنیا کے نقشہ پر ملیں گے جن کا رقبہ ایک براعظم کے اس کنارہ سے اس کنارہ تک پھیلا ہوا ہے۔ لیکن آبادی اس میں ایسی ہی ملے گی جیسے ایک صحرائے لق دق کا شان، آبادی کی کمی اور زیادتی کے اسباب مختلف ہو سکتے ہیں لیکن اراضی کے بڑے حصہ کا بنجر صحرا، پہاڑ اور اسی طرح دوسرے اسباب کی بناء پر ناقابل کاشت ہونا لیکن مملکتوں کا غلط نظام حکومت اور رعایا کا اس سے مطمئن نہ ہونا کہیں اقتصادی معاشی حالت کی خرابی وغیرہ حیدرآباد کی آبادی گزشتہ مردم شماری کی رو سے بلاشمول صوبہ برار (۱۴۴۳۶۱۴۸) ہے اگر اس کو رقبہ مملکت پر تقسیم کیا جائے تو فی مربع میل (۱۷۵) کے نفوس کا اوسط آتا ہے۔ برخلاف اس کے دنیا میں بہت سے ایسے خود مختار اور آزاد ممالک ملیں گے جن کی آبادی کو حیدرآباد کی آبادی سے کوئی نسبت نہیں۔ اس تناسب آبادی کی قرار داد میں ہم ان ممالک کو نظر انداز کرتے ہیں جن کے رقبہ سے اوپر بحث ہوئی کیونکہ ظاہر ہے کہ ان کی آبادی بھی رقبہ کے تناسب سے کم ہوگی اور ہے مثلاً یونان جس کی آبادی (۷۰) لاکھ ہے اور فی مربع میل اس کی آبادی کا اوسط (۶۷) نفوس ہے۔ بلغاریہ جس کی آبادی صرف (۵۵) لاکھ ہے اور فی مربع میل (۳۷) نفوس ہے۔

البانیہ جس کی آبادی صرف (۱۰) لاکھ ہے اور فی مربع میل (۵۰) نفوس ہے۔ نیپال جس کی آبادی صرف (۵۶) لاکھ ہے اور فی مربع میل (۱۰۰) نفوس ہے۔ مذکورہ بالا ممالک کی آبادی کے اعداد و شمار پر غور کرتے ہوئے یہ امر بھی ملحوظ رہنا چاہیئے کہ یہ یورپ کے وہ ممالک ہیں کہ زرخیزی کے اعتبار سے مشہور اور ہر قسم کے اقتصادی اور معاشی تفوق سے سرفراز ہیں ان میں سے اکثروں کی اپنی بندرگاہیں ہیں زراعت تجارت صنعت کسب معاش کے بیسیوں ذرائع ان کو حاصل ہیں اور ان کا طریقہ حکومت بھی ترقی یافتہ کہا جاسکتا ہے جو باوجود اس کے وہ حیدرآباد کی آبادی اور رقبہ کے ساتھ اس کے تناسب میں مقابلہ نہیں کرسکتے۔ اب چند ان ممالک پر بھی نظر ڈالتے ہیں جو گو رقبہ اراضی حیدرآباد سے دو چند سہ چند اور بعض صورتوں میں چہار چند کہتے ہیں لیکن آبادی میں حیدرآباد کے ساتھ ان کو کوئی نسبت نہیں دی جاسکتی۔ مثلاً شہنشاہیت ایران جس کا رقبہ حیدرآباد سے تقریباً آٹھ گنا زیادہ ہے۔ یعنی چھ لاکھ ۳۰ ہزار مربع میل حیدرآباد سے کم آمدنی صرف ایک کروڑ ہے۔ آبادی کا تناسب فی مربع میل صرف (۱۶) نفوس پر مشتمل ہے۔ حکومت نجد و حجاز کا رقبہ گو حیدرآباد سے بارہ گنا زیادہ یعنی دس لاکھ مربع میل ہے۔ لیکن آبادی صرف

پندرہ لاکھ ہے اور تناسب ۱/۲ فی مربع میل عراق کا رقبہ حیدرآباد سے تقریباً دوگنا زیادہ یعنی ڈیڑھ لاکھ مربع میل لیکن آبادی صرف (۳۰) لاکھ اور تناسب بیس نفوس فی مربع میل، مصر کا رقبہ حیدرآباد سے چار گنا زیادہ یعنی تین لاکھ ترسٹھ ہزار دوسو میل لیکن آبادی تقریباً برابر یعنی ایک کروڑ چالیس لاکھ اور تناسب آبادی (۳۸) ایشیائی ترکی کا رقبہ تقریباً پانچ گنا زیادہ یعنی چار لاکھ مربع میل لیکن آبادی حیدرآباد سے کم یعنی صرف ایک کروڑ بیس لاکھ ہے اور تناسب صرف (۳۰) افغانستان کا رقبہ بھی تقریباً تین گنا زیادہ یعنی دو لاکھ ۴۵ ہزار مربع میل ہے لیکن آبادی نصف سے زیادہ کم یعنی ترسٹھ لاکھ اسّی ہزار تناسب صرف (۲۶) اب اندازہ کیجئے حیدرآباد اپنی آبادی کے اعتبار سے نہ صرف یورپ کی چھوٹی چھوٹی بلجیم، ہالینڈ، البانیہ، یونان، پرتگال، ڈنمارک، بلغاریہ وغیرہ سے بڑھ کر ہے بلکہ ایشیا کی بڑی بڑی سلطنتوں ایران، ترکیہ مصر، نجد، حجاز، عراق، افغانستان اور نیپال وغیرہ سے بھی بڑھ کر ہے۔

یہ تمام تقابل برار کو شامل کیے بغیر ہے جو مملکت آصفیہ کا ایک زرخیز اور آباد صوبہ ہے اگر اس کو شامل کرلیا جائے تو شاید یورپ کی بڑی بڑی سلطنتیں بھی حیدرآباد کا آبادی کے لحاظ سے مقابلہ نہ کرسکیں آپ نے یہ بھی دیکھ لیا کہ ایشیا کے بعض ممالک جو اپنے رقبہ میں زیادتی

پر ناز کر سکتے ہیں ان کی حقیقت کیا ہے ان کے رقبۂ مملکت کا بیشتر حصہ غیر آباد، ویران اور سنسان ہے اگر کوئی شخص ویرانوں کھنڈروں اور غیر آباد مقامات پر کھڑا ہو کر رابن سن کروسو کی طرح صدا بلند کر سکتا ہے اور دنیا اس کو ایک باعظمت و باجبروت بادشاہ مان سکتی ہے تو پھر غیر آباد ممالک کے لیے آبادی شرط ہے اور وہ حیدر آباد کی مناسبت سے ان کے یہاں کچھ بھی نہیں تو ان کو حیدر آباد کے تفوق کو ماننا پڑے گا۔ برخلاف ان ممالک کے جہاں میلوں تک رقبہ اراضی صحرا پہاڑوں کی شکل میں بیکار ہیں۔ حیدر آباد میں اس وقت (۷۲½) فیصد اراضی کاشت پر اٹھی ہوئی ہے۔ بقیہ (۲۷½) فی صدی رقبہ میں سے بھی (۲۰½) فیصدی جنگل اور کنچہ وغیرہ کی صورت میں ذرائع آمدنی ہے صرف چھوٹی صدر رقبہ کو ناکارہ کہا جا سکتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں عظمت و جلال کی ایک بڑی علامت دولت اور آمدنی تصور کی گئی ہے اور یہ ایک حد تک بجا بھی ہے زر کاستار العیوب اور قاضی الحاجات ہونا تو ایک حکیم مشرق کی زبان سے صدیوں پہلے تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ جو ممالک دنیا میں آزاد اور ممتاز ہیں ان کے مقابلہ میں بلحاظ اپنی آمدنی اور دولت کے حیدر آباد کا کیا درجہ ہے۔ اس وقت ایک بڑی دشواری ہم کو یہ درپیش ہے کہ

ہم مغربی و مشرقی سکون کے شرح تبادلہ سے واقف نہیں ہیں اس لیے نہیں کہا جا سکتا کہ ان کی جو آمدنی ہم کو معلوم ہوئی ہے وہ کتنے پاؤنڈ یا کتنے روپیہ کے مساوی ہے۔ ہم کو یقین ہے کہ اگر تھوڑا وقت ملے اور ان سکوں کی شرح تبادلہ سے ہم واقف ہو جائیں تو آسانی سے ہم اس میدان میں بھی حیدرآباد کے تفوق کو دوسرے ممالک پر ثابت کر سکیں گے۔

فی الحال جن ممالک کے سکوں کا ہم کو علم ہے اور جن کی آمدنی ہم کو پونڈز میں معلوم ہو سکی ان سے حیدرآباد کا مقابلہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نجد و حجاز کو چھوڑ دیتے کیونکہ وہ یوں بھی ایک بے آب و گیاہ ملک ہے جس کے ایک حصہ کو آسمانی زبان میں وادی غیر ذی زرع کا لقب دیا گیا تھا اور جس کی بڑی آمدنی کا انحصار حجاج کی تعداد پر ہے۔ نیپال جو ہندوستان کے شمال اور ہمالیہ کے دامنوں میں دوسرے آزاد ممالک سے الگ کوشش استقلال بجا رہا ہے اس کی سالانہ آمدنی صرف ایک ملین پونڈ یعنی (۱½) کروڑ روپیہ سکہ عثمانیہ ہے ایران حیدرآباد سے چھ گنا زیادہ رقبہ مملکت رکھتا ہے اور عراق کے کناروں سے لے کر بلوچستان کے حدود تک اور شمال میں بحر خزر آذربائیجان کے علاقہ میں ایک وسیع سلسلہ بندرگاہوں کا رکھتا ہے اور خلیج فارس

بحر ہند، خلیج قسطنطنیہ میں اس کی آزاد تجارت جاری ہے باوجود اس کے اس کا محاصل حیدر آباد کی آمدنی سے کچھ بہت زیادہ نہیں صرف (۷) ملین پونڈ یعنی (۱۰ ½) کروڑ روپیہ سکہ عثمانیہ ہے افغانستان کے رقبہ کو آپ نے سنا کہ حیدر آباد سے تقریباً (۳) گنا زیادہ ہے لیکن آمدنی کو آپ سنیں گے تو حیرت کریں گے کہ ایسے ممالک بھی دنیا آزاد اور خود مختار ہیں اور اپنی خود مختاری کو دنیا سے تسلیم کرا رہے ہیں۔ افغانستان کی موجودہ آمدنی چار کروڑ (۴۰) لاکھ روپیہ افغانی ہے جس کا شرح تبادلہ اس وقت جب کہ میں افغانستان میں تھا (۳) روپیہ کابلی اور ایک روپیہ کلدار تھا جس کا مطلب یہ ہوا کہ افغانستان کی موجودہ آمدنی صرف ½ ۱ کروڑ روپیہ ہے۔ عراق کا رقبہ حیدر آباد سے دوگنا زیادہ ہے اور یہ وہ ملک ہے جس میں سے دجلہ و فرات جیسے دریا بہتے ہیں جس کو بصرہ جیسی بندرگاہ میسر ہے جو تین آزاد مملکتوں ایران ترکیہ اور نجد و حجاز سے اپنے حدود اور تجارت کو وابستہ رکھتی ہے لیکن باوجود اس کے اس کی آمدنی (۴۰) ملین پونڈ یعنی ۶ کروڑ سکہ عثمانیہ ہے جس کا ہم اپنے مملکت کی آمدنی کا دوسرے ممالک سے مقابلہ کر رہے ہیں تو ایک روایت ملحوظ رکھنے کے قابل ہے کہ حیدر آباد کی طرح ان ممالک میں جاگیرات، انعامات اور دیولوں اور درگاہوں کی

معاشیں مقرر نہیں ہیں نہ بادشاہ کے لیے ایک علیحدہ رقبہ اراضی مرفاص کی طرح الگ ہے بلکہ ان کی آمدنی کی کائنات وہی ہے جو اوپر بیان کی گئی برخلاف اس کے صوبہ برار کو نظر انداز کرنے اور جاگیرات ممتاز پائیگاہ اور صرف خاص مبارک کو خارج کرنے کے بعد جن کا اندازہ ایک ثلث سے بھی زیادہ کیا جا سکتا ہے۔ اور کسی بندرگاہ کی عدم موجودگی میں کیونکہ حیدرآباد کی بندرگاہ مسولی پٹنم کا سوال ابھی زیر بحث ہے حیدرآباد کی آمدنی (۹) کروڑ سکہ عثمانیہ یعنی (۶) ملین پونڈ ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ حیدرآباد کی آمدنی عراق سے ڈیڑھ گنی، افغانستان اور نیپال سے چھ گنی زیادہ ہے اور ایران کی آمدنی کے تقریباً مساوی ہے۔ ایک بات اور آپ کی توجہ کے قابل ہے وہ یہ کہ دیوالیہ میں صرف وہی شخص مالدار نہیں کہلایا جا سکتا جس کی آمدنی زیادہ ہو بلکہ اس کے مصارف کا اندازے کیلیے اس کے خرچ اور قرض کا اندازہ بھی ضروری ہے دنیا میں بہت سی ایسی عظیم المرتبہ سلطنتیں بلکہ شہنشاہیتیں آپ کو ملیں گی جو حیدرآباد سے کہیں زیادہ آمدنی رکھتی ہیں لیکن سال میں دو مرتبہ امریکہ کے قرضہ کے صرف سود کی ادائی کا سوال ان کے لیے سوہان روح بن جاتا ہے گزشتہ جنگ عظیم نے ان کے خزانوں کو خالی اور ان کی جیبوں کو ہلکا کر دیا لیکن حیدرآباد اپنے روز افزوں ترقیوں اور اخراجات کی زیادتیوں کے

باوجود کسی حکومت اور سلطنت کے روبرو سرمندہ اور خجل نہیں ہے
اس کا موزانہ خود موجودہ زمانہ میں کساد بازاری رعایا کے ساتھ عدم المثال
حسن سلوک کے باوجود اپنے توازن کو نہیں کھوتا بلکہ دنیا کے مختلف گوشوں
سے نگاہیں حسن طلب کے انداز میں ان کے خوانِ نعمت کی طرف اٹھتی رہیں
پھر ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ کیا حیدرآباد کی انتہائی آمدنی ہے اور
اس نے تمام ذرائع آمدنی کو بہ تمام وکمال آزمالیا ہے۔ نہیں ابھی سینکڑوں
اس کے معدن زمین کی چادر اوڑھے گمنامی کی نیند سو رہے ہیں اس کی
زراعتی ترقی کی پہلی کروٹ پوری بیداری کی شکل اختیار نہیں کرسکی ہے
اس کی صنعت وحرفت کی زندگی ایام طفولیت سے گزر کر عرصہ شباب
میں قدم نہیں رکھنے پائی ہے۔ اس کی تجارت بندرگاہ کے فقدان اور
رعایا کی عدم رجحان طبع کی وجہ سے ابتدائی مدارج میں ہے اگر روئی اور
تیل نکالنے والے اجناس کی کاشت میں محکمہ زراعت کی کوشش کامیاب
ہوجائے اور ہمارا محکمہ صنعت وحرفت اپنی تمام خام پیداوار کو بکار
آمد بنانے کے قابل ہوجائے اور ہمارے منڈیاں اپنے مال سے پر ہوکر
دوسرے مارکٹوں میں اپنی پیداوار بھیجنے لگیں تو آپ دیکھیں گے کہ
آپ کا ملک دنیا کے بڑے بڑے ممالک کے روبرو گردن افتخار دراز
کرسکے گا ان تمام نقاط نگاہ سے غور کیجئے اور اپنے آپ کو پہچانیئے

کہ دنیا کے ممالک میں آپ کا کیا درجہ ہے یہ مقولہ کہ آپ اپنی قدر کرو صرف انفرادی زندگی میں نہیں اس سے زیادہ اجتماعی زندگی میں آزمایا جانے کے قابل ہے لیکن آپ اپنی قدر اسی وقت کر سکیں گے جب پہلے اپنے آپ کو پہچان لیں گے۔ تعلیم و شائستگی کے متعلق کہا کہ رقبہ، آبادی اور دولت ہی کسی کی قابل تعریف خصوصیات نہیں ہو سکتیں۔ اگر وہاں کے رہنے والوں میں اس رقبہ اور آبادی پر حکومت کرنے اور اس دولت کو کام میں لانے کی صلاحیت نہ ہو حیدرآباد میں انتظامی معاملات سے اطمینان حاصل کرنے میں اپنی سب سے بڑی توجہ اپنے فرزندوں کی تربیت و تعلیم کی طرف دی۔ کیا آپ ہمارے ان نتائج تعلیمی کو یورپین ممالک کے مقابلہ میں رکھتے ہیں تو بے شک ہم ابھی ان سے پیچھے ہیں لیکن اگر مشرق آزاد و خود مختار ممالک سے ہمارا مقابلہ کیا جاتا ہے تو ہم بلا خوف و تردید کہہ سکتے ہیں کہ ان میں سے اکثروں کے لیے ہماری مثال دن اور رات روشنی اور تاریکی کے مقابلہ کی مانند ہے ہماری خود مختار رعایا پرور حکومت نے اپنی رعایا کی تعلیم ہی کا خیال نہیں کیا بلکہ اس کی تربیت پر بھی توجہ کی۔ برطانوی ہند کے قابل اور تجربہ کار اشخاص کی خدمات بڑی بڑی بیش قرار ماہواروں پر صرف اس لیے حاصل کی گئی کہ وہ ملک کے فرزندوں کو ملک کی ضروریات کے مطابق تیار کریں

تاکہ آئندہ حیدرآباد کسی دوسرے کی امداد کے بغیر اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے۔ ہم اس غرض سے بلائے جانے والوں اور ہمارے ملک کے خدمات انجام دینے والوں کی خدمات کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتے جنھوں نے اب حیدرآباد کے فرزندوں کو اس قابل بنا دیا ہے کہ وہ ان کے سہارے کے بغیر کھڑے ہی نہیں بلکہ میدان کارزار میں بلاخوف خطر دوڑ سکتے ہیں۔

دنیا میں ہمیشہ اقوام و ممالک کی برتری و عظمت کا دارومدار ریاست، اسباب و علامات سے قطع نظر جن کا اوپر ذکر کیا گیا کسی ملک کے اکثریت اور طاقت جری کے اندازے پر رہا ہے اب ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ تم نے دوسرے ممالک آزاد پر رقبہ، آبادی تمول تعلیم اور شائستگی کے اعتبار سے تو اپنا تفوق ثابت کیا لیکن اس زمانہ میں چھوٹی سے چھوٹی مملکت بھی اپنا مکمل فوجی نظام رکھتی ہے۔ کیا تم اس حیثیت سے بھی اپنے امتیاز کو ثابت کر سکتے ہو۔ میرا جواب بلاتردد اس بات میں ہے اعتراض کرنے والوں نے حیدرآباد پر بہت ہی سرسری نظر ڈالی ہے انھوں نے اس کے تاریخ اور جغرافیہ کا پورا مطالعہ نہیں کیا وہ صرف امپیریل سروسیس ٹروپس گولکنڈہ لانسرز، کیاولری گارڈ انفنٹری توپ خانہ اور نظم جمعیت کو ہی حیدرآباد کا مکمل نظام عسکری خیال

کرتے ہیں اور الوال، تریلگیری، بلارم کی افواج کو انھوں نے بالکل جداگانہ طاقت تصور کر رکھا ہے حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ فوجیں ابتدا فی نگران کار فوجیں نہیں بلکہ عسکر آصفی ہیں جو حیدرآباد کے خرچ پر حیدرآباد کے لیے اس کے قابل احترام حلیف سلطنت عالیہ برطانیہ نے تیار کیا اور تیار رکھا ہے۔ اب ان سب قوتوں کو یکجا کرو اور بتاؤ کہ کیا حیدرآباد کا نظام فوجی کسی اور نظام عسکری سے کم ہے۔ پھر جغرافی حیثیت کو بھی نظرانداز نہ کرنا چاہیے کہ دوسری حکومتیں اپنے اطراف و جانب اعتبار کا ہجوم رکھتی ہیں۔ افغانستان کے ایک طرف انگریز ہیں جن سے اس کی کبھی نہیں بنتی دوسری طرف روس ہے جو اپنے موقع کو کبھی ہاتھ سے نہیں دینا چاہتا۔ تیسری طرف ایران ہے جسے ایک حریف حکومت کہا جاسکتا ہے جو تاریخ قدیم میں بھی سیستان اور اس کے مشرقی علاقوں کے ہمیشہ برسرپیکار رہے۔ یہی حال خود ایران، عراق، حجاز، ترکیہ اور تمام یورپ کے آزاد اور خودمختار مملکتوں کا ہے۔ برخلاف اس کے حیدرآباد اپنے اطراف صرف ایک مملکت رکھتا ہے جو اس کی دوست اور ایسی حلیف ہے کہ جس کے عہد میمنت کو سلاطین آصفیہ نے تاریخ کے ہر دور میں مضبوط رکھا ہے جنوب اور مغرب کی طاقتیں جن سے حیدرآباد آئے دن برسرپیکار رہنا پڑتا تھا

تاریخ کے ابتدائی اس دور میں ختم ہوگئیں جب کہ وہ اعلان خود مختاری کیا گیا تھا جس کی ہم یاد منا رہے ہیں۔ اب حیدرآباد کو کسی سے لڑنا نہیں ہے بلکہ جو تیاری بھی اس نے کی ہے وہ اس لیے زیادہ ہے کہ وہ صرف اپنی طاقت اور حلیف کی وقتاً فوقتاً امداد کے لیے کی گئی ہے۔ اندرونی انتظام کے لیے وہ جمعیت کافی سے کچھ زیادہ ہی کہی جاسکتی ہے۔ کیونکہ حیدرآباد، افغانستان، ترکیہ حجاز و نجد کی طرح سازشوں کی آماجگاہ نہیں بلکہ یہاں امن و عافیت و اطمینان ہے غالباً ان تمام حالات کو سن کر اور اپنی مملکت کی عظمت کا تصور کر کے آپ کو حیرت ہوگی اور اس میں اضافہ اس حقیقت نے کیا کہ باوجود دنیا کے اکثر خود مختار اور آزاد ممالک کا ہمسایہ بالکلیہ بلند پایہ ہونے کے حیدرآباد اس مرتبہ سیاسی (پولیٹکل اسٹیٹس) سے محروم ہے جو دوسروں کو حاصل ہے آپ پوچھ سکتے ہیں کہ کیوں ہمارے آپ کے بادشاہ جمجاہ اعلیٰ حضرت قدر قدرت نواب میر عثمان علی خاں بہادر نظام الملک آصفجاہ سابع خلد اللہ ملکہٗ کے اسم گرامی کے ساتھ ہز مجسٹی کا لقب شامل نہیں ہے۔ آپ بے چینی سے دریافت کر رہے ہیں اور آپ کو کرنا چاہیے کہ کیوں آپ کا پٹہ کم از کم ہندوستان میں نہیں چلتا جب کہ ہم سے نہایت کم حیثیت رکھنے والے ممالک کی ڈاک ان ہی کے پٹہ پر دنیا کے طول و عرض

کو طے کر رہی ہے کیوں آپ کے سکّہ کی قیمت حیدر آباد سے باہر نکل کر
ٹھیک [illegible] سے زیادہ نہیں رہ جاتی اور بمبئی مدراس کے مارکیٹ
میں اس [illegible] کی گنجائش تبادلہ نہیں ہے۔ آپ کا یہ سوال بھی ایک حد
تک بجا ہے کہ کیوں لندن اور دہلی میں سفارتخانہ حیدر آباد کی کوئی عمارت
نظر نہیں آتی میں حیران ہوں کہ آپ کے اس سوال کا کیا جواب دوں۔
اول تو مجھے کوئی جواب سوجھ نہیں رہا ہے۔ دوسرے شاید جناب صدر بھی
اس مقام پر مجھے اپنی حدوں سے گزرا ہوا محسوس فرمائیں۔ اس لیے
صرف یہ کہہ کر خاموش ہو جاتا ہوں۔ کل امر مرہون باوفا تھا اور شاید آپ
کا احساس اور طلب صادق اس وقت کو جلد لائے۔

آخر میں آپ سے اپنی دعا میں شرکت کا امیدوار ہوں کہ خدا حیدر آباد
دکن کی اس خود مختاری اور استقلال کو مدارج کی ترقیوں اور مراتب کی
بلندیوں کے ساتھ برقرار رکھے۔ اعلیٰ حضرت خسرو دکن خلد اللہ ملکہٗ کا سایہ ہمایہ
اس خود مختار سلطنت دکن پر تا ابد رہے اور سلطنت آصفیہ اور
شہنشاہیت برطانیہ کی محبت و دوستی مستحکم تر اور پائندہ تر ہوتی جائے۔

———:———

تحریک سپاس گذاری

نواب بہادر یار جنگ کردہ بر موقع سپاس گذاری مدرسہ انیس الغربا طبع شدہ در اخبار رہبر دکن (بہ دو قسط مورخہ ۱۵ و ۱۶ جمادی الثانی) ...

اس تقریر کی تعریف میں حضور نظام نے ایک فرمان جاری کیا جو اخبارات مقامی میں شائع ہوا جس میں نظام نے مقرر اور اس کی تقریر کی دل کھول کر تعریف کی تھی۔

ساری تعریفوں کا مستحق وہ خدا ہے جو بادشاہوں کا بادشاہ اور شہنشاہوں کا شہنشاہ ہے اور ساری ستائش اس رب العزت کو سزاوار ہے جو پالنے والا بیکسوں کا والی اور بے وارثوں کا وارث ہے۔

حضرات! میں بیمار ہوں یا کم از کم میرے اطباء اور ڈاکٹرز مجھے بیمار قرار دیتے ہیں اور ان کا حکم ہے کہ میں اپنے بستر پر مقید رہوں آپ جانتے ہیں کہ بیمار چاہے وہ کتنا ہی باقتدار کیوں نہ ہو جب

تک بیمار ہے اپنے طبیب کا معلوم ہوتا ہے اندیشہ تھا کہ اس عزت وسعادت سے محروم رہوں جس سے آپ نے آج مجھے سرفراز فرمایا ہے لیکن جلسہ کی اہمیت اور خصوصاً اپنے آقا کے ساتھ ان جذبات ر عقیدت ومحبت نے جو مجھے وراثتاً ملے ہیں اور جس پر میں اور میرے خاندان کا ہر فرد فخر کرتا ہے مجبور کیا کہ تمام اندیشوں کو ٹھکرادوں اور آج آپ کی خدمت میں حاضر ہوجاؤں اس سے قبل کہ نفس تحریک سے متعلق کچھ عرض کروں اجازت دیجئے کہ تاریخ بادشاہت کویت کے چند اوراق آپ کے ملاحظہ میں لاؤں اس وقت بھی جب کہ اولادِ آدم ابھی خاندان سے بڑھ کر قبیلہ کی حیثیت اختیار نہ کی تھی اور تہذیب و تمدن کی ترقی نے معاش کے ذرائع اور انسان کی ضروریات کو تقسیم نہیں کیا تھا۔ آدم کے بیٹے اور حوا کی بیٹیاں ایک ایسے نگران کار اور سرپرست سے مستغنی نہیں تھیں جو ان کے لیے میوہ دار درختوں کا جنگل تلاش کرے جنگلی جانور اور درندوں سے ان کو بچائے اور رات ہوجائے تو ان کے لیے کوئی مضبوط سایہ دار درخت کوئی محفوظ پہاڑی یا غار کوئی گرم زمین دوز سرنگ فراہم کرے لیکن جب خاندان نے بڑھ کر قبائل کی شکل اختیار کی اور قبیلوں نے ایک دوسرے سے الگ اپنی وحدت بنالی اور پالتو جانوروں کی تسخیر چراگاہوں کی تقسیم اور فطرت کی

عطاء یا استحقاق تصرف کے متعلق ایک دوسرے سے دست و گریباں ہونے لگے اور دوسری طرف معاش کے ذریعہ کی کثرت نے ان کو تقسیم کار پر مجبور کیا اور افراد قبیلے کے باہمی نزاعات نے حکم کا تقاضہ کیا تو انھوں نے خاموش عمرانی معاہدے کے ذریعہ قبیلے کی سب سے زیادہ عقلمند سب سے زیادہ بہادر اور سب سے زیادہ نیک آدمی کو اپنا امیر یا سردار منتخب کیا تاکہ وہ ان کے حقوق اور قبیلے کے وقار کی حفاظت کے لیے دوسرے قبائل سے صلح یا جنگ کرے یہ مختلف ذرائع معاش کو قبیلے کی صلاحیت رکھنے والے افراد میں تقسیم کرے افراد قبیلہ کی باہمی نزاعات کا فیصلہ کرے ان کی ہر ایک تکلیف کو رفع کرنے کی اور ان کے لیے خوشحالی اور امن فراہم کرنے کی سعی کرے۔ ان کے مظلوموں کا مددگار ان کے بیکسوں کا والی اور ان کے لیے بے وسیلوں کا وسیلہ ہو چونکہ سردار کی تمام زندگی قبیلے کی فلاح و بہبود کے لیے وقف ہوتی تھی اس لیے اس کی تمام ضروریات کی تکمیل اور قبیلہ کے وقار اور عظمت کے تحفظ کی خاطر اس کے لیے ارباب قبیلہ کے ہر رکن کا فرض ہوتا تھا جو مختلف قسم کے ہدایا، تحائف، نذرانہ اور ہر ایک کی آمدنی میں سے سردار کے مستقل حصہ کی صورت میں ادا کیا جاتا تھا اس طرح رؤساء اور امراء قبائل (جنھوں نے آگے چل کر یہ اظہار وسعت حدود ریاست

و امارت بادشاہ یا شہنشاہ کی حیثیت اختیار کرلی) فی الحقیقت یا بہ الفاظ دیگر اپنی رعایا کے ذمہ دار نگران کار اور محافظ ہوتے تھے۔ اور زندگی کا ایک ایک لمحہ ان کی مرہون فلاح و بہبود ان کے مصائب و تکالیف کے ارتفاع ان کے بے کسوں کی دستگیری اور ان کے لاوارثوں کی سرپرستی میں صرف کر دیتے تھے۔ رعایا کا ہر ایک فرد ان کے لیے بمنزل اولاد ہوتا تھا۔ اس کی خوشی کو وہ اپنی خوشی سمجھتے تھے اور ان کی تکلیف پر خود تڑپ اٹھتے تھے اور ان کی یہی فرض شناسی اور رعایا نوازی رعایا کے قلوب کو مسخر کرتی اور ان کے جان و مال کو خریدلیتی تھی۔ ان کے ایک اشارے پر ہزاروں جانیں قربان ہو جاتیں ان کے ایک قطرۂ عرق کے معاوضہ میں خون کی ندیاں بہہ جاتیں یہاں تک کہ ان کی ذات مربیانہ میں لوگوں کو جلوۂ الوہیت دکھائی دینے لگتا۔ دنیا کی کسی قوم اور ملک کی تاریخ ایسے قابل تقلید بادشاہوں کی مثال سے خالی نہیں۔ لیکن جب انقیاد و اطاعت رعایا کی طبیعت ثانی بن گئی اور دوسری طرف بادشاہت و ملوکیت کا معیار عقلمندی شجاعت اور نیک طینتی نہ رہا تو باغ عالم ان بادشاہوں کی زندگی کا مرقع بن کر رہ گیا جنھوں نے اپنے فرائض منصبی کو بھلا دیا۔ رعایا کو اپنی اولاد اور خود کو اس کا خادم و نگران سمجھنے کی بجائے رعایا کو

غلام اور خود کو مالک تصور کرنے لگے۔ اپنی زندگی کا مقصد رعایا کی خدمت اور خیر خواہی کے بجائے عیش و عشرت اور رعیت کی تن پروری قرار دیا اپنی عیش پرستیوں میں ایسے محو ہوئے کہ یہ خبر نہ ہوئی کہ ملک میں کتنی ایسی بیوائیں ہیں جن کا کوئی دستگیر نہیں ہے۔ کتنے ہی ایسے فقیر ہیں جن کو پیٹ بھر کر نان شبینہ بھی میسر نہیں آتی اور کتنے ہی ایسے یتیم ہیں جن کے سر پر کوئی ہاتھ پھیرنے والا نہیں ان کی لاپرواہی نے بدطینت جفا شعاروں کے ہاتھوں کتنے ہی بے قصور مظلوموں کی زندگیاں تباہ کروادیں، اور کتنے ہی شریفوں کی عزت ان کی تفریح طبع کے بھینٹ چڑھ گئی۔ لیکن وہ درباری شعراء کی قصیدہ خوانیوں اور خطیبوں کی لن ترانیوں میں ایسے گم ہوئے کہ رعایا کے قلوب کی گہرائیوں میں سلگتی ہوئی نفرت کی آگ کا اندازہ نہ کیا جو ایک دن ان کے قصر و جلال و جبروت کو بھسم کرنے والی تھی، ورنہ جاؤ گذشتہ ربع صدی پر نظر ڈالو کہ کس طرح ادائے دلنوازی سے ناآشنائی نے روس کے زار ترکیہ کے سلاطین آل عثمانی اور ایران کے شاہان قاچاریہ کا خاتمہ کردیا اور بالآخر ہم اس زمانے میں زندگی بسر کر رہے ہیں جب کہ چراغ ملوکیت اور بادشاہت دنیا کے ہر گوشے میں باوجود جمہوریت و اشتراکیت کے تھپیڑے کھا رہا ہے کیا وابستگان دولت آصفی کے لیے یہ امر صد

نازش افتخار اور باعث صد ہزار تشکر و امتنان نہیں ہے کہ خدا نے اس دور انقلابات و فتن میں ان کو ہر ایک مصیبت سے دور ایک ایسے بادشاہ کے زیر سایۂ عاطفت رکھا ہے جو سات پشت سے وارث تخت ہونے کے باوجود انسانیت کاملہ کے جوہر بے مثال سے آراستہ ہے جس نے شراب دولت کے خم کے خم چڑھائے لیکن ایسا مدہوش نکلا کہ از خود رفتہ [illegible] کو ہوا تک اس کو نہ لگی۔

"گو بدولت برسی مست نہ گردی مردی"

جس نے اطلس و کمخواب کے پھالیوں میں آنکھ کھولی لیکن سادہ اور درویشانہ زندگی کو اپنا شعار بنایا۔ جس نے رعایا کو اپنی اولاد سے زیادہ عزیز رکھا ان کی فکر میں راتیں جاگ کر اور دن بے قرار رہ کر بسر کیے۔ راحت و آرام طلبی کے دربار میں مغضوب اور عیش و عشرت جس کی بارگاہ میں مردود۔

حضرات! اپنے آقا و ولی نعمت اور شاہ رعایا پرور کی ایک ادائے دل نوازی پر آج آپ نے جس عقیدت و محبت کا اظہار کیا ہے میں دنیا کو یقین دلاتا ہوں کہ ہر قسم کے تصنع اور نمائش سے پاک ہے۔ اگر آپ سرکار کی حیات عالیہ کا بامعان نظر مطالعہ کریں تو آپ تخت سلطنت حیدرآباد پر بادشاہ کے بھیس میں ایک رقیق القلب مسلمان اور ایک دردمند دل رکھنے والے انسان اور ایک آگاہ امور عشق و محبت درویش کامل گویا بن گئے۔ خلفائے راشدین

کے بعد تاریخ عالم میں کسی بادشاہ کی مثال نہیں ملی جو ایک عظیم الشان مملکت کا بادشاہ بھی ہو اور اس طرح سادہ زندگی بھی بسر کرے۔ بادشاہ کی حیثیت ہوتی ہیں۔ نظام حکومت کے قیام کے لیے قوانین نافذ کرنا انتظامی اداروں کا قائم کرنا ان کی روزانہ کارروائیوں پر نگرانی کرنا جب ہم اس نقطہ نظر سے اپنے آقائے ولی نعمت کی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو اپنے آپ کو بجا طور پر مستحق فخر و ستائش تصور کرتے ہیں۔ کیا عدلیہ کا انتظامی صیغوں سے الگ ہو جانا اور سر رشتہ تعلیم کا انتہائی عروج پر پہنچ جانا عثمانیہ یونیورسٹی کا قیام، تعمیرات کے عظیم الشان پراجکٹس صنعت و حرفت اور زراعت کے محکموں کا قیام کوآپریٹیو کی تحریک یہ سب چیزیں حضرت اقدس و اعلیٰ کے عہد میمنت مہد ہی میں وجود میں آئیں اس سے ہٹ کر بادشاہ کی ایک اور حیثیت ہوتی ہے وہ رعایا کی خوشحالی فارغ البالی امن و عافیت کی نگرانی۔ ہم جیسے جیسے اقتدار و اختیار حاصل کرتے ہیں ذمہ داریوں کو بھولے جاتے ہیں حالانکہ با اختیار ہی ذمہ دار بن سکتا ہے۔ حضرت اقدس و اعلیٰ نے جو بجا طور پر مملکت آصفیہ میں مقتدر اعلیٰ ہیں اپنی ذمہ داریوں کو محسوس فرما کر گویا ہمیں یہ درس دیا ہے کہ ہم اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں۔ عظیم الشان سلطنت کی تجاویز کی موجودگی میں نامیلی کے تاریک کوچوں میں پلنے والے یتیمان انیس الغربا،

پر بے سوال توجہ کیا تاریخ کا عدیم المثال واقعہ نہیں ہے۔ میں اپنے دوست راجندر نائک صاحب کے اس خیال سے لفظ بہ لفظ متفق ہوں کہ شکر و اطمینان کا صحیح طریقہ یہ نہیں ہے کہ ہم جمع ہو کر تحریک پاس کریں بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ ارشاد ہمایونی سے بصیرت حاصل کریں جو معائنہ کے بعد صادر ہوا اور جو اس وقت ہمارے سامنے آویزاں ہے اور کوشش کریں کہ مملکت آصفیہ میں ایک بھی یتیم بے وسیلہ نہ رہ جائے۔ میرے دوست نرسنگ راؤ صاحب کی یہ تجویز مستحسن ہے کہ اسٹیٹ کو یتیم خانہ قائم کرنا چاہیئے۔ انھوں نے سچ کہا کہ خلفائے راشدین کے عہد میں بیت المال میں سے یہ سارے انتظامات پورے ہوا کرتے تھے لیکن ہم کو مرض کی دوا تجویز کرنے سے قبل یہ سوچ لینا چاہیئے کہ وہ کسی اور مرض کی ابتداء کا باعث نہ ہو۔ حیدرآباد میں جہاں کی رعایا ہر قسم کے ٹیکس سے بری ہے میرے جیب زیادہ سے زیادہ وزنی ہوتے جا رہے ہیں۔ حکومت ہی کو ہر قسم کی اصلاحی تجاویز کا ذمہ دار ٹھیرانا اپنی ذمہ داریوں کو کم کرنا اپنے سر سے ایک فرض کو ٹال دینے کے برابر ہوگا۔ میں خوش ہوگا اگر میرے دوست نرسنگ راؤ صاحب اپنی . . . گداگری کو جاری رکھیں اور

ہمارے جیب سے آخری پائی وصول کرلیں اور اس کو نیک کاموں میں خرچ کردیں، ضرورت ہے کہ حیدرآباد کی پبلک میں اسٹیٹ کی دستگیری سے بے نیاز ہوکر اپنے پاؤں پر آپ کھڑے ہونے کا احساس پیدا کیا جائے۔ حضرات جی تو چاہتا ہے کہ آپ سے اس تخاطب کو جاری رکھوں لیکن بیماری اور اس کی وجہ سے نقاہت رخصت پر مجبور کر رہی ہے اب امید ہے کہ آپ میرے ساتھ کھڑے ہوکر بہ کمال ادب اس تحریک کو منظور فرمائیں جو آپ کے سامنے پیش کی گئی اور مجھے اجازت دیجئے کہ اس کو بارگاہ بندگان عالی میں اپنے ہتھ سے گذارنے کی سعادت حاصل کروں۔

مسجد سلیمانیہ میں قائد ملت کی تقریر

۱۲ فروری ۱۹۲۶ء کو بعد نماز مغرب مسجد سلیمانیہ میں بتقریب عید الفطر انجمن اتحاد المسلمین کا جلسہ ہوا۔ تقریر بجواب رہبر دکن ۱۳ فروری ۱۹۲۶ء۔

مسلمانوں کی آنکھیں صرف کسی ایک قوم ایک مذہب کی طرف نہیں لگی ہوی ہیں بلکہ اسلام ہر مذہب کو دعوت حق دیتا ہے ہر ایک کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے وہ صرف ہندو آریہ سماجی، عیسائی، پارسی ہی سے رشتۂ مروت و محبت قائم کرنا نہیں چاہتا بلکہ اسلام کا دامن دنیا کی بسنے والی ہر قوم کے لیے کھلا ہوا ہے۔ اسلام صرف کسی ملت کے فرد کو ہی اپنا بنانے کا متمنی نہیں بلکہ وہ اس کی جماعت سے برادرانہ تعلقات قائم کرنے کا آرزومند ہے۔ اگلے زمانوں میں عیدوں میں گذشتہ سال کی اور آئندہ سال کا پروگرام تیار کیا جاتا تھا عیدوں کے موقعوں پر . . . .

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جامو تے اور اپنے میں یگانگت

مرکزیت قائم کرتے تھے۔ تاریخ نے ثابت کیا کہ دنیا کے ادیان و مذاہب محدود تعلیمات لے کر آئے تھے کسی کی دعوت اور اس کی تبلیغ میں انفرادیت کا زیادہ دخل تھا وہ کسی کی تعلیمات کسی خاص شہر تک ہی محدود تھے زمین کے ہر حصہ میں آواز حق بلند کرنے والا ہر گوشہ میں پکار پکار کر بلانے والا مشرق و مغرب میں آزادی کے جلوے دکھانے والا یگانگت پیدا کرنے والا نظام کوئی دور نہیں تھا اور مجلس اتحاد المسلمین کے قیام کا مقصد بھی مسلمانوں میں یگانگت پیدا کر کے کسی سے مقابلہ کرنا نہیں ہے اور نہ یہ اسلام کی تعلیم ہے اور نہ مسلمانوں کا دستور ہے اسلام دنیا میں امن کا پیغام لے کر آیا ہے اسلام کا دنیا میں کوئی دشمن نہیں اور نہ ہو سکتا ہے وہ دشمن کو بھی اپنا دوست سمجھتا ہے ــــ اتحاد المسلمین میں مسلمانوں کے ہر فرقہ کے اکابر شریک ہیں۔ شیعہ سنت جماعت اہل حدیث، مہدوی، احمدی، سلیمانی، داؤدی آپس میں ہر ایک دوسرے کو اپنا بھائی اپنا بزرگ سمجھتے ہیں۔

حضرت قائدِ ملّت کی تقریر افاغنہ کے جلسے میں

۱۱ر جون ۱۹۳۲ء کو قوم افغان و روہ اصل ساکنان دکن کی تنظیم انجمن افاغنہ کی جانب سے احمدیہ جوبلی ہال افضل گنج میں ایک جلسہ عام بصدارت حضرت قائد ملت منعقد ہوا۔ اس موقعہ پر حضرت قائد ملّت نے جو تقریر فرمائی ہدیۂ ناظرین ہے۔ تقریر بحوالہ رہبر دکن ۱۲ر جون ۱۹۳۲ء

آفتاب اسلام کے طلوع سے قبل دنیا پر کفر و ظلمت کی گھٹائیں چھا رہی تھیں۔ شراب و زنا کی ہوائیں چل رہی تھیں۔ کشت و خون کا بازار گرم تھا۔ عرب ایرانیوں کے جیسے متمدن نہ تھے، رومیوں کے جیسے مہذب نہ تھے مصریوں کی طرح قدیم تاریخ کے مالک نہ تھے یہ محض آفتاب اسلام ہی کی ضیاء پاشیاں ہیں کہ آج دنیا کی تمام قومیں اسی روشنی میں اپنی منزل کو پہچان رہی ہیں۔ مجھے شاہ افغانستان کی بارگاہ میں حضوری کا موقع ملا تھا۔ میں نے کہا تھا کہ افغانستان کا ساری دنیا سے الگ رہ کر موجودہ تمدنی برائیوں سے محفوظ رہنا اس امر کی دلالت کر رہا ہے کہ مستقبل قریب میں

پروردگار عالم گمراہ دنیا کو کچھ اور ہی سبق دینے کو ہے۔ حیدرآباد میں بسنے والے افغانوں نے اپنی اصلاح و اتحاد کی کوشش کی ابتداء کی ہے۔ تم ایسی سرزمین امن و آئین میں زندگی بسر کر رہے ہو جہاں جارحانہ اقدام کی ضرورت ہی نہیں۔ تمہارے اجتماع کا مقصد امن و اتحاد کا نمونہ ہونا چاہیئے۔ غلط فہمیوں کی نسبت سرکار سے ایسی استدعا کرو جیسے ایک وفادار رعایا کرتی ہے۔ ہر کام کو صداقت اور استقلال سے انجام دو۔ امان اللہ سابق بادشاہ افغانستان کی کوشش کو بھی دیکھا۔ نادر شاہ کی جستجو بھی دیکھ رہے ہو۔ گو دونوں کی منزل مقصود ایک تھی مگر ایک دوڑ کر پہنچنا چاہتا تھا دوسرا تدبیر و فراست کے ساتھ آہستہ آہستہ پہنچ رہا ہے پہلے کا کام ناکام رہا اور دوسرے کا ظاہر ہے۔ سپاہی اس وقت تک سپاہی نہیں بن سکتا جب تک اس میں استقلال و اثبات نہ ہو۔ عربوں کا قدم جدھر اٹھتا تھا مقابل کو ٹھہرا کر ہی رہتا تھا۔

ایران

(پہلی تقریر)

نواب فیاض علی خاں کی کوٹھی میں قائد ملت نواب بہادر یار جنگ نے تاثرات سفر بلاد اسلامیہ سے متعلق چار تقریریں فرمائی تھیں یہ تقاریر اس دور کے موقر اخبار رہبر دکن میں شائع ہوئیں۔ بدقسمتی سے اس روزنامہ کا مکمل فائل کسی کتب خانہ میں محفوظ نہیں ہے۔

تلاش و جستجو کے دوران قائد ملت کا پریس فائل ادھورا دستیاب ہوا جس میں تقاریر کے تراشے چسپاں تھے۔ ان تقاریر میں نامہ نگار نے نواب صاحب کی زبان سے ادا ہوئے جملوں کی بجائے مفہوم کو پیش کیا ہے جس سے تقریر کا پورا لطف و مزہ جاتا رہا (مرتب) "رہبر دکن" ۲ر اسفندار ۱۳۲۱ء۔

نواب فیاض علی خاں صاحب کی کوٹھی میں مولوی محمد حسین صاحب بلگرامی سابق صدر محاسب سرکار عالی کی صدارت میں نواب بہادر یار جنگ کی سیاحتی تقریروں میں پہلی تقریر "ایران" پر ہوئی۔

وہاں کی تعلیمی حالت خراب ہے اس کا مستقبل شاندار ہے وہاں اس وقت تک بھی کوئی سرکاری جامعہ نہیں ہے اور انگریزی مشینوں نے اپنے اپنے "کالج طہران و اصفہان" میں قائم کر رکھے ہیں اور یہ خوب ترقی کر رہے ہیں۔ حکومت ملک کی تعلیمی ترقی کی جانب سے غافل نہیں ہے کہ وہ ہر سال دو سو طالب علم یورپ بھیجتی ہے۔ اس وقت وہاں آٹھ سو ایرانی طلبا ہیں۔ وہاں معاشی حالت بہت خراب ہے اور اس کے سبب نہ تو وہاں زراعت کی حالت اچھی ہے اور نہ صنعت و حرفت کی ایک کروڑ سے کچھ کم آبادی ہے صرف ایک چوتھائی حصہ کاشت کرتا ہے۔ یہاں کی مرغیاں دو تھیں مگر اب صرف ایک رہ گئی۔ ٹائلز کا کام پہلے وہاں بہت اچھا ہوتا تھا وہاں کی ساری عمارتوں کی زینت بھی یہی ہے مگر اب یہ حرفت بہت کم باقی رہ گئی ہے البتہ قالین اب بھی بڑی تعداد میں برآمد ہوتی ہیں۔

اس حرفت و زراعت کی پستی نے وہاں کی عام اقتصادی حالت اس قدر ناگفتہ بہ کر رکھی ہے کہ اہل وطن ترک وطن پر آمادہ رہتے ہیں۔ اس اعلان نے حکومت کو ایک ایسا قانون نافذ کرنے پر مجبور کر دیا ہے کہ ایک ایسا شخص جس کے تین اسلاف ایران کے

باہر پیدا ہوئے ہوں۔ ایران میں داخل ہونے کے بعد وہاں سے باہر نہیں نکل سکتا اور جو لوگ وہاں سے سیاحت پر یا کسی اور ضرورت سے باہر جاتے ہیں تو انھیں اول تو واپسی کے اخراجات کی رقم حکومت کے پاس جمع کروانی پڑتی ہے اس پر بھی اگر وہ وطن واپس نہ لوٹیں تو معاہدات کی مدد سے جو ایرانی حکومت نے دوسری حکومتوں سے کر رکھے ہیں جبراً واپس بلوالیتی ہے۔ نواب آغا یار جنگ بہادر نے سفر ایران اسی لیے ملتوی کر دیا کہ آپ تیسری نسل کے بعد کے ایرانی نہیں ہیں وہاں جائیں گے تو جبراً رکھ لیے جائیں گے۔ وہاں کے دار العلوم کے ایک بڑے معلم نے آپ سے درخواست کی کہ اگر یہاں کی جامعہ عثمانیہ میں ان کے لیے کوئی جگہ نکال کر انھیں بلوالیا جائے تو وہ بہت متشکر ہوں گے۔

ہمارے جامعہ عثمانیہ کے "خوان یغما" کی شہرت نہ صرف ہمارے گرد و پیش ہے بلکہ ایران تک کی اس پر رال ٹپکتی ہے۔ ایرانی سکہ گر گیا ہے پہلے ایک انگریزی پونڈ میں چار پانچ تومان آیا کرتے تھے اب آٹھ دس آیا کرتے ہیں۔ اس اقتصادی پستی کی ایک وجہ حکومت کا یہ فعل بھی ہے کہ اس نے ملکی اقتصادی حالت کی اصلاح کے خیال سے بیرونی اشیاء پر صد فی صد محصول درآمد بڑھا دیا ہے اس کی وجہ سے

تجارتی بازار ماند پڑے ہوئے ہیں۔ وہاں کی اخلاقی حالت اہلِ ایران کی مذہب سے دوری کا نتیجہ ہے ایک شہر نومیں جو طہران سے باہر آباد ہوا ہے دو ہزار عصمت فروش عورتیں رہا کرتی ہیں۔ قدیم فارسی شاعری سے جو تصورات ذہن میں پیدا ہو سکتے تھے وہاں عملاً موجود ہیں۔ عوام وخواص دونوں میں ایفائے وعدہ اور دیانت بالکل ناپید ہیں۔

سیاسی حالت اچھی ہے، روس اور انگریزوں کا وہاں کوئی اثر نہیں ہے۔ اگرچہ اب بھی یہ دونوں شمال اور جنوب سے اس پر اپنا اثر جمانے کی برابر کوشش کرتے رہتے ہیں۔ پہلے وہ سیاسی اقتدار پیدا کرنا اور ایران کو دو حصّوں میں بانٹ دینا چاہتے تھے اور اب اس کو وہ اپنے اقتصادی دباؤ میں لینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایران کی عسکری قوت اچھی ہے۔ وہاں توپ و تفنگ کا کارخانہ بھی ہے اور حربی مدارس کی حالت اچھی ہے۔ وہ تدریجی مگر یقینی ترقی کرے گا اس کے پاس معدن کے بہت ذخیرے ہیں جن کا وہ استعمال نہیں جانتا۔ مگر جب مختلف علوم وفنون حاصل کر کے اس کے فرزند واپس ہو جائیں گے اور حمل ونقل کے انتظامات بڑھ جائیں گے تو یقیناً اس کی تعلیمی اور معاشی حالت بہتر ہو جائے گی۔

بلاد عربیہ

(دوسری تقریر)

۲ر اسفندار کو نواب بہادر یار جنگ بہادر نے سیاحتی تقریروں میں دوسری تقریر نواب فیاض علی خاں کی کوٹھی میں بصدارت نواب فخر یار جنگ بہادر "بلاد عربیہ" پر کی۔

بحوالہ رہبر دکن اسفندار ۱۳۴۲ف

وہ تمام مسلمان اسلاف بلاد عربیہ میں استراحت فرما رہے ہیں جنھوں نے اسلام کی شاندار تاریخ دنیا میں پیدا کی ہے۔ صلاح الدین نے جس شہر پر ہلالی پرچم لہرایا تھا آج کیوں انھیں کے علم کے سائے میں ہے یا آج کیوں حضرت خالد اور حضرت سعد ساہم میں ایک شخص بھی نہیں دکھائی دیتا ہے جو ۱۲ سو ساتھیوں سے لاکھوں پر غلبہ پاجاتے تھے اور جن کے جیسے کبھی سب کے سب تھے۔

بلاد عربیہ یا کسی اور جگہ کی سیادت کے لیے سرکار انگریزی کا

سکہ بہت کافی ہے یہ ہر جگہ مل جاتا ہے۔ حجاز کا اپنا سکہ موجود ہے باوجود اس کے انگریزی سکے کی وہاں بہت وقعت ہے۔ عراق کا کوئی سکہ ہی نہیں ہے مصر اور شام میں لیرہ ہے اور یہ سو قرش میں منقسم ہوتا ہے مگر اس کی قیمتیں ہر جگہ بدلی ہوئی ہیں مگر ایک سیاح جس کے پاس انگریزی ہو ہر جگہ آسانی کے ساتھ اپنا کام چلا سکتا ہے۔ تقریباً تمام بڑے بڑے شہروں ہوٹل میں جہاں آسائش کے ساتھ ٹھہرا جا سکتا ہے ان کے سوا اور مقامات بھی ہیں۔

معاشرت و تمدن اور مذہب کی حالت نہ صرف بلاد عربیہ بلکہ تمام بلاد اسلامیہ و بلاد مشرقیہ میں یکساں ہے اور ایک ہی سبب کا نتیجہ ہمارے وطن کے اس ممتاز سیاح کے خیال میں جب حرب عظیم کی توپوں کی گرج نے سونے والے مشرق کو جگایا اور وہ اپنے خواب گراں سے اٹھا تو قدرتاً وہ اس آواز کی طرف دوڑا کھوج لگاتے ہوئے وہ مغرب جا پہنچا۔ جہاں سے وہ آواز آئی تھی۔ مگر اس نے دوڑنے سے قبل اچھی طرح آنکھیں ملی نہیں تھیں۔ وہاں مغرب کی ظاہری شان و شوکت نے اس کی نظروں کے آگے ایک نہایت چمک دار دیوار قائم کر دی۔ اس نے چاہا کہ اس کی شان و شوکت کا سبب دریافت کرے کہ کس طرح اس قوم نے جس کو وہ ذلیل اور حقیر اور

اپنے سے پست سمجھ رہا تھا یہ رتبہ حاصل کر لیا۔ مگر اس دیوار کی پیدا کردہ چکاچوند نے اس کی نظروں کو اصلی سبب دیکھنے کی اجازت نہیں دی۔ یہ سبب حقیقی اس کی معاشی ترقی ہے۔ اس نے نتیجے کو سبب سمجھ لیا اور اپنے وطن کو واپس آکر اس نے اپنے لباس کو مغربی وضع کا کٹوایا اور اپنا معیار زندگی بلند کرنے میں جتنی تیز قدمی سے کام لیا اس کے سویں حصہ سے بھی اس نے اپنے معاشیات کو بلند کرنے کی سعی نہیں کی ۔ اسی ذہنیت نے اس کو مغرب کی ترقی کا ایک سبب ان کی مذہب سے علیحدگی باور کرا دیا اور یہاں بھی اس نے اس بات پر غور کرنے کی ذرا سعی نہیں کی کہ جس مذہب کو مغرب نے ترک کیا تھا کیا وہ اسلام کے جیسا تھا۔ اگر مغرب کے مذہب کی کمزوریاں اس کو معاشی اور سیاسی اور دوسرے اعتبارات سے ترقی کرنے میں مزاحم ہو رہی تھیں تو کیا اس کا اسلام بھی ویسا ہی مذہب تھا۔ چنانچہ اب یہ حال ہے کہ وہ جتنا زیادہ مغرب سے قریب ہے اتنا ہی زیادہ اپنی واقعی معاشرت و تمدن میں مغربی اور اپنے اصلی مذہب سے دور رہے۔ مصر ان خصوصیات میں سب سے آگے، شام و فلسطین کا درجہ اس کے بعد ہے۔ ایک حجاز ہی وہ ملک ہے جہاں کا تمدن خالص اسلامی رہ گیا ہے۔

زراعت و حرفت کے اعتبار سے مصر و شام و فلسطین کی حالت

بہت اچھی ہے ..... یہ حصے بہت سرسبز و شاداب ہیں اور یہاں ہر طرح کی پیداوار حاصل ہوتی ہے۔ یہاں کچھ پارچہ بافی کے کارخانے بھی ہیں۔ اگرچہ ان ممالک میں بھی تجارت تقریباً ساری کی ساری مغربیوں کے ہاتھوں میں ہے۔

عراق کی صنعتی حالت بہت کمزور ہے اگرچہ وہاں کی زراعت قابل افسوس نہیں۔ حجاز کا ایک حصہ اگرچہ غیر ذی زرع ہے مگر اس میں بعض نہایت شاداب حصے موجود ہیں۔ مگر وہاں کے لوگوں کی کاہل کو جو ترکی سلطنت کی فیاضیوں کا نتیجہ ہے انھیں مشقت کی جانب رجوع نہیں ہونے دیتی۔

گو عربی زبان ان تمام ممالک میں بولی جاتی ہے مگر ہر ملک کے لہجے نے اتنے بڑے اختلافات پیدا کر دیے ہیں کہ عربی بولنے والے کو مصری اور مصری کو عراقی و شامی زبان سمجھنا دشوار ہے۔ (قلمی۔ نواب صاحب کے پریس فائیل سے)

یہ تو خیر ایک عربی جیسی وسیع طور پر بولی جانے والی زبان کا حال ہے جو غیر متوقع نہیں جس کو کئی نسلیں اور قومیں بولتی ہیں مگر اس کے حق میں یہ بڑا ظلم ہو رہا ہے کہ

جس طرح مغربی لشکر، مغربی سیاست، مغربی تمدن و مغربی معاشرت اور مغربی لامذہبیت ان بلاد عربیہ کے بسنے والے ممالک کے دماغوں، جسموں اور روحوں پر قبضہ کرتے جا رہے ہیں اسی طرح ان کی زبانوں کے الفاظ کا لشکر بھی اپنے مورچے بناتا اور دبابے تیار کرتا ہوا عربی زبان کی حدود میں دور تک داخل ہو گیا اور اس کی مقاومت کی کہیں بھی کوئی فکر نہیں کی گئی ہے۔

ترکوں کا اسلام

"ترکوں کا اسلام"۔ ۵ رشہریور کل رات کے ۹ بجے مدرسہ انیس الغربا میں الحاج نواب بہادر یار جنگ نے "ترکوں کا اسلام" کے متعلق تقریر فرمائی۔

ہائے کیا وقت آگیا ہے کہ آج ہم ان لوگوں کے اسلام پر غور کر رہے ہیں جنھوں نے آج سے چھ صدی قبل اپنے آپ کو فاتح کی حیثیت سے پیش کیا تھا۔ آج ہم ان لوگوں کے ایمان کا محاسبہ کر رہے ہیں جنھوں نے عثمان خاں اول سے لے کر عبدالحمید کے زمانہ تک اسلام کے لیے اپنے خون کی ندیاں بہادی تھیں۔ اتفاق سے میں اباصوفیہ کے قریب قہوہ خانہ میں داخل ہوا کچھ دیر بعد توپوں کے گرجنے کی آواز آئی اور اباصوفیہ پر کچھ روشنی کی جھلک نظر آنے لگی۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ آج کی رات حضرت رسول اکرمؐ کی ولادت باسعادت کی رات ہے۔ یہ سن کر خیال کیا کہ آج یہاں کی

مسجدیں آباد ہوں گی۔ اباصوفیہ پہنچا تو اس کے وسیع طاق میں دو چار قمقمے ٹمٹما رہے تھے اور منبر کے قریب ایک شخص بیٹھا ہوا قرآن کی تلاوت کر رہا تھا۔ غرض دو تین آدمی کے سوا اور کوئی موجود نہ تھا۔ جب میں کسی ترک سے پوچھتا کہ کیا تم مسلمان ہو تو غصہ سے جواب دیتا کہ الحمدللہ ویسا ہی ایک اور شخص سے دریافت کرنے پر جواب ملا کہ اسلامیت اور معاشرت بالکل الگ الگ چیزیں ہیں جیسا کہ ساری قوم کا خیال ہے ہم اسلام پر اب بھی جان قربان کرنے تیار ہیں۔ اسلام ہمارے دل کے ساتھ ہے۔ اعضاء اور لباس کے ساتھ نہیں مجھے ایک دن بارش کی وجہ سے ان چھتریوں میں پناہ گزین ہونا پڑا جو لب سڑک بنائی گئی ہیں جس میں چار پانچ آدمی بیٹھ سکتے ہیں اس میں میز اور کرسیاں رکھی رہتی ہیں۔ ایک لڑکے کو جو اپنی ماں اور بہن کے ساتھ مغربی لباس میں تھا میں نے اس سے اپنے ترجمان کے ذریعہ پوچھا کہ کیا تم مسلمان ہو۔ لڑکے کی نوجوان بہن نے کہا کہ برائے خدا قسطنطنیہ اور انگورہ کو دیکھ کر پورے ترکی پر قیاس نہ قائم کر لیا جائے بلکہ آپ بروسہ وغیرہ جائیں جہاں اصل ترکوں کو دیکھنے کا موقعہ ملے گا جب میں بروسہ، اناطولیہ ترنیہ، عسکی وغیرہ گیا تو واقعی لڑکی کے بیان کردہ حالات درست تھے۔

قابل مقرر نے ترکوں کی اسلام سے دوری کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ان کی تباہی کے دو سبب ہیں ایک تو یہ کہ ان کی مائیں دیگر اقوام کی ہیں جنھوں نے گھر میں آتے ہی اسلام سے نفرت پھیلانا شروع کیا، دوسرا سبب مغربی اقوام کے دوش بدوش رہنے بسنے کا اور ان کی طرز معاشرت اختیار کرنے کا ہے۔ ترکوں نے ترقی کے میدان میں بڑھنے کے لیے سمجھا کہ جب تک مذہب سے ہٹ نہ جائیں ترقی نہیں ہو سکتی اور ایک سبب ان کی تباہی کا یہ ہے کہ ترکوں نے عربی رسم الخط سے قطع تعلق کر کے لاطینی رسم الخط اختیار کر لیا۔ مدارس سے دینی تعلیم اٹھا لی گئی اپنے قوانین کو بدل دیا۔

آل عثمان کے زمانے میں ترکوں میں دینی قوانین رائج تھے جو آج دولت آصفیہ میں رائج ہیں لیکن جب سے ترکوں نے یہ اعلان کر دیا کہ حکومت کا کوئی مذہب نہیں ہے اس وقت اسلام سے دور نظر آنے لگے آج کل ان کی عدالتوں میں اسلامی قوانین کے موافق فیصلہ صادر نہیں ہوتا ترکوں نے عقد و نکاح کے معاملہ میں بھی یورپ کے طریقہ کو پسند کر لیا۔

آج کل ہندوستان کے یورپ زدہ نوجوان مسلمانوں میں

بھی یہی جذبات نظر آرہے ہیں وہ یورپ سے ایسے ہی خیالات کو لے کر ہندوستان واپس ہوتے ہیں جیسے آج کل ترکوں کے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہندوستان میں بھی ان یوروپی تعلیم یافتوں میں سے کوئی مصطفےٰ کمال پیدا ہو جائے اور ہندوستان کی زمین پر ترکی کا انقلاب آنے لگے۔ ترکوں کو غارت کرنے والا تخیل صرف یہی تھا کہ وہ اسلام کو مانع ترقی سمجھتے تھے جیسا کہ آج کل بعض مغربی صحبت یافتہ نوجوانوں کا خیال ہے۔ اگر یہی حال ترکوں کا رہا تو ان کی آنے والی نسلیں اسلام سے بالکل بیگانہ ہوں گی۔

ایشیا کدھر سفر کر رہا ہے

مولانا خواجہ حسن نظامی کی جانب سے عربک کالج میں "ایشیا کدھر سفر کر رہا ہے" کے زیر عنوان قائد ملت کی جو تقریر دلی میں ہوئی رسالہ مکتبہ حیدرآباد میں یہ تقریر مکمل شائع ہوئی جو شریک کتاب ہے۔ اسی تقریر کی اخباری روئداد جو دلی کے اخبارات نے شائع کی بطور ضمیمہ شریک اشاعت کی جارہی ہے۔

عنوان بالا پر ملک کے نامور رئیس اور حیدرآباد کے سب سے بڑے سماجی خدمت گذار نواب بہادر یار جنگ بہادر صدر امداد باہمی مکتبۂ ابراہیمیہ نے عربک کالج میں ۲۴ مارچ ۱۹۳۳ء کو تقریر فرمائی تھی جلسہ کا انتظام حضرت خواجہ حسن نظامی نے کیا تھا۔ پوسٹر میں عنوان لکھا تھا "دہلی میں نیا ابن بطوطہ" جس سے نواب صاحب کی سیاحت دوستی کی طرف اشارہ ہے۔ جلسہ کے صدر سر محمد یعقوب تھے۔

تقریر ایک بہت بڑے مجمع کے سامنے ہوئی جو دہلی کے

سربرآوردہ لوگوں پر مشتمل تھا۔ تقریر ہندو مسلمان سب میں اس قدر مقبول ہوی کہ مسٹر چمن لال رپورٹر "ہندوستان ٹائمز" نے اس کی پچاس ہزار کاپیوں کی طباعت کے لیے اپنی طرف سے انتظام کرنے کی خواہش ظاہر کی اور کہا کہ "ایسی منفرد اور تجربہ پر مبنی تقریریں بہت کم ہوتی ہیں"۔

(بحوالہ ماہنامہ مکتبہ شمارہ (۳) جلد ۱۰، جون ۱۹۳۳ء)

دہلی میں نیا ابن بطوطہ

نواب بہادر یار جنگ کی تقریر

ایشیا کدھر سفر کر رہا ہے

حیدرآباد دکن کے مشہور خاندانی رئیس نواب بہادر یار جنگ ابھی حال میں حجاز، عراق، مصر، شام، فلسطین، قسطنطنیہ، انگورہ ایران، وسط ایشیا، افغانستان وغیرہ کا سفر کر کے آئے ہیں اور انھوں نے افریقہ اور ایشیاء کے مشہور نرم و گرم لیڈروں سے مل کر اور حالات کو اپنی آنکھ سے دیکھ کر معلوم کیا ہے کہ ایشیا اور افریقہ کا سفر کس رخ ہو رہا ہے۔ وہ حیدرآباد کے

مشہور امیر اور وہاں کی اسمبلی کے ممبر اور اس ملک کے نوجوانوں کے مقبول لیڈر اور اسلام کے عالم اور نہایت عمدہ مقرر ہیں۔

انھوں نے مہربانی کر کے دہلی والوں کو اپنے سفر کے تجربات سے فائدہ پہنچانے کا وعدہ کر لیا ہے اور میں نے ۲۴ر مارچ ۱۹۳۳ء جمعہ کے دن شام کو سات بجے عربک کالج اجمیری دروازہ کے ہال میں ان کی مذکورہ تقریر کا انتظام کیا ہے۔

لہٰذا دہلی میں آئے ہوئے والیان ریاست اور ممبران اسمبلی اور ممبران کونسل آف اسٹیٹ اور دہلی کے لیڈروں اور کالجوں کے استادوں اور طلبہ اور سب ہندو، مسلمان، عیسائی سکھ، پارسی اور اہل علم سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ

۲۴ر مارچ جمعہ کے دن
شام کے ٹھیک سات بجے
عربک کالج اجمیری دروازہ دہلی

میں تشریف لا کر نواب صاحب کی تقریر کو سنیں اور معلوم کریں کہ ایشیا اور افریقہ کی زندگی کس جانب سفر کر رہی ہے اور اس کا اثر ہندوستان کی زندگی پر کیسا پڑنے والا ہے۔ تقریر سیاسی نہیں ہوگی بلکہ مذکورہ اقوام کی مجموعی زندگی کا بیان کیا جائے گا۔

ضرور تشریف لائیے آپ بہت مسرور ہوں گے۔

حسن نظامی دہلوی

ساری تعریف اس خدائے واحد و لاشریک کو سزاوار ہے جس نے اپنی خلاقیت کے صدقے میں انسانِ ضعیف کو قوت ایجاد و اختراع عطا فرمائی سریع السیر سواریوں کے ذریعہ زمین کی طنابیں کھینچ دیں۔

واجب الاحترام صدر، اور معزز حاضرین۔ بیسویں صدی عیسوی میں جب کہ مطبع اور لاسلکی قوتوں نے مشرق اور مغرب کے ڈانڈے ملا دیئے ہیں اور پلک کے جھپکاتے ہزاروں کوس دور کے واقعات کو معلوم کر لینا ممکن کر دیا ہے۔ کسی ایسے سیاح سے جس نے ڈیڑھ سال قبل دنیا کے بعض حصوں کو دیکھا تھا یہ توقع کرنا کہ وہ نئی بات آپ کے سامنے پیش کر سکے گا میرے خیال میں امید موہوم سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ زمانہ کی رفتار قرن بستم میں برق و نظر کی رفتار سے بھی زیادہ تیز ہو گئی ہے۔ میرے دیکھے ہوئے ممالک کو ہی لیجئے کتنے ایسے ہوں گے جن میں اس ڈیڑھ سال کے عرصہ میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں ایسی تبدیلیاں واقع ہو چکی ہوں گی جن کے بعد پرانے حالات کو دہرانا آپ کا وقت ضائع کرنا ہے اور نہ میں اس وعدہ کی جرأت کر سکتا ہوں

کہ کوئی نئی چیز آپ کی خدمت میں پیش کر سکوں گا۔ لیکن حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب نے (جو زمانہ کی نبض کو آپ سے اور مجھ سے زیادہ بہتر جانتے اور پہچانتے ہیں) ایک ایسا عنوان میرے لیے منتخب فرمایا ہے جس کا تعلق واقعات سے زیادہ ان کے نتائج اور میرے تاثرات واحساسات سے ہے۔ اس لیے جو کچھ دیکھا اور ان کے ذریعہ جو کچھ سمجھا اس کو بامتثال امر حاضر خدمت کر رہا ہوں۔

میں نہیں جانتا کہ روس، چین اور جاپان اور جزائر شرق الہند کے شامل نہ ہونے کے باوجود میرے تاثرات کو کسی طرح سارے ایشیا سے متعلق کیا جا سکتا ہے اگر خواجہ صاحب نے بجائے "ایشیا" کے "بلاد اسلامیہ" کہا ہوتا تو زیادہ مناسب ہوتا لیکن بیسویں صدی کے ربع اول میں مشرق کے جس حصہ نے تنزل وارتقاء کے میدان میں ایشیا کی نمائندگی کی وہ یہی ممالک اسلامیہ تھے اس لیے ان کے انقلاب ونتائج حالات سے اگر ایشیا کی عام حالت پر تبصرہ کیا جائے تو کسی طرح نامناسب نہیں ہو سکتا۔ میری سیاحت کا تعلق بالکلیہ بیسویں صدی سے ہے لیکن حال کا صحیح تصور نہیں قائم کیا جا سکتا جب تک ماضی کی مٹی ہوئی تصویر پر سرسری ہی سہی ایک نظر نہ ڈال لی جائے۔ آپس کے جنگ وجدل اور اندرونی کشمکش واضطراب کے باوجود جو تاریخ کے

کامیاب سے کامیاب دور میں بھی پایا جاتا ہے۔ مشرق کا آفتاب عظمت و جلال اٹھارویں صدی عیسوی کے اواخر تک تابندگی کے ساتھ بلند رہا اور یہی وہ دورِ تنزل ہے جب کہ صدیوں کی مسلسل و کامیاب حکومت نے مشرقی سلاطین و رعایا دونوں کو عیش پرستی و آرام طلبی کا شکار بنا دیا تھا۔ ایک طرف قوت فیصلہ ان سے سلب ہو گئی دوسری طرف اعضاء کی کھولت و راحت طلبی نے ان کو رزم سے سے زیادہ بزم طرب کا شیدائی بنا دیا۔ تدبر و فراست ہمیشہ ان ہی اقوام کا سرمایہ رہے ہیں جن میں طلب حیات کی سرگرمی موجود رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان میں اکبر و عالمگیر ایران میں عباس و صفوی اور روم میں سلیمان و سلیم کے جانشین شاہ شطرنج اور شیرقالین بن کر رہ گئے اور یہی وہ دور ہے جب کہ مغرب کے تاجروں نے بازاروں سے گزر کر مشرق کے درباروں میں قدم رکھا۔

ہندوستان جس کو جسد مشرق کا قلب کہا جا سکتا ہے دوسروں کے استقبال کے لیے تیار تھا۔ طوائف الملوکی اور آپس کی کشمکش نے امکانات کو زیادہ قوی کیا اور یہ پہلی اور زبردست کامیابی تھی جو مشرق پر مغرب نے حاصل کی۔ دنیا کا ایک انسان بھی ہاتھ آئی ہوئی نعمت خداداد سے آسانی کے ساتھ دست بردار ہونے کے لیے

تیار نہیں ہو سکتا۔ مغرب نے بھی یہی کیا کہ ہندوستان پر اپنے قبضہ کو مستحکم و مضبوط بنانے کے کسی موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ یوں تو مشرق کی بدبختی اپنی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے ہر وقت کچھ نہ کچھ سامان مغرب کی کامیابی کے لیے فراہم کرتی رہی لیکن اس کی تکمیل جنگ عظیم کے نتائج نے کر دی۔ کیا آپ یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں کہ سنگاپور، جزائر شرق الہند اور عدن کا تسلط اسی ہندوستان کی خاطر تھا اب عراق و فلسطین اور مصر کا انتداب اسی ہندوستان کے لیے خلیج فارس اور بحر قلزم کا راستہ صاف کرنے کی خاطر ہے۔

ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ افغانستان، روس، انگلستان کی چکی میں دانہ بنا ہوا تھا۔ ایران میں جنوب سے بڑھنے والی فوجیں کرمان و مشہد تک اور شمال سے اترنے والی جمعیتیں ہمدان و قزوین تک پہنچ چکی تھیں۔ روم کا مرد بیمار دم واپسیں لے رہا تھا اور وحدت عربیہ کا شریفانہ خواب ناآشنائے تعبیر ہو چکا تھا۔ مجھے ان گزشتہ الفاظ کے ذریعہ صرف ایشیا کے انقلابات ماضیہ کی طرف اشارہ کرنا تھا اب حال سے متعلق سنیئے۔ جنگ عظیم جہاں ایشیا پر یورپ کے تسلط کی آخری کڑی تھی وہیں ایشیا کے بخت خفتہ کی بیداری کا الارم اور اس کے قفل محبس کے لیے ضربت شمشیر ثابت ہوئی۔

سوتے ہوئے ایشیا نے انگڑائی لی مرتے ہوئے بیمار نے آنکھ کھولی اور جذبۂ حریت خودداری حیات تازہ کی طرح چین سے ایشیائے کوچک تک اور سائبریا کے برف پوش میدانوں سے راس کماری تک جسد ایشیا میں سرایت کر گیا ایک ہی غلغلہ بیداری تنہا جو مصر میں زاغلول پاشا کی شام میں امیر شکیب ارسلان کی ترکیہ میں غازی مصطفےٰ کمال پاشا کی روس میں لنین کی اور ایران میں رضا شاہ پہلوی کی زبان سے بلند ہوا۔ یہی آواز غازی امان اللہ خاں کی زبان سے نکل کر فضائے افغانستان پر گونجنے لگی۔ اس کی صدائے بازگشت چین سے سنی گئی اور اسی جذبۂ جاں نواز کو ٹیگور و گاندھی نے ہندوستانیوں کے قلب میں پیدا کرنے کی کوشش کی۔ حیات و زندگی کی اس سعی میں وہ قومیں کامیاب ہوگئیں جو قومیت متحد رکھتی تھیں اور جن میں نفاق و شقاق نے انتشار و پراگندگی نہ پیدا کی تھی جتنی قومیں یا جو ممالک ایشیا اس وقت محروم استقلال حریت ہیں ان کی ناکامی کے یوں تو بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں مثلاً غالبین کی قوت و طاقت خود ان کی عدم صلاحیت، مواقع کی عدم موجودگی وغیرہ۔ لیکن ان سب سے اہم اور قابل غور سبب جس کو ان کے اسباب ناکامی کا قدر مشترک کہا جا سکتا ہے۔ ان کا آپس کا تفرقہ

انشقاق ہے۔ ہندوستان کی خانہ جنگی آپ کے سامنے ہے۔ مصر میں وفدیوں اور شعیوں کو متصادم ہوتے ہوئے آپ نے سن ہی لیا ہے عراق میں سنی و شیعہ کی تفریق کو وہم و اندیشہ نہ سمجھیئے اور فلسطین کو دیکھیئے کہ اگر وہاں کوئی آپس میں لڑنے والا نہ تھا تو اب یہود اپنی وطنیت کے جذبہ کے تحت وہاں اس کا سامان پیدا کر رہے ہیں لیکن کوئی وجہ نہیں ہے کہ یہ حالات آپ کو مایوس کر دیں جنگ عظیم کی جھڑتی اور برستی ہوئی آگ نے ایشیا کے سوکھے جنگلوں میں احساس و بیداری کی جو چنگاری پھینکی ہے وہ بجھ نہیں گئی آہستہ آہستہ سلگ رہی ہے اور ایک روز سارے مشرق کو گرما کر رہے گی۔

حضرات! اب تک آپ نے جو کچھ سنا وہ ایشیا کا سیاسی سفر تھا آپ نے اس سے اندازہ کیا ہوگا کہ اس کی منزلِ سیاست معین ہے اور وہ مضبوط قدموں کے ساتھ اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ لیکن کیا آپ کسی قوم یا ملک کی ترقی کے لیے صرف سیاسی ترقی یا سیاسی ہلچل کو کافی تصور فرماتے ہیں۔ میرے خیال میں تو اس زمانۂ علم و عمل میں سیاسی ترقی بھی مختصر ہے۔ دماغی اور اقتصادی ترقی پر اب غور کیجیے کہ ایشیا کا علمی و اقتصادی سفر کسی حد تک اطمینان بخش ہے۔ ان میں سے ہر ایک عنوان ایک مستقل صحبت چاہتا ہے کہ اس پر گفتگو کی جائے فی الحال ایک

سرسری نظر اس پر ڈالی جائے۔

مشرق کی تاریخ شاہد ہے کہ وہ ہمیشہ علم و حکمت کا گہوارہ رہا ہے۔ چند روز کے لیے اس کی کاہلی اور آرام طلبی نے اس کو سست اور مغرب کی بیداری و جوش عمل نے اس کو زیادہ تیز قدم کر دیا تھا۔ اب ایشیا علم کی طرف توجہ کر رہا ہے اور نہ صرف اپنی کھوئی ہوئی دولت سے بلکہ دوسروں کی جمع کی ہوئی سے بھی اپنے جیب و دامن بھرنے کی فکر میں ہے۔ جہاں وہ دوسروں کے کرم کا محتاج ہے وہاں وہ سیکھنے اور معلوم کرنے پر مجبور ہے جو اس کو سکھا دیں اور بتا دیں لیکن جہاں اس کی مرضی اس کے افعال پر قادر ہے وہاں اس نے اپنی قومی ضروریات کے مطابق اپنے نصاب مرتب کر لیے ہیں۔ جاپان اور روس کی کیوں پوچھتے ہو، کہہ سکتے ہو کہ انھوں نے اپنی نقطۂ نظر اسی منزل کو پا لیا ہے۔ ترکیہ کو جس کا نصاب تعلیم نہایت مکمل اور قومی ضروریات پر مبنی ہے اور جس کی کوشش فوجی قوت کے استحکام سے کہیں زیادہ ملک میں علم و حکمت پھیلانے پر صرف ہوئی ہے۔

اس زندہ قوم کی وقت پسند طبیعت نے عین اس زمانہ میں جب کہ اس کو دشمنوں سے لڑنا دوستوں سے معاہدات کرنا، گھر کو سنبھالنا اور باہر کی نگرانی کرنا تھا۔ عربی رسم الخط کو ترک کر کے اور لاطینی رسم الخط

اختیار کر کے اپنے لیے ایک نئے کام کا اضافہ کر لیا۔ اب ہر قسم کی نصابی کتابیں لاطینی رسم الخط اور ترکی زبان میں تیار کر لی گئی ہیں۔ تعلیم عام اور جبری ہے۔ مخالف اسلام و مخالف ترک پروپگنڈا کرنے والے مشنین اسکولوں پر سخت نگرانی قائم کر دی گئی ہے۔ حربی اور بحری تعلیم کے مدارس پر خاص توجہ دی جا رہی ہے۔ ایران کو کوئی مستقل یونیورسٹی اپنے پاس نہیں رکھتا اور اب تک دو مشین یونیورسٹیاں امریکہ اور انگلستان سے آکر اس کے فرزندوں کی تربیت کر رہی تھیں لیکن اس کی وزارت معارف اپنے ملک کے لیے خود نصاب مرتب کرتی اور اپنی نگرانی میں اشاعت تعلیم کی کوشش کر رہی ہے۔ تقریباً دو سو طلبا ہر سال ایران سے یورپ جاتے اور جدید انکشافات علمی اپنے ساتھ اپنے بھائیوں کے لیے لاتے ہیں۔ جب میں دار السلطنت میں تھا تو خود اعلیٰحضرت رضا شاہ تبریز تشریف لے گئے تھے کہ اپنے نوعمر جواں بخت ولی عہد کو دوسرے ایرانی طلبا کے ساتھ تعلیم کے لیے یورپ روانہ کریں اور اپنی رعایا کے لیے نمونہ پیدا کریں۔

افغانستان ایک مفلس اور غریب ملک ہے پھر بھی غازی امان اللہ خاں کی مساعی نے کابل میں خاصہ علمی ذوق پیدا کر دیا۔ صرف مدرسہ حبیبیہ انگریزی ہی زبان میں تعلیم دیا کرتا تھا۔ عہد امانی میں دو نئے

دار العلوم مکتب ایانی، اور مکتبہ امانیہ قائم ہو گئے جو المانی اور فرساوی زبان میں تعلیم دیتے ہیں۔ یہاں کے کامیاب طلبا کی تعلیم کے لیے ایک طرف جرمنی اور ہالینڈ اور دوسری طرف فرانس اور سوئزرلینڈ سے افغانستان نے خاص معاہدے کیے ہیں۔ غازی امان اللہ خاں کا عاشق ملت دل چاہتا تھا کہ کم سے کم مدت میں اپنی قوم کو پوری طرح زیور علم سے آراستہ کر دے ان کی اسی کوشش نے افغانستان میں قبل از وقت تعلیم کو جبری کیا۔ اچھے اساتذہ کی فراہمی دشوار بلکہ ناممکن تھی۔ مجبوراً لڑکے ان ہی مُلّاؤں کے سپرد کیے گئے جن کو امان اللہ خاں ملک کی ترقی کا مانع تصور کرتے تھے۔ افغانستان کے گزشتہ انقلابات کی ایک بڑی وجہ میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ قوم کی پوری ذہنی تربیت کے بغیر مُلّاؤں کے ساتھ بدسلوکی نے مدارس افغانستان کو مرکز بغاوت بنا دیا تھا یہ ایک نہایت تفصیل طلب موضوع ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ گزشتہ انقلاب نے افغانستان کی علمی ترقی کو بہت نقصان پہنچایا، کتب خانے تلف کر دیئے گئے۔ لیبارٹریز (معامل سائنس) برباد کر دی گئیں اور مدرسے اجاڑ دیئے گئے اور یہ صرف اس ذہنیت کے تحت ہوا کہ جوش میں بھرے ہوئے افغانوں کے نزدیک یہی مرکز الحاد و زندقہ تھے۔ الحمد اللہ کہ اب پھر افغانستان علمی ترقی کی شاہراہ پر

گامزن ہے۔ اعلیٰ حضرت نادر شاہ کی ہر قسم کی مساعیِ ارتقاء کو میں کہہ سکتا ہوں کہ ان ہی بنیادوں پر قائم ہیں جو غازی امان اللہ خاں نے رکھی تھیں لیکن رفتار عاقبت اندیشانہ اور مطابق حالاتِ ملک اختیار کی جا رہی ہے۔

الغرض ایشیا کی علمی بیداری میں شبہ نہیں لیکن مغربی علوم نے ایشیا پر کیا اثر کیا اور ایشیا نے کس حد تک خذ ما صفا و دع ما کدر کی حکمت عملی اختیار کی اس کو کچھ دیر بعد عرض کروں گا۔

اقتصادیات

ہندوستان پر مغرب کے تسلط کے قبل ہی یورپ نے اپنے تجارتی و صنعتی جال تمام ایشیا پر پھینکنے شروع کر دیئے تھے اور یہی وہ سب سے زبردست حملہ تھا جس کو ایشیا برداشت نہ کر سکا۔ اس کی خام پیداوار تھوڑے ہی دنوں بعد اپنی شکل بدل کر اس کے خزانوں پر ڈاکہ ڈالتی تھی۔ اس کا معیارِ زندگی یورپ کے موجودہ تمدن کی تقلید میں دن بدن بلند تر ہو رہا تھا اپنی معمولی سے معمولی ضرورت کی تکمیل کے لیے وہ مغرب کا دست نگر بنتا جا رہا تھا۔ جہاں مغرب کو تسلط حاصل ہو گیا تھا وہاں اس نے اپنی حکومت و طاقت سے کام لے کر مشرق کی صنعت کو فنا اور اپنی صنعت و تجارت کو ترقی

دینے کی کوشش کی۔ جہاں اس کی حکومت نہیں تھی وہاں خود اس کے مال کی نفاست و پاکیزگی آرام دہی اور آسائش بخش اہل ایشیا کے قلوب کو اپنی صنعت سے متنفر اور اس کی مصنوعات کا شیدائی بنا رہی تھی۔ الغرض ایشیا کے سیاسی مصائب کی طرح اس کے اقتصادی مصائب کی انتہا بھی جنگ عظیم پر ہوئی اب ایشیا کے جیب خالی ہو چکے تھے۔ اس کی تجوریوں کا روپیہ مغرب کے بنکوں کی زینت بن رہا تھا اس لیے اس میں اتنی طاقت تو تھی نہیں کہ یورپ کی صنعت کے مقابلے میں اپنی صنعت کو پیش کرتا اور مارکٹ میں اس کے مال کے سامنے اپنا مال رکھ کر آپ کو بڑھانے کی کوشش کرتا۔ روس اور جاپان کے پاس اتنی قوت تھی آج آپ ان کی طاقت کا اندازہ کر رہے ہیں کہ ایک ساری دنیا کی طرف آنکھیں بند کر کے صرف اپنے آپ کو درست کرنے اور آئندہ انقلاب کے لیے تیار ہونے کی فکر میں ہیں اور دوسرے کی سیاسی طاقت کا راز جس نے حال میں مجلس الاقوام کی تجاویز کو ٹھکرا دیا صرف اس کی اقتصادی ترقی میں پنہاں ہے۔

جنگ عظیم نے سیاسی بیداری کی طرح ایشیا میں اقتصادی بیداری بھی پیدا کی اور ایشیا کے مدبر سوچنے لگے کہ وہ پھر کس طرح یورپ کے اقتصادی طوفان کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اس وقت ان کو وہی تدبیر

سوجھی جو فطرت ہر مجبور انسان کو وقت پر سمجھا دیا کرتی ہے یعنی اپنی چیز کو خواہ وہ خراب ہی کیوں نہ ہو دوسرے کی چیز پر ترجیح دینا اور اس پر قانع ہونے کی کوشش کرنا وہ بجائے اس کے کہ اپنی ہتی دامن کے باوجود یورپ کی صنعتی ترقی کا مقابلہ کرتے۔ انھوں نے اپنی قوم کی ذہنیت کو بدل کر اپنی چیز کو پسند کرنے اور حتی الامکان دوسروں کی مصنوعات کو ترک کرنے کا جذبہ اس کے دل میں پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ہندوستان کو اس تحریک کی ابتداء کا فخر حاصل ہے لیکن دوسرے ممالک نے اس کے مجرب نسخہ کو اپنے امراض معاشی کے علاج کے لیے فوراً منتخب کر لیا۔ مصر میں مجھ سے مصطفیٰ نحاس پاشا جانشین زاغلول مرحوم نے فرمایا کہ ہندوستان کی تمام سیاسی تحریکات میں وہ سودیشی کی تحریک کو سب سے زیادہ پسند کرتے ہیں اور اس تحریک نے ان کے دل میں گاندھی جی کی عظمت بڑھا دی ہے۔ چنانچہ اس وقت ان کے جسم پر جس قدر لباس ہیں وہ دیکھ رہا ہوں وہ سب مصر کے تیار کیے ہوئے پارچہ کا ہے۔ شام میں پارچہ بافی اور خصوصاً ریشمی کپڑے کی صنعت روز بروز ترقی کر رہی ہے اور مصنوعات وطنیہ کی طرف شامیوں کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔ ترکیہ نے ہر قسم کے کارخانے اپنے ملک میں جاری کر رکھے ہیں اور حتی الامکان کوشش کر رہا ہے کہ

غیر ملکی مصنوعات سے چھٹکارا حاصل کرے۔ مجھے یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی تھی کہ غازی مصطفےٰ کمال پاشا کو مصنوعات ملکی کی ترقی کا بہت خیال ہے۔ عراق اور فلسطین اپنی بساط کے موافق اس عظیم الشان تحریک سے غافل نہیں ہیں۔ ایران نے مصنوعات غیر ملکیہ پر شرح محصول اتنی بڑھا دی ہے کہ اہل ایران مصنوعات ملکی کی طرف خود بخود مائل ہو رہے ہیں۔ میں حکومت ایران کی اس کوشش کو قدر سے جلد بازی تصور کرتا تھا کیونکہ میرے خیال میں قالین بافی کی صنعت کے سوا ایران میں دوسری صنعتیں ابھی اس قابل نہیں ہوئی ہیں کہ ملک کی حسب ضرورت سربراہی کر سکیں لیکن مجھے وزیر خارجہ اور وزیر مالیہ ایران نے اطمینان دلایا کہ ایران بہت جلد اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل ہو جائے گا۔ افغانستان کو میں نے ہمیشہ ایک غریب ملک سے تعبیر کیا ہے اس لیے غیر ملکی مصنوعات کی طرف میلان اس کے لیے سب سے زیادہ تباہی کا سبب تھا۔ میں نے ہرات میں اعلیٰ حضرت نادر شاہ غازی کا یہ فرمان دیکھا کہ عساکر اسلامیہ افغانیہ کا صیفی و شتائی (گرمی و سردی کا لباس) ملک کا کاتا ہوا اور بنا ہوا ہونا چاہیے۔ میں نے اس فرمان کے نتائج جشن نجات وطن کے موقع پر کابل میں دیکھے کہ عساکر افغانیہ جن کی تعداد ایک لاکھ سے کم نہیں ہے ملکی لباس

میں ملبوس تھیں اس طرح افغانستان نے نہ صرف اپنی ایک بہت بڑی دولت کو محفوظ کرلیا بلکہ مغرب کی اقتصادی تفریق پر ایک کاری ضرب لگائی۔ عوام ہی نے نہیں خواص بلکہ سلاطین تک نے وقت کی اس اہم ترین ضرورت کو محسوس فرمالیا ہے۔ اعلیٰ حضرت سلطان دکن خلد اللہ ملکہٗ کا وہ ارشاد گہربار کسی کو یاد نہیں جو حیدرآباد میں کاٹیج انڈسٹریل انسٹی ٹیوٹ کا افتتاح فرماتے ہوئے شرف صدور لایا تھا کہ اعلیٰ حضرت اور تمام ارکان خانوادہ عالیہ آصفی گولکنڈہ صابن استعمال فرماتے ہیں اور توقع فرمائی تھی کہ اہل ملک بھی مصنوعات کی ترقی کی طرف توجہ کریں گے۔

الغرض اگر احساس کی بیداری اقوام کی ترقی کا پہلا زینہ ہے اور اس سے ان کے مستقبل کی درخشانی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے تو مجھے اجازت دیجئے کہ آپ کو ایشیا کی بیداری کا مژدہ سناؤں اور اس کی ترقیوں کی توقع دلاؤں۔ موانعات اس کے سامنے بہت ہیں سرمایہ کی کمی مسلسل غلامی اور افلاس کی وجہ سے اخلاقی جرات اور طاقت کا فقدان قوائے علمی کا اضمحلال سب سے بڑھ کر قوت و طاقت رکھنے والے مغرب کا مقابلہ۔ مگر میں مایوس نہیں ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ جلدی نہیں دیر سے سہی ایشیا اپنی منزل ارتقاء عروج

کو حاصل کر کے رہے گا۔

معزز حاضرین اس وقت آپ نے جو کچھ سنا وہ آپ کے لیے خوش کن اور مسرت بخش تھا۔ اب میں چند خطروں اور اندیشوں کو بھی جو ایشیا کے مستقبل سے متعلق مجھے پیدا ہو گئے ہیں آپ کے سامنے رکھنے کی جراءت کرتا ہوں۔ گذشتہ دو صدی میں یورپ نے ایشیا پر توپ و تفنگ اور تیغ و خنجر کے ذریعہ جس قدر حملے کیے وہ اتنے مہلک ثابت نہیں ہوئے تھے جتنا اس کے زبان و قلم سے پہنچائے ہوئے زخموں نے ایشیا کو نقصان پہنچایا۔ مغرب کے مدبر صرف شہروں پہاڑوں، دریاؤں اور جنگلوں پر اپنے قبضہ کو اتنا اہم نہیں سمجھتے تھے جتنا آپ کے قلب اور دماغ پر تصرف ان کے نزدیک اہم تھا چنانچہ مختلف ذرائع سے ایشیا کے قلوب اور دماغ پر قبضہ کیا گیا اور آج ان کے مہلک نتائج کچھ تو ظاہر ہو چکے ہیں اور دیکھنے والی آنکھیں زیادہ کی توقع کر رہی ہیں۔ تبدیلی ذہنیت کی اس اثر انگیز کوشش کا سب سے پہلا شکار فطرتاً وہ ممالک ہوئے جو یورپ سے زیادہ قریب تھے اور اب آہستہ آہستہ وہ ممالک بھی جو دور ہیں اس کوشش سے متاثر ہوتے جا رہے ہیں۔ مشرقی تربیہ میں جو جراثیم ایشیائی دماغوں میں چھوڑے گئے وہ تین قسم کے تھے۔

الف۔ یہ تخیل کے مذہب مانع ترقی ہے۔

ب۔ وحدت اسلامیہ کے بجائے قومیت پرستی کا تخیل اور اس کے ذریعہ آپس میں تفریق پیدا کرنا۔

ج۔ گراں خرچ مغربی تمدن و معاشرت و بلند تر معیار زندگی کو مفلس و غریب ایشیا کے گلے منڈھوں پر لادنا۔

مذہب مانع ترقی نہیں ہے

ابتدائے آفرینش سے آج تک روحانیت اور مذہب پرستی ایشیا کی خصوصیات رہی ہیں اس کا ایک حصہ مغرب نے بھی اپنے ابتدائی دور میں حاصل کیا تھا لیکن عیسائیت کی بگڑی اور مسخ شدہ صورت اس کو کہیں مطمئن نہ کر سکی وہ موجودہ عیسائیت میں اس دنیا کی زندگی کے لیے کوئی سامان نہ پاتا۔ اس کو وحشت ہونے لگتی اور وہ سوچنے لگتا کہ کیا فی الحقیقت کوئی شخص مذہبی رہ کر اس دنیا میں ترقی بھی کر سکتا ہے جب اس کے سامنے یہ تعلیم پیش کی جاتی کہ کوئی تمہارے گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا بھی پیش کر دو تو غور کرتا کہ کیا یہی اصول دربار سیاست میں استعمال کیا جا سکتا ہے اور ایک صوبے کے چھیننے والے کی خدمت میں دوسرا صوبہ بھی نذر کر کے اس دنیا میں زندہ رہنا ممکن ہے جب اس

نے موجودہ اناجیل اربعہ اور نغمہ ہائے زبور ہی کو نہیں بلکہ توریت جیسی مفصل کتاب کو بھی جو اس وقت اس کے ہاتھ میں ہے۔ عالم بعد الموت ہی کے لیے مخصوص پایا اور عالم ناسوت کے لیے اس میں کوئی مکمل ضابطہ اس کو نہ ملا تو اس کے مدبر دنیا کے دوسرے مکمل الہامی ضوابط پر نظر ڈالے بغیر سمجھنے لگے کہ مذہب مانع ترقی ہے اگر آپ بھی ان کی جگہ اور ان کے ماحول میں ہوتے تو شاید یہی کرتے۔ ایک طرف ان کے مشنریز سارے ایشیا میں لاکھوں بلکہ کروڑوں روپیہ بکھیر کر تبلیغ عیسائیت میں مشغول تھے جو ایشیائی قلوب کو مغرب کی طرف مائل کرنے والی ایک سیاسی تدبیر سے کچھ زیادہ نہ تھا اور دوسری طرف یورپ کی درسگاہوں میں مشرقی طلبا کے دماغ لامذہب کی مشین میں ڈھالے جا رہے تھے اور یورپ کو اس تجربے نے جو سکھایا تھا وہی اپنے مذہب اور اس تعلیمات سے ناواقف مشرقیوں کو سکھایا جا رہا تھا مسلمان اس تبلیغ سے سب سے زیادہ متاثر ہوئے، نام نہاد فرزندان زمانہ نے بہت پہلے ہی ان کو اپنی مذہبی تعلیم دی ہے اور آیا موجودہ عیسائیت کی طرح وہ بھی مانع ترقی ہے یا موید ارتقا، وہ نہیں جانتے تھے کہ خدائے عزوجل نے قرآن میں متعدد جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

تمہارے لیے دن اور رات اور چاند اور سورج کو کام میں لگایا

مسلمانوں نے بھلا دیا کہ ان کو اشرف المخلوقات ہی نہیں بلکہ اس دنیا کے بسنے والے سارے انسانوں کے لیے نمونہ اور مثال بنا کر پیدا کیا گیا ہے۔ کائنات ارضی کی مخلوقات نہیں بلکہ ان کو بشارت دی گئی ہے کہ کائنات سماوی کی مخلوقات اور خود آسمان ان کے لیے پیدا ہوئے ہیں ان کو یہ جاننے کا موقع نہ ملا کہ فی الحقیقت وہی خلیفۃ اللہ فی الارض ہیں۔ انھوں نے بھلا دیا کہ لقد کرمنا بنی آدم کی تفسیر وہی ہیں۔ انھوں نے بجلی اور بجلی کی کرشمہ سازیوں کو تعجب کی نگاہ سے دیکھا۔ حالانکہ ان کو سکھایا گیا تھا کہ مخلوقات پر قبضہ و تصرف ان کی ادنیٰ صفت ہے اور اعلیٰ کوشش اس سے گزر کر خالق مخلوقات کو اپنا کر لینا ہے۔

در دست جنوں من جبریل زبوں صیدے
یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ

ان کے سامنے قرآن حکیم آنے والی نہیں بلکہ اس دنیا کے لیے ایک مکمل نظام قانون پیش کر رہا تھا لیکن ان کی نگاہ گو اس کے لیے بند تھی ان کے روبرو قرن اول کی تاریخ مسلمان کی حقیقی تعریف پیش کر رہی تھی اور بتا رہی تھی کہ مذہب ہی تو وہ طاقت تھی جس نے "شیر شتر" و سوسمار کھانے والے عربوں کو باعث رشک قیصر و کسریٰ بنا دیا تھا وہ بھول گئے کہ یہی دیوان گان مذہب تھے جنھوں نے

چھ سو سال تک ہسپانیہ پر، آٹھ سو برس تک ہندوستان پر اور تیرہ سو سال تک بلاد اسلامیہ عرب و عجم پر کامیاب حکمرانی کی۔ ان کو یاد نہیں رہا کہ خود یورپ کے مدبروں نے قانون اسلامی کو رومن لا سے زیادہ مستحکم و مضبوط مانا ہے۔ شراب مغرب کے نشہ میں وہ فراموش کر گئے کہ ان کا مذہب دنیا کی ہر تحقیقات جدید اور ہر ترقی کو اپنی منزل مقصود کے لیے ابتدائی قدم بتاتا ہے اور یورپ کا جادو ان پر چل گیا ہے۔ لامذہبیت کے طوفان میں جو تمام مذاہب عالم کو یکساں متاثر کر رہا ہے یہ خیر الامم بھی چلی جا رہی ہے اور اپنی منزل سے بے خبر ہے یہ وہ عظیم الشان خطرہ ہے جس نے مشرق قریب کے بلاد اسلامیہ کو گھیر لیا ہے اور اب ہندوستان کی طرف سرعت سے بڑھ رہا ہے۔ علمائے دین اپنی حالتوں میں مست اور اس خطرے سے بے خبر ہیں اور نوجوان اپنی عظمت مغرب سے چندھیائی ہوئی آنکھوں سے دیکھ کر اس شر کو اپنے لیے خیر سمجھ رہے ہیں۔ وقت ہے کہ ہم بیدار ہو جائیں اپنے دین کا قرآن مجید کی روشنی میں مطالعہ کریں اور سوچیں کہ کیا فی الحقیقت ہمارا دین بھی مانع ترقی ہے، اگر نہیں ہے بلکہ موید ارتقا تو یورپ کو سنا دیں کہ تیرا نظریہ اپنے دین کے پیش نظر درست لیکن اسلام کی موجودگی میں غلط ہے۔ اگر تزکیہ نفس اور سیاست مدن کو ساتھ ساتھ رکھنا چاہتا

ہے تو آ ــــ اور دامن اسلام میں پناہ گیر ہو پھر دیکھ کہ مذہب ہی نے سامان ترقی پیدا کیے تھے اور اب بھی کر سکتا ہے۔

قومیت اور اسلامیت متحدہ

ہندوستان کی قومیت

متحدہ کی ضرورت ہے لیکن وہاں مذہب کے نام پر ایک دوسرے سے دست و گریباں ہونے والی ذہنیت ترقی کر رہی ہے۔ یہاں کے مسلمانوں کو میں یہ مشورہ دے سکتا ہوں کہ بیرون ہند کی مسلمان جماعت سے رشتۂ اخوت برقرار رکھتے ہوئے ہندوستان کا ان پر حق ہے کہ یہاں کی دوسری اقوام کے ساتھ شیر و شکر ہو جائیں۔ اور ایک قومیت متحدہ ہندوستانی کے نام سے پیدا کر دیں۔ لیکن مشرق قریبہ میں جہاں اس کی ضرورت نہیں تھی ان کو صرف ایک ہی تخیل درکار تھا اور وہ اسلامیت کا تخیل ہو سکتا تھا۔ اسلام کی صدائے پُر محبت یورپ کے کانوں میں ہمیشہ صور اسرافیل بن کر پہنچی اور اس نے ہر زمانے میں یہ محسوس کیا کہ جب تک یہ یقین موجود ہے مشرق پر اس کی کامیابی محال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں اس کی درسگاہوں اور اس کے مشنریز کے ذریعہ مشرق قریب کے فرزندوں کو مذہب کے مانع ترقی ہونے کا درس ملا۔ وہیں عرب کے دل میں عربیت اور کرد کے قلب میں کردیت

کا خیال پیدا کیا گیا۔ ترکوں کو سکھایا کہ تم پہلے ترک ہو پھر مسلمان۔ یہ کیا معنی کہ سیاست میں تو ان پر حکمرانی کرو اور تمدن و معاشرت میں غلامی نتیجہ ظاہر ہے کہ شریف حسین کی رابطہ اسلامیہ کی بجائے اتحاد عربیہ کی ناپاک کوشش نے سلطنت اسلامیہ کو پارہ پارہ کر دیا۔ جس پاسپورٹ پر آج سے دس سال قبل صرف ترکی قونصل کا ویزا حجاز، فلسطین، مصر شام، عراق اور ترکیہ کی سیاحت کے لیے کافی ہوتا تھا آج ان ہی ممالک کے داخلہ کے لیے میرے پاسپورٹ پر (۶) ویزا موجود ہیں تعجب یہ ہے کہ اس قدر تباہی کے بعد بھی یہ ذہنیت برابر ترقی کر رہی ہے اور اسلامیہ متحدہ کی وہ بنیادیں جو تیرہ سو سال قبل رکھی گئی تھیں متزلزل ہو رہی ہیں اور پارہ پارہ ہو جانے والی طاقتیں یورپ کے لیے سامان تسلط فراہم کر رہی ہیں میرے نزدیک پہلے بھی مسلمانوں کی ترقی کا راز اجتماعات اسلامیہ میں تھا اور آج بھی ہے۔

تقلید کورانہ مغرب

جنگ عظیم کے ہنگامہ رست وخیز نے جب ایشیاء کو اپنی گراں خوابی سے بیدار کیا تو ان برسوں کے سوئے ہوؤں نے آنکھوں کو ملے بغیر اس سمت میں نظر ڈالی جدھر سے یہ مہیب آوازیں آ رہی تھیں اور پردہ آتش و دخان کو چاک کر کے

جب یورپ کو دیکھا تو عجیب عالم عظمت و جلال نظر آیا جس چیز پر نظر پڑ جاتی تھی کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جا است۔ اسی صدیوں کے پابہ زنجیر غلام نے اپنے آقا کے گھر کی یہ رونق دیکھی تو تمدن و تہذیب مغرب کی ترقی کے ان نتائج کو سبب ارتقا سمجھا اور حقیقی اسباب سے قطع نظر کر کے خود بھی ظاہر میں وہی بننے کی کوشش کی جو یورپ کو اسباب کے بعد بن سکا ہے۔ اپنی جیب کے وزن کا اندازہ کیے بغیر معیار زندگی کو بلند کرنے لگا۔ اپنی موافق حالات و سادہ معاشرت اس کو ذلیل نظر آنے لگی اور اس کی ما یحتاج کے لیے بھی ناکافی آمدنی کا بیشتر حصہ اپنے کمروں کی سجاوٹ اپنے مکان کی آرائش اور اپنے جسم کی زینت پر صرف ہونے لگا۔ اس کے عمل کی قوتیں اسباب ترقی کو تلاش کرنے اور حاصل کرنے کی بجائے نتائج ارتقا تہذیب کو حاصل کرنے میں صرف ہونے لگیں۔ اس کے دو بُرے نتائج مرتب ہوئے ایک یہ کہ دوسروں کی تقلید کرتے ہوئے مشرق اپنی چھوٹی سے چھوٹی ضرورت کے لیے ان ہی کا محتاج ہو گیا۔ دوسرے آمدنی کی کمی اور اخراجات کی زیادتی نے اس کو بے انتہا مالی مشکلات کا شکار بنا دیا۔ آج بظاہر وہ مہذب ممالک مغربیہ کی سی زندگی بسر کر رہا ہے لیکن کیا ہم اس سے پوچھیں کہ اس کا دل مطمئن بھی ہے۔ مجھے اس حقیر سی کے تجربہ کی بنا پر یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ مشرق کے فی صدی پچانوے مغرب پرست فرزندوں کو میں نے قرض کی زنجیر میں

گرفتار پایا۔ یہ امر مسلمات سے ہے کہ ہر تخریب اپنے بعد ایک تعمیر کی بنیاد ہوتی ہے اور خرابی ایک تجربہ ناخوشگوار کے بعد سامان بیداری فراہم کر دیتی ہے لیکن بعض بیمار ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی نقاہت و ناتوانی کسی مزید اضافہ مرض کو برداشت نہیں کر سکتی۔ ایشیا ایک ایسا ہی بیمار ہے اس لیے یہ کہہ دینا کہ وقت خود بخود علاج کر لے گا میرے خیال میں صحیح نہیں ہے۔ ضرورت ہے کہ ایشیائی اقوام اس خطرے کو محسوس کریں اور جلد سے جلد آمد و خرچ میں توازن قائم کرنے پر آمدہ ہو جائیں۔

حضرات۔ میں نے آپ کا بہت وقت لیا ہے اور نہیں جانتا کہ ایک بھی ایسی بات پیش کی ہو جو آپ کی معلومات میں اضافہ کرے۔ بہرحال خوش ہوں کہ میں نے ایک محترم کرم فرما کے حکم کی تعمیل کی اور ہندوستان کے قدیم ترین دارالسلطنت میں اپنے احساسات و تاثرات سیاحت کو پیش کرنے کا موقع حاصل کیا۔ جب میں یہ سوچتا ہوں کہ میری دکھنی زبان نے اردو کی اس ٹکسال میں کیسی بدکیفی پیدا کی ہوگی تو افسوس ہوتا ہے کہ میں نے آپ کا وقت خراب کیا۔

وآخر دعوانا الا الحمد للہ رب العٰلمین۔

حیدرآباد کے ایک رئیس کی تقریر

اخبار روزنامہ ملّت نے ۷ مارچ ۱۹۳۳ء کی اشاعت میں حسب ذیل نوٹ حیدرآباد کے ایک نامور رئیس نواب بہادر یار جنگ آج کل دہلی میں تشریف فرما ہیں۔ آپ ان لوگوں میں ہیں جو زمانہ اور وقت کی روش سے بے خبر نہیں ہیں اور نہیں چاہتے کہ ان کی قوم بے خبر رہے۔ گذشتہ جمعہ کو آپ کو دہلی کے اینگلو عربک کالج ہال میں ایک وقیع تعلیم یافتہ طبقہ کے روبرو ایک اہم خطبہ دیا۔ افسوس ہے آپ کی پوری تقریر ضبط تحریر میں نہ آسکی۔ لیکن تقریر میں بعض اہم نصیحت آموز حصص کو ہم "ملت" کے قارئین کی خدمت میں بھی پیش کرتے ہیں کہ وہ ان سے مستفید ہوں۔

جنگ یورپ نے جہاں دنیا کا نقشہ بدل دیا وہاں یہ بھی ہوا کہ اس کی بدولت ایشیائی اقوام کی آنکھیں کھل گئیں اور ایشیا میں عظیم الشان انسان میدانِ عمل میں گامزن ہوئے۔ اس دور کی ہستیوں میں جن حضرات

نے اقتدار حاصل کیا ان میں غازی مصطفےٰ کمال پاشا زاغلول پاشا، رضا خاں، لینن، گاندھی جی قابل ذکر ہیں جنگ کے بعد ان میں آزادی اور ترقی کے جذبات بہت پُرزور ہو گئے۔ ترکی، ایران اور روس نے اس جنگ کے بعد دوبارہ زندگی حاصل کر لی لیکن ہندوستان، عراق اور فلسطین کامیاب نہ ہو سکے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ترقی کی جدوجہد میں متحدہ کوشش نہ کر سکے۔ رقابتیں خود غرضیاں اور ذاتی مفاد اتحاد کی راہ میں مانع ہوئے اور ان ممالک کے لوگ فائدہ نہ اٹھا سکے۔

ہر قوم کو ترقی کے لیے اتحاد خیال اور اتحاد عمل ضروری ہے اور اس کے بعد وطنی مصنوعات سے وطن کو فروغ دینے کے جذبے کی موجودگی لازمی ہے۔ سودیشی کی ترقی کے سلسلہ میں گاندھی جی نے جو جدوجہد کی ہے وہ قابل قدر ہے اور میں ان کی اس تحریک کو بہت پسند کرتا ہوں۔ لیکن افسوس ہے کہ ان کی تعلیم کے مفید نتائج کا احساس دیگر اقوام نے تو کیا خود ہندوستان میں ان کی اس صدا پر پورے طور پر توجہ نہیں کی گئی نتیجہ یہ ہوا کہ جن اقوام نے اس کو قبول کیا اور اسی کے مطابق عمل کیا وہ ترقی کر گئیں اور ہم ابھی اسی کشمکش کی حالت میں ہیں کہ جن اقوام نے ملکی مصنوعات کی ترقی کی طرف توجہ کی ان کی اقتصادی حالت درست ہو گئی اور اس کا لازمی نتیجہ بہبودی اور

فارغ البالی کی صورت میں برآمد ہوا۔

جاپان، ایران اور ترکی کی موجودہ حالت اور سیاسی قوت کا راز اسی میں مضمر ہے کہ گاندھی جی کی سودیشی تحریک تمام ایشیائی ممالک میں قدر کی نظر سے دیکھی جاتی ہے۔ چنانچہ وزیراعظم مصر نحاس پاشا نے مجھ سے کہا تھا کہ "میں گاندھی سے محبت کرتا ہوں اس لیے کہ انھوں نے سودیشی کے اصول ۔۔۔ کو فروغ دیا۔" آپ نے فرمایا کہ میں نے افغانستان اور ایران میں سودیشی کے جذبہ کو بہت پُرزور دیکھا اور یہ دیکھ کر تو مجھے انتہائی مسرت ہوئی کہ افغانستان کی تمام فوج افغانستان کے بنے ہوئے کپڑے کی وردی پہنتی ہے۔"

افغانستان تعلیمی ترقی کی اس راہ پر گامزن ہے جس کی بنیاد غازی امان اللہ خاں نے ڈالی تھی۔ غازی امان نے سائنس کے جو آلات منگوائے تھے وہ "بچہ سقہ" کے دور میں تباہ ہو گئے۔ عظیم الشان کتب خانہ برباد ہو گیا۔ آپ یہ سن کر تعجب کریں گے کہ افغانستان کے انقلاب میں ان کے اس خیال نے کہ افغانستان میں جبری تعلیم ہو جائے۔ انھیں بہت نقصان پہنچایا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ ایک طرف تو وہ ملاؤں کے اثرات سے ملک کو نجات دلانا چاہتے تھے دوسری طرف وہ ملک کے نوجوانوں کو تعلیم دینے کے لیے مجبور تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مدارس غازی امان اللہ خاں

کی مخالفت اور انقلاب کی تحریک کا مرکز بن گئے۔ نوجوانوں کے قلوب میں ملاؤں نے یہ خیالات جاں گزیں کرائے کہ امان اللہ خاں ملک کو کفر اور الحاد کی طرف لے جا رہا ہے۔ افغانستان کی ترقیاں امان اللہ خاں کے عمل سے عارضی طور پر رک گئیں لیکن اعلیٰ حضرت شاہ نادر خاں نہایت ہوش مندی کے ساتھ بتدریج افغانستان کو تعلیمی ترقی کی طرف لے جا رہے ہیں۔

ترک کے نہایت جانباز مسلمان ہیں اور وہ اسلام کی خاطر ہر وقت اپنا سر کٹانے کو موجود ہیں۔ آپ نے اپنی تقریر میں ہز ایکسلنسی روف بے کی تقریروں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ جب آپ سے یہ پوچھا گیا کہ ترکی میں لوگ ترکی زبان میں اذان اور نماز پڑھتے ہیں یا عربی میں۔ اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے تو انھوں نے سوال کے دوسرے حصہ کا جواب تو یہ کہہ کر دیا کہ اگر کوئی شخص عربی نہ جانے تو میرے نزدیک اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے خدا کی عبادت اپنی زبان میں کرے۔ لیکن جو سوال ان سے کیا گیا تھا اس کے ابتدائی حصہ کا جواب انھوں نے یہ دیا کہ میں نے خود ترکی کی بڑی بڑی مساجد میں عربی زبان میں اذان ہوتے ہوئے سنی ہے اور عربی زبان میں نماز پڑھائی جاتے ہوئے دیکھی ہے۔

نواب صاحب کی تقریر

نتیج ویکلی ۲۵/مارچ ۱۹۳۳ء

اگرچہ ہندوستان کی پستی کے بہت سے اسباب ہیں لیکن جہالت علم کی کمی اور اقتصادی گراوٹ بڑے اسباب میں سے چند ہیں۔

ترکی نے تعلیم کی جانب کافی توجہ دی ہے اور اس نے اپنا مکمل نصاب تیار کر لیا ہے وہاں تعلیم عام کر دی گئی ہے نیز وہاں کا تعلیمی نظام بالکل مکمل ہو چکا ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ مصر میں بھی علم کی روشنی پھیل رہی ہے اور ایک اعلیٰ پایہ کی لائبریری گورنمنٹ کی جانب سے کھول دی گئی ہے علم و فنون سیکھنے کے لیے طلبا کو غیر ملکوں میں بھیجا جا رہا ہے۔ ایران اگرچہ تعلیم کے لحاظ سے ابھی بہت پیچھے ہے۔ لیکن یہ امر موجب اطمینان ہے کہ موجودہ سلطان نے خود اپنے ولی عہد کو انگلستان بھیجا ہے جو کہ بہت سے دیگر طلباء کے ساتھ ایک ہی کالج میں تعلیم حاصل کریں گے۔

ایشیا کی دُنیا بدل جائے گی

نواب صاحب کی درج ذیل تقریر اخبار وحدت دلی نے اپنے اخبار مورخہ ۲۸ مارچ ۱۹۳۳ء میں شائع کی۔

اخباری نوٹ:۔ دہلی۔ ۲۴ مارچ۔ آج حسب اعلان عربک کالج ہال میں نواب بہادر یار جنگ سیاح ایشیا کا لکچر مقررہ وقت پر ہوا۔ جلسہ کی صدارت مولوی سر محمد یعقوب ایم ایل اے نے فرمائی۔

صدارت قبول کرتے ہوئے اظہار خوشنودی و مسرت کیا۔ ابتدا اکبر صاحب کی رباعیات سے ہوئی جو انھوں نے اس موقع کے لیے لکھی تھیں۔

نواب صاحب نے موجودہ روایات کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی پُر مغز تقریر کا افتتاح حمد سے شروع کیا۔ پھر فرمایا کہ کس طرح وہ ایک اسکول کے معمولی طالب علم تھے جغرافیہ کی کلاس میں بیٹھے ہوئے سوچا کرتے تھے کہ وہ

بلاد اسلامیہ کا سفر کریں گے اور ان مقدس جگہوں کو جو اس وقت کتابی معلومات تک محدود تھیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ یہ خواب اس وقت تک ایک طفلانہ خواہش سے زیادہ اہم نہ تھا۔ ایک دن عملی دنیا میں نمودار ہوا۔ اور وہ اس خواب کی تعبیر بیان کریں گے۔

ایشیا کدھر سفر کر رہا ہے

مشرق ایک آدم کی نیند سو رہا تھا۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنے انجام سے بے پروا۔ پہلی چیز جس نے مشرق کو اس خواب خرگوش سے جگایا۔ جنگ عظیم تھی۔ متمدن دنیا کا دست و گریباں ہونا، توپ و تفنگ کے یہ خوفناک ظلم۔ سائنس اور علم کے یہ تباہ کن مظاہرے مشرق کو اس نیند سے کروٹ بدلوانے میں کامیاب ہوئے۔ مشرق اٹھا لیکن نیند میں تھا۔ اس نے ترقی کی راہ میں قدم اٹھایا لیکن لغزشیں ٹھوکریں ناہموار راستہ اور یہ نو گرفتار بلا۔

پہلا جذبہ جو مشرق کے ہر فرزند کے دل میں پیدا ہوا تھا وہ حریت کا تھا۔ یہ آواز اگر ترکی میں غازی مصطفےٰ کمال پاشا کی صدائے بازگشت

تھی تو مصر میں زاغلول پاشا کی ایران میں اس آواز کا پیغامبر رضا شاہ تھا۔ افغانستان کی سربلند پہاڑیوں سے ٹکرائی ہوئی یہ آواز امان اللہ خاں کی زبان سے سنی تو ہند میں مولانا محمد علی سے یہ آواز بہت زیادہ کامیاب رہی اور اکثر ایشیائی ممالک اس کی وجہ سے ان بندشوں اور طاقتوروں کے لعنتی طوق کو اتارنے میں بھی کامیاب ہو گئے لیکن صرف اس وجہ سے کہ بعض ممالک اپنے میں وحدت عمل اور وحدت خیال نہ پیدا کر سکے۔ معمولی معمولی مذہبی اور سیاسی تفرقوں شیعہ، سنی، شافعی اور حنفی وغیرہ کے چھوٹے چھوٹے اختلاف پر لڑ مرتے رہے اور آج وہ پستی میں پڑے ہوئے ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ ان کی یہ حالت بھی دائمی نہیں کیوں کہ ان کی آنکھیں بھی کھل رہی ہیں اور وہ دن دور نہیں کہ وہ اپنی زندگی کے لیے جدوجہد کریں۔ دنیا پیسہ پیسہ چیخ رہی ہے اور اس وقت دنیا میں پیسہ مجازی خدا کا کام کر رہا ہے۔ مغرب میں پیسہ ہے ان کی جیبیں پُر اور ان کی بوریاں بھری ہوئی ہیں۔ مشرق غریب ہے، کنگال ہے اس وجہ سے وہ مغرب کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس کے پاس پیسے اتنے نہیں کہ وہ مغربی سرمایہ داروں کی طرح مارکٹ میں نوٹوں کا فرش بچھا دے۔

ایشیا میں ایک قوم ہے جاپانی جس نے آج تمام یورپ سے منوا دیا کہ مشرق مغرب کی اس ظاہری آن بان سے مرعوب ہونے والا

نہیں. اس نے صرف اپنی تجارتی طاقت کے اوپر لیگ آف نیشن کو ٹھکرا دیا۔

مشرق غریب ہے تو کیا اس کے لیے مالی مفاد کے راستے مسدود نہیں ہیں. حکمت عملی صرف ایک ایسی چیز ہے جو کہ انسان کی تمام مشکلوں میں خضر راہ ثابت ہو سکتی ہے. ایشیا کو چاہیئے کہ وہ غیر ملکی مال خواہ وہ کیسا ہی ہو اپنے ملک میں آنے نہ دے اور اپنے مال کی اپنے ملک والوں میں تبلیغ کرے اور ان کو ترغیب دے کہ وہ اپنے ملک کی صنعت کی قدر کریں.

ہندوستان خوش نصیب اور قابل مبارک باد ہے کہ اسی کے سپوتوں نے سب سے پہلے سودیشی کے سوال کو اٹھایا اور آج یہ آواز متمدن ملکوں کو صور اسرافیل معلوم ہو رہی ہے.

ایشیا کے ہر ملک نے اس آواز پر لبیک کہا. چنانچہ ترکی کے قیام میں ان کو یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ غازی مصطفےٰ کمال پاشا اپنے ملک کا بنا اور کتا ہوا کپڑا استعمال کرتے ہیں نہ صرف وہ بلکہ دیگر عمائدین اور اکابرین بھی.

ایران میں خود رضا شاہ ایرانی کپڑوں اور دوسری چیزوں کا استعمال کرتے ہیں. اس کے علاوہ ان کی حکومت نے بیرونی ملک

کی اشیاء کی درآمد پر صدفی صد چنگی لگادی ہے اور وہ کوشش کر رہے ہیں کہ اپنی تمام ضروریات اپنے ہی ملک کی چیزوں سے پوری کریں۔

افغانستان میں نادر شاہ کی فوج کی تمام وردی جو تقریباً ایک منظم سپاہیوں پر مشتمل ہے دیسی کپڑوں کی بنائی جاتی ہے اور نادر شاہ اپنے ہی ملک کے کپڑوں کا استعمال کرتے ہیں۔

ہر جگہ حکومت کی ہر بات کی کورانہ تقلید ہوتی ہے۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مندرجہ بالا ممالک میں جہاں کے بیدار مغز حکمران جو اس مفید تحریک پر عمل کر رہے ہوں اس تحریک کی اشاعت میں کتنے کامیاب ہوں گے۔

مشرق تعلیم کا مرکز اور علم کا گہوارہ رہ چکا ہے۔ اس معدن سے ایسے ایسے گوہر گرانبار نکلے جن کی روشنی سے آج بھی دنیا کی آنکھیں چوندھیں وہی لوگ جو مسجد میں خشوع و خضوع کے ساتھ درگاہ الٰہی میں سر نیاز جھکاتے تھے۔ وہی ایک متبحر عالم، ایک اعلیٰ مدبر، ایک باسطوت حکمران اور جانباز سپاہی ہوتے تھے۔

یہ ذکر اس وقت کا ہے جب کہ آفتاب اسلام اپنی پوری تابانی کے ساتھ دنیا پر جلوہ فگن تھا اور جب کہ مہر ہم روز گہن میں نہیں آیا تھا۔ مشرق۔ تعلیمی ترقی کر ضرور رہا ہے لیکن سوچ سوچ کر رک

رک کر حالات حاضرہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسے زیادہ مستعدی کی ضرورت ہے۔

ترک اس میں کوئی شک نہیں کہ تعلیم میں بہت زیادہ آگے اور یورپ کے دوش بدوش ہیں اور دوسرے ممالک بھی اس میں سرگرمی دکھا رہے ہیں اور یقین ہے کہ ان کی یہ جدوجہد بہت جلد بار آور ہوگی۔

جامعہ ازہر مصر دنیا کی وہ تاریخی درسگاہ ہے جس کی اہمیت کسی طرح بھی فراموش نہیں ہوسکتی۔ چند بیدار مغز حضرات کی تحریک پر اب موجودہ تعلیم بھی دیتی ہے اور ہمیں امید ہے کہ اس کی وہ روایات بہت جلد پھر زندہ ہو جائیں گی۔

ایران میں اعلیٰ حضرت رضا شاہ پہلوی نے تقریباً دو سو نوجوانوں کو مختلف علوم و فنون کی تعلیم کے لیے یورپ روانہ کیا اور ان ہی کے ساتھ اپنے صاحبزادے کو بھیجا۔ لیکن یہ بات کتنی خوش کن ہے کہ آپ نے اپنے لخت جگر کو بھی بالکل اسی طرح بغیر کسی امتیاز کے بھیجا اور اسلام کی مساوات اور اخوت کا موجودہ مغرور دنیا کو ایک سبق دیا۔

افغانستان تعلیم میں بہت پست ہے۔ امان اللہ خاں کے تخت نشین ہونے سے پہلے وہاں صرف ایک اسکول تھا۔ مدرسۂ حبیبیہ

انھوں نے اپنے عہد میں دو اور مدرسوں کی بنیاد رکھی اور وہ بہت کامیاب بھی تھی۔ ان میں سے ایک کا نام تھا مدرسۂ امانی اور دوسرے کا نام مدرسۂ امانیہ تھا۔ یہ اعلیٰ درسگاہیں تھیں اور ان میں دوسرے مضامین کے علاوہ صنعت و حرفت زراعت اور فنونِ جنگ وغیرہ کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی تھی۔ انھوں نے موجودہ سائنس کی تمام کتابیں اور آلات منگائے تھے اور اپنی شاہی لائبریری عام پبلک کے لیے وقف کر دی تھی۔ لیکن ایشیا اور افغانستان کی بدقسمتی ہے کہ ملک نے اس دردمند انسان کو وہاں چین سے رہنے نہ دیا ورنہ آج افغانستان معلوم نہیں کیا ہوتا۔ بچہ سقہ نے اس ڈر کے مارے کہ کہیں یہ کتابیں الحاد نہ پھیلائیں اور انسداد الحاد کے پردے میں اس بے مثل علمی خزانے کو تباہ و برباد کر دیا۔ وزیر تعلیم کا بیان ہے کہ انقلاب کے بعد ان کو وہاں سے ایک ہیمن ٹانگ کی کرسی ایک ٹوٹی ہوئی میز اور چند پھٹے ہوئے صفحے ملے۔ نادر شاہ کے دور حکومت میں افغانستان پھر اسی شاہراہ پر چل رہا ہے جس پر امان اللہ خاں لے جا رہے تھے لیکن نہایت استحکام اور آہستگی کے ساتھ ——

ہندوستانی لوگ مذہب کے متعلق معلومات حاصل کرنے کیلئے بہت مضطرب ہتے ہیں اور بعض اخبارات غلط پروپگنڈہ کرتے اور جھوٹے بہتان لگاتے ہیں تو ان کی خدمت میں عرض ہے کہ ترکی ایسے ہی مسلمان جیسا کہ آپ کے خیال میں ایک پکے مسلمان کی تصویر

ہے۔ ترک کو دیکھئے خوبصورت وحسین وجیہہ اور بے باک سوٹ پہنے ہوئے اور اس پر اپنی ٹوپی لگائے ہوئے نماز کے وقت مسجد کے دروازہ پر آیا۔ بوٹ کھولے، وضو کیا اور اپنی ٹوپی کا جھجا پیچھے کر کے نماز میں مشغول ہوگیا۔ مغرب کے تباہ کن سیلاب میں چاروں طرف سے گھرا ہوا۔ لادینیت کی گھٹا سر پر چھائی ہوئی لیکن وہ درگاہ رب العزت میں ان الائشوں سے پاک سر جھکائے کھڑا ہے دوسری طرف میدان جنگ میں اسلام کی عزت وناموس بچانے کے لیے سینہ سپر کھڑا ہوا ہے۔

یہ الزام کہ ترک ترکی میں نماز پڑھتے ہیں بالکل غلط ہے۔ بڑی بڑی مساجد میں انھوں نے نماز پڑھی۔ ترکوں کے پیچھے ترکوں کے ساتھ وہاں ان کے وعظ سنے ہیں لیکن عربی میں۔

ایک دفعہ وہ ایک قہوہ خانہ میں بیٹھے ہوئے تھے بارش آگئی سایہ کے لیے ایک بڑی سی چھتری کے نیچے کھڑے ہوگئے۔ وہاں ایک بڈھی ترکی خانم ایک اس کا بائیس سالہ لڑکا اور ایک نوجوان دوشیزہ تینوں آکھڑے ہوئے۔ نواب صاحب اس وقت پستہ کھا رہے تھے انھوں نے ان کو بھی پیش کیا۔

انھوں نے سوال کیا کیا آپ مصری ہیں۔

نہیں میں ہندی ہوں۔

یہ سُن کر اس لڑکی نے کہا جب آپ اپنے وطن جائیں تو وہاں یہ کہہ دیجئے گا کہ ترکی مسلمان ہیں۔ انگورہ اور قسطنطنیہ پر نہ جائیں وہ سیلاب زدہ ہیں لیکن ترکی کو دیکھیں۔ یہ تھا وہ پیغام جو اس وقت عفت مآب دوشیزہ نے دیا۔

فلسطین وغیرہ میں اسلامی تبلیغ بہت سرگرمی سے ہو رہی ہے افغانستان کے مذہب کے متعلق کسی قسم کا شبہ کیا ہی نہیں جا سکتا اب اس میں تو کوئی شک نہیں کہ ایشیا مائل بہ ترقی ہے اور بہت جلد وہ دنیا میں ممتاز کرسی پر متمکن ہوگا۔ لیکن سب سے بڑی چیز جو اس کے راستہ میں حائل ہے وہ اس کی مغربی تمدن و معاشرت کی کورانہ تقلید لا مذہبیت کا اثر۔

مغرب نے سبق دیا کہ مذہب ترقی کے راستے میں کانٹا ہے اسے پھینکدو، اسے ٹھکرادو۔ اس نے مذہب کو چھوڑ دیا اور ترقی کی لیکن جب ہم نے ان کی تقلید کی تو ہم نے بجائے ترقی کے تنزل کیا۔ ان کا مذہب سکھاتا ہے اگر کوئی تمہارے ایک طمانچہ مارے تو اس کی خدمت میں دوسرا کلمہ پیش کردو یعنی کوئی تمہارے ملک یا جایداد کے نصف حصے پر بہ جبر قبضہ کرے تو بقیہ نصف تم خود اس کی خدمت میں پیش کردو۔

انھوں نے دیکھا کہ مذہب کے اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے

ہم ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔ انھوں نے ایسے مذہب کو چھوڑ دیا۔ لیکن ہمارا مذہب ایسا ہے کہ وہ دنیا کے تمام اصول ہمیں سکھاتا ہے۔ علمی کام کی ترغیب دیتا ہے۔ خالی زبانی جمع وخرچ بھی نہیں سکھاتا۔ ہمارا مذہب نیاوی رنگ کی بندشوں سے پاک ہے مساوات اور اخوت کا علمبردار ہے ہم ان باتوں پر غور نہ کرتے ہوئے ان کی تقلید کی۔

انھوں نے مانع ترقی مذہب کو چھوڑا پھلے پھولے۔ ہم نے معہد ترقی مذہب کو چھوڑا برباد ہوئے۔

اس لیے درخواست ہے کہ اپنے آپ کو اس لامذہبیت کی بلا سے محفوظ رکھنے کوشش کیجئے ہمت نہ ہاریئے اور پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے۔

نواب بہادر یار جنگ کی بصیرت افروز تقریر

روزنامہ عادل دہلی نے اپنی ۲۷ مارچ ۱۹۳۳ء کی اشاعت میں حسب ذیل نوٹ کے ساتھ نواب صاحب کی تقریر شائع کی۔ دہلی ۲۵ مارچ کل جمعہ کی شام کو عربک کالج کا وسیع ہال سات بجے سے بہت پہلے حاضرین سے بھر گیا تھا باوجودیکہ بوندا باندی ہو رہی تھی لیکن حضرت خواجہ حسن نظامی کے اعلان پر جناب بہادر یار جنگ صاحب رئیس حیدر آباد کی تقریر سننے کے لیے عمائدین دہلی، ارکان اسمبلی اور دیگر حضرات شریک جلسہ ہوئے۔ تقریر شروع ہونے کے بعد حاضرین کی تعداد بہت بڑھ گئی اور عربک کالج کے ہال کے باہر بہت سے لوگ کھڑے کھڑے نواب صاحب کی تقریر سنتے رہے۔ سر محمد یعقوب صدر جلسہ تھے اور نو مسلم بھائی نصر اللہ خاں صاحب ڈائیس پر تشریف فرما تھے۔

سر محمد یعقوب کی افتتاحی تقریر

مولانا سر محمد یعقوب نے معزز مقرر کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ جناب نواب صاحب آج جس موضوع پر تقریر فرمانے والے ہیں وہ ہندوستانیوں کے لیے بالعموم اور مسلمانوں کے لیے بالخصوص بہت زیادہ دلچسپی کا موجب ہے۔ اس لیے کہ اس کا تعلق ایشیائی اور اسلامی ممالک کی سیاحت سے ہے اور آپ ہمیں یہ بتائیں گے کہ ایشیائی ممالک کس طرح بیدار ہو رہے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے نواب بہادر یار جنگ سے درخواست کی کہ وہ اپنی تقریر سے مستفید فرمائیں۔ (نواب بہادر یار جنگ تالیوں کی گونج میں تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہوئے۔

نواب بہادر یار جنگ کی تقریر

اٹھارویں صدی عیسوی کے آخر میں ایشیا اور ایشیائی اقوام کا زوال شروع ہوا۔ ان حکومتوں کے زوال نے یورپین اقوام کو عروج اور ایشیائی معاملات میں مداخلت کا موقع بہم پہنچایا۔ یورپ کی پہلی کامیابی وہ تھی جب ہندوستان رفتہ رفتہ انگریزوں کے قبضہ میں آگیا۔ اس کے بعد ترکی اور مصر کے معاملات میں مداخلت کی ضرورت

ہوئی تاکہ ہندوستان تک پہنچنے کے راستہ کو آسان اور محفوظ بنایا جائے اور نہر سویز کی تعمیر عمل میں آگئی۔ اس زمانہ سے لے کر اب تک یورپ ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

جنگ یورپ کے اثرات

جنگ یورپ نے جہاں دنیا کا نقشہ بدل دیا وہاں یہ بھی ہوا کہ اس کی بدولت ایشیائی اقوام کی آنکھیں کھل گئیں اور ایشیا میں عظیم الشان انسان میدان عمل میں گامزن ہوئے۔ اس دور کی بستیوں میں جن حضرات نے اقتدار حاصل کیا ان میں غازی مصطفےٰ کمال پاشا زاغلول پاشا، رضا خاں، لینن، مہاتما گاندھی قابل ذکر ہیں۔ جنگ کے بعد ان میں آزادی اور ترقی کے جذبات بہت پُرزور ہو گئے۔ ترکی، ایران، روس نے اس جنگ کے بعد دوبارہ زندگی حاصل کر لی۔ لیکن ہندوستان، عراق، فلسطین کامیاب نہ ہو سکے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ترقی کی بدوجہد میں متحدہ کوشش نہ کر سکے۔ رقابتیں، خود غرضیاں اور ذاتی مفاد اتحاد کی راہ میں مانع ہوئے اور ان ممالک کے لوگ فائدہ نہ اٹھا سکے۔

سودیشی اور اتحاد کی اہمیت

ہر قوم کی ترقی کے لیے

اتحاد خیال اور اتحاد عمل ضروری ہے۔ اس کے بعد وطنی مصنوعات سے وطن کو فروغ دینے کے جذبہ کی موجودگی لازمی ہے۔ سودیشی کی ترقی کے سلسلہ میں مہاتما گاندھی نے جو جدوجہد کی وہ قابل قدر ہے اور میں اس تحریک کو بہت پسند کرتا ہوں لیکن افسوس ہے کہ ان کی اس تعلیم کے مفید نتائج کا احساس دیگر اقوام نے تو کیا اور ہندوستان میں ان کی اس صدا پر پورے طور پر توجہ نہیں کی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جن اقوام نے اس کو قبول کیا اور اس کے مطابق عمل کیا وہ ترقی کر گئیں اور عوام ابھی کشمکش کی حالت میں ہیں۔ جن اقوام نے ملکی مصنوعات کی ترقی کی طرف توجہ کی ان کی اقتصادی حالت درست ہو گئی اور اس کا لازمی نتیجہ بہبودی اور فارغ البالی کی صورت میں برآمد ہوا۔ جاپان، ایران اور ترکی کی موجودہ حالت اور سیاسی قوت کا راز اسی میں مضمر ہے۔ آپ نے ایشیائی ممالک کی اقتصادی ترقی پر اظہار مسرت کرتے ہوئے کہا کہ مہاتما گاندھی کی سودیشی تحریک کو تمام ایشیائی ممالک میں قدر کی نظر سے دیکھا جاتا ہے چنانچہ وزیر اعظم مصر نحاس پاشا نے مجھ سے کہا کہ میں گاندھی سے محبت کرتا ہوں اس لیے کہ انھوں نے سودیشی کے اصول کو فروغ دیا۔ میں نے افغانستان اور ایران میں سودیشی کے جذبہ کو

بہت پرزور دیکھا اور یہ دیکھ کر مجھے انتہائی مسرت ہوئی کہ افغانستان کی تمام فوج افغانستان کے بنے ہوئے کپڑے کی وردی پہنتی ہے۔

تعلیم کی اہمیت قوم کی ترقی کے سلسلہ میں تعلیم کو بہت کافی اہمیت حاصل ہے۔ چنانچہ میں نے دیکھا ترکی میں تعلیم کا بہت چرچا ہے، وہاں تعلیم کا مکمل نصاب مرتب ہو چکا ہے اور تعلیم عام کر دی گئی ہے۔ معہ میں بھی آفتاب تسلم ضیا پاشی کر رہا ہے اور نہایت اعلیٰ درجہ کی یونیورسٹی کھول دی گئی ہے۔ نیز علوم و فنون حاصل کرنے کے لیے طلباء کو بیرونی ممالک میں بھیجا جا رہا ہے۔ ایران میں تعلیمی ترقی زیادہ سرعت سے نہیں ہو رہی ہے لیکن پھر بھی لوگ تعلیم کی اہمیت کو سمجھنے لگے ہیں اور خود رضا شاہ نے اپنے فرزند کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے یورپ بھیجا ہے۔

افغانستان کی تعلیمی ترقی افغانستان تعلیمی ترقی کی اس راہ پر گامزن ہے جس کی بنیاد امان اللہ خاں نے ڈالی تھی۔ امان اللہ خاں نے سائنس کے جو آلات منگوائے تھے وہ بچہ سقہ کے دور میں تباہ ہو گئے۔ عظیم الشان کتب خانہ برباد ہو گیا۔ امیر امان اللہ خاں کے

ذوق تعلیم کا ذکر تے ہوے کہ آپ یہ سن کر تعجب کریں گے کہ افغانستان کے انقلاب میں ان کے اس خیال نے کہ افغانستان میں جبری تعلیم ہو جائے انھیں بہت نقصان پہنچایا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ ایک طرف تو وہ ملاؤں کے اثرات سے ملک کو نجات دلانا چاہتے تھے دوسری طرف وہ ملک کے نوجوانوں کو تعلیم کے لیے انھیں ملاؤں کے ہاتھوں مکتبوں میں دینے کے لیے مجبور تھے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ نوجوانوں کے قلوب میں ملاؤں نے یہ خیالات جاں گزیں کرا دیے کہ امان اللہ خاں ملک کو کفر اور الحاد کی طرف لے جا رہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مدارس امان اللہ خاں کی مخالفت اور انقلاب کی تحریک کا مرکز بن گئے اور افغانستان کی ترقیاں امان اللہ خاں کے عمل سے عارضی طور پر رک گئیں لیکن شاہ نادر خاں نہایت ہوش مندی کے ساتھ تدریجاً نہ افغانستان کو تعلیمی ترقی کی طرف لے جا رہے ہیں۔

ترک مسلمان ہیں اور سچے مسلمان ہیں

ترک کے نہایت جانباز مسلمان ہیں اور وہ اسلام کی خاطر ہر وقت اپنا سر کٹانے کو موجود ہیں۔ ہز اکسلینسی رؤف بے سے جب پوچھا گیا کہ ترک میں لوگ ترکی زبان میں نماز پڑھتے ہیں یا عربی میں اور آپ کا اس کے متعلق کیا خیال ہے تو انھوں نے اس سوال کے دوسرے حصے کا جواب یہ کہہ کر دیا کہ

اگر کوئی شخص عربی نہ جانے تو میرے نزدیک اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے خدا کی عبادت اپنی زبان میں کرے لیکن جو سوال ان سے کیا گیا تھا اس کے ابتدائی حصہ کا جواب یہ ہے کہ میں نے خود ترکی کی بڑی بڑی مساجد میں عربی زبان میں اذان ہوتے سنی ہے اور عربی زبان میں نماز پڑھائی جاتے ہوئے دیکھی ہے۔

یورپین تہذیب کے مضر اثرات

یورپ سے جو ہوا چل رہی ہے اس سے ہم نے تین نظریہ اخذ کیے ہیں اول یہ کہ مذہب مانع ترقی۔ دوم یہ کہ یورپین تہذیب اور تمدن باعث ترقی ہے۔ (۳) آپس کے لڑائی جھگڑے کا راز مضمر ہے۔

یورپ نے یہ نظریہ قائم کیا کہ مذہب مانع ترقی ہے اس میں انھوں نے کوئی غلطی نہیں کی۔ اس لیے کہ یورپ جس مذہب کا حامل تھا جسے میں صحیح مذہب عیسوی نہیں کہتا وہ مانع ترقی ہے آپ ہی بتایئے کہ عملی زندگی میں یہ تعلیم کس طرح معاون ترقی ہو سکتی ہے کہ اگر کوئی تمہارے ایک گال پر تھپڑ مارے تو تم دوسرا گال آگے کر دو۔ کونسا یورپین ملک اس کے لیے تیار ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی اس کا ایک صوبہ لے لے تو وہ دوسرا صوبہ بھی اس کے حوالے کر دے۔ اس لیے اس نے ٹھیک

کیا کہ یہ نظریہ قائم کیا کہ مذہب مانع ترقی ہے اور اس لیے اس نظریہ کے ماتحت ترقی کی لیکن ہم بدقسمت مسلمانوں نے غلطی سے یہ سمجھا کہ اسلام جو اس قسم کی تعلیم کا حامل نہیں ہے بلکہ جو ایک ہی وقت میں ایک شخص کو اس کا موقع دیتا ہے کہ وہ زاہد بھی ہو، عابد بھی ہو، سپاہی بھی ہو معلم بھی ہو اور جو دنیا کی ترقی کی تمام راہیں مسلمانوں پر کھول دیتا ہے کیونکر مانع ترقی کہا جا سکتا ہے جن لوگوں نے مانع ترقی مذہب کو چھوڑا انھوں نے ترقی کی۔ لیکن جن لوگوں نے معاون ترقی مذہب سے سرتابی کی ان کا تنزل لازم تھا۔ چنانچہ ہم تنزل کی طرف جا رہے ہیں اور اس وقت تک ہم حقیقی ترقی نہ کر سکیں گے جس وقت تک کہ ہم معاون ترقی مذہب کی سختی کے ساتھ پابندی نہ کریں گے اور سچے مسلمان نہ بنیں گے۔

یورپین تہذیب کی اندھی تقلید

یورپین تہذیب کی اندھی تقلید ہمارے تنزل کی دوسری وجہ ہے اس لیے کہ ہر ملک کی فضا اور اس کی آب و ہوا اور اس کے حالات کے مطابق اس کا تمدن اور اس کی تہذیب ہوا کرتی ہے۔ ہم نے یورپین تہذیب کو اختیار کیا اور اپنے معیار زندگی کو بلند کیا یہ دیکھ کر کہ یہ چیزیں معاون ترقی ہیں لیکن ہم

اس حقیقت کو فراموش نہ کریں گے کہ یورپ کے موجودہ تمدن اور اس کے موجودہ معیار زندگی کی عمارت اسی تمدن کی بنیاد پر کھڑی کی گئی ہے جو ایشیا سے انھوں نے حاصل کیا ہے وہ تمدن و تہذیب نتیجہ ہے اس تمدن کا، نہ کہ ذریعہ ہے تمدن اور ترقی کے حصول کا۔ ہم آج اس کی تقلید سے تباہ ہوتے جا رہے ہیں۔ ہماری آمدنیاں کم ہیں اور اخراجات زیادہ ہیں۔ وہاں کے غریب مسلمانوں نے اپنے تمدن کو اندھی تقلید میں بلند کر لیا ہے۔ اس لیے کہ ان کی جائداد اور املاک ان کے قبضہ سے نکل جا رہی ہے اور تباہی کے غار کی طرف جا رہے ہیں۔

ملک کے نوجوانوں سے اپیل

نواب صاحب نے فرمایا

میں ملک کے نوجوانوں سے خصوصیت کے ساتھ اپیل کرنا چاہتا ہوں اس لیے کہ ملک و قوم کا مستقبل ان کے ہاتھ میں ہے میں ان لوگوں سے خطاب نہیں کروں گا جو ۴۰ برس سے زیادہ عمر کے ہیں اس لیے کہ وہ قوم نہیں ہیں بلکہ وہ تو تبرک ہیں۔ ملک کے نوجوانوں ملک و قوم کی تمنائیں تم سے وابستہ ہیں۔

واقعات اور حالات کو آنکھیں کھول کر دیکھو اور یورپ کی اس بے دینی کی وبا اور اس کے غلط نظریات کا شکار نہ ہو بلکہ اپنے

ملک اور قوم کی حالت کو دیکھ کر اپنے لیے مناسب حال طرز عمل اختیار کرو یہی ایک صورت ہے کہ جس کی بدولت تم ملک و قوم کے لیے مفید ہو سکتے ہو اور تمہارا ملک ترقی کر سکتا ہے۔

سوالات

اس کے بعد معزز مقرر سے متعدد سوالات کیے گئے جس کے کافی و شافی جواب دیئے گئے۔ ترکوں کے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے آپ نے ایک واقعہ کا ذکر کیا کہ جب میں نے ایک ترک خاندان کے افراد سے پوچھا کہ کیا آپ ترک ہیں تو اس نے اثبات میں جواب دیا جب میں نے اس سے دریافت کیا کہ آپ مسلمان ہیں تو اس خاندان کے ایک نوجوان نے چیں بہ جبیں ہو کر کہا۔ ہاں۔ اس کے جواب سے مجھ پر یہ اثر ہوا کہ اس کو تعجب ہے کہ جب اس شخص کو معلوم ہو گیا کہ ہم ترک ہیں تو پھر اس کو یہ پوچھنے کی ضرورت کیوں ہوئی کہ تم مسلمان ہو۔ پھر ایک نوجوان ترک لڑکی نے اپنے بھائی کی معرفت مجھ سے یہ دریافت کیا کہ میں مصری ہوں۔ اسے یہ شبہ اس لیے ہوا کہ میں ترکی ٹوپی پہنے ہوئے تھا۔ جو ترکی میں قانوناً ممنوع ہے۔ جب میں نے بتایا کہ میں ہندوستانی ہوں تو اس نوجوان ترک لڑکی نے آپ لوگوں کے لیے مجھے ایک پیغام دیا۔ کہ بھائی آپ ہندوستان کے باشندوں

کو بتادیں کہ ترک مسلمان ہیں اور پکے مسلمان ہیں آپ انگورا اور قسطنطنیہ کو نہ دیکھیں، یہ یورپ کی لہر میں بہے جا رہے ہیں اور انھیں اپنی منزل تک معلوم نہیں ہے۔ ترک مسلمانوں کو دیکھنا ہے تو اناطولیہ جایئے آپ کو وہاں سچے اور پکے ترک مسلمان ملیں گے۔

اس کے بعد نواب صاحب نے کہا کہ میں اناطولیہ میں گیا اور وہاں میں نے ایسے مسلمان دیکھے جو ہندوستان میں شاید ہی دکھائی دے سکیں، اور خود قسطنطنیہ اور انگورا میں میں نے دیکھا کہ سوٹ بوٹ میں ملبوس مسلمان چھجے دار ٹوپی پہنے ہوئے مسلمان نماز کے وقت مسجدوں میں جاتے ہیں۔ اپنے بوٹ کھولتے اور ٹوپی کا چھجا پیچھے کی طرف کر کے اپنے خدا کے حضور میں سر بہ سجود ہو جاتے ہیں۔

حضرت خواجہ حسن نظامی کے ایک سوال کے جواب میں جو دورِ نادری کے متعلق تھا۔ معزز مقرر نے خواجہ صاحب کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ آپ نے اس سوال کو دریافت کر کے مجھے اس غلط فہمی کو رفع کرنے کا موقع دیا جو دورِ نادری کے متعلق پیدا ہو سکتی تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ افغانستان میں سائنس کے آلات تباہ اور کتب خانہ کو تباہ کرنے میں نادر خاں کا کوئی ہاتھ نہ تھا بلکہ یہ بچہ سقہ اور اس کے دور کی خرابیاں تھیں۔ شاہ نادر خاں تو افغانستان کو

اعلیٰ ترقی کی صحیح منزل کی طرف لے جا رہے ہیں۔

سر محمد یعقوب کی اختتامی تقریر

آخر میں سر محمد یعقوب نے اختتامی تقریر میں نواب صاحب کی دلچسپ اور پر مغز تقریر کے لیے شکریہ ادا کیا اور اس پر اظہار خوشنودی فرمایا کہ ہندوستان کے مسلمان اپنے ہم مذہبوں کی مذہبی حالت معلوم کرنے کے لیے بیتاب رہتے ہیں۔

آپ نے یہ بھی توقع ظاہر کی کہ نواب صاحب آئندہ کسی موقع پر تقریر فرما کر دہلی کے لوگوں کو مشکور فرمائیں گے۔

سر محمد یعقوب نے مسٹر چمن لال ریپورٹر "ہندوستان ٹائمز" کا ایک خط پڑھ کر سنایا جس میں درج تھا کہ نواب صاحب کی تقریر چھاپ کر (۵۰) ہزار کی تعداد میں تقسیم کی جائے اور میں اس کے اخراجات کے سلسلہ میں حقیر رقم پیش کر دوں گا۔

اس خط کو پڑھ کر سر محمد یعقوب صاحب نے نواب صاحب کی پر مغز تقریر کے جو اثرات حاضرین پر ہوئے ہیں اس کا ثبوت ایک ہندو نوجوان کی یہ تحریر ہے اس لیے مجھے اس کی تعریف و توصیف میں زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔

حضرت خواجہ حسن نظامی کی تقریر

آخر میں حضرت خواجہ حسن نظامی نے نہایت مختصر الفاظ میں جناب صدر معزز مقرر نومسلم مہاراجہ نواب نصر اللہ خاں اور معززین کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ اگرچہ نواب بہادر یار جنگ اپنی بیگم صاحبہ کے علاج کے سلسلہ میں تشریف لائے ہیں لیکن مجھے امید ہے کہ وہ اہل دہلی کو اپنی تقریر سننے کا پھر موقع دیں گے اور میں نواب صاحب سے دریافت کر کے پھر اعلان کر دوں گا۔ اس کے بعد جلسہ ختم ہوا۔

ہندوستان کے نوجوانوں کے نام

فرزندانِ قوم!

مغربی تہذیب نے اور مغربی تمدن نے جس بری طرح سے ساری دنیا کو تباہ کر رکھا ہے اس کا اندازہ آپ کو نواب بہادر یار جنگ بہادر کے ان خیالات سے ہو چکا ہو گا جو آپ نے تمام دنیا کی سیاحت کے بعد دہلی کے ایک جلسہ میں ظاہر کیے تھے۔

نواب صاحب کی تقریر کا لب لباب یہ ہے کہ ہندوستان کے نوجوان اگر ابھرنا چاہتے ہیں تو اُن کو مذہب کی روشنی میں آگے بڑھنا چاہیئے۔ دیسی صنعت و حرفت کو ترقی دینے کے لیے ان کو انتہائی جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ سادہ معاشرت اختیار کرنا چاہیئے جو ہماری اقتصادی اصلاح میں ممد و معاون ہو سکے مجھے امید ہے کہ ہندوستان کے نوجوان ایک تجربہ کار سیاح کے قیمتی خیالات سے فائدہ اٹھا کر اپنے مستقبل کو شاندار بنانے کی کوشش کریں گے۔

اخبار "عادل"
۲۹ مارچ ۱۹۳۳ء

ممالک اسلامیہ کی سیاحت کے تاثرات

مندرجہ ذیل تقریر بھی دہلی کے ایک روزنامہ میں شائع ہوئی اخبار کا نام معلوم نہ ہو سکا چونکہ آخری صفحہ دستیاب نہ ہو سکا۔

میں کوشش کروں گا کہ سیاحت کے تمام حالات آپ کے سامنے بیان کروں سب سے پہلے مجھے یہ بتانا چاہیئے کہ میں نے یہ سفر کس غرض سے اختیار کیا تھا اس کی صورت یہ ہوئی کہ جب میں بہت کمسن تھا تو میرے والد مرحوم نے ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کی سیاحت کی قدرتی طور پر میں ان کے ہمراہ جانا چاہتا تھا لیکن مجھے ساتھ نہ لے جایا گیا اور میں نہایت مجبوری کی حالت میں گھر پر رہا انھیں دنوں میں نے سیاحت کا خیال کیا اور اس کے ساتھ طے کیا کہ میرا پہلا سفر حج ہوگا۔ اللہ کا فضل شامل حال تھا اور خدا نے اپنے ایک حقیر بندے کے عہد کو پورا کرایا اور میرا پہلا سفر سفر حج ہی تھا۔

میرا تو خیال یہ ہے کہ مسلمان کے لیے سیاحت فرض ہے اور اپنے دیگر فرائض میں اسے بھی شامل کرنا چاہیے اس لیے کہ انسان کو جو وسیع تجربات سفر میں ہوتے ہیں دوسری طرح نہیں ہوتے۔ میرے خیال میں تو پچاس برس کی کتب بینی اور دو برس کا سفر جہاں تک کہ انسان کے تجربے کا تعلق ہے برابر حیثیت رکھتے ہیں۔

میرے سفر کے مقاصد یہ تھے کہ (۱) میں اپنے مذہبی فرض کو انجام دوں۔ (۲) مقاماتِ مقدسہ، آثارِ قدیمہ کو دیکھوں (۳) اکابر سے ملوں اور ان کے خیالات سے استفادہ حاصل کرنے کی کوشش کروں (۴) ان تغیرات کا معائنہ کروں جو اس وقت ہو رہے ہیں اور ان سے سبق لینے کی کوشش کروں۔

میرا پہلا مقصد ادائے فرض تھا چنانچہ میں مکہ معظمہ میں حاضر ہوا اور میں نے عرب کی سیاحت کی، مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کی، بزرگانِ دین کے مزارات پر حاضری دی۔ اکابر سے جن میں سلطان ابن سعود بھی شامل تھے ملاقات کی۔

اسلام کی ترقی کا جید اصول اس کی مرکزیت میں مضمر ہے اسلام نے اجتماعی زندگی کو اہمیت دی ہے اس لیے تنہا نماز پڑھنے کے مقابلہ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا زیادہ ثواب ہے۔ پھر جمعہ کی نماز کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ شہر کی ایک مسجد میں جمعہ کو جمع ہوں

عیدین کی نمازوں کا ایک منشاء یہ بھی ہے کہ آس پاس کے گاؤں کے لوگ سال میں دو دفعہ ایک مسجد میں جمع ہوں۔ ہر سال میں ایک مرتبہ حج ہوتا ہے اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ تمام عالم اسلام کے لوگ سال میں ایک مرتبہ مرکز اسلام میں جمع ہوں۔ حج اصل میں بین الاقوامی مسلم کانگریس ہے میں اس وقت اس پر بحث نہیں کرتا کہ مسلمان اس وقت حج سے وہ فائدہ اٹھا رہے ہیں جو انھیں اٹھانا چاہیئے لیکن یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ انھیں اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

خدا نے مسلمانوں کا کعبہ ایک ایسے حصّہ میں بنایا ہے جہاں کی سرزمین دوسروں کی حرص و آز کی آماجگاہ نہیں بن سکتی اس لیے کہ وہ خطہ زرخیز نہیں ہے۔ یہ ایک حادثہ یا اتفاق نہ تھا کہ حضرت ابراہیمؑ نے جو نہایت درجہ ذکی اور ہوش مند تھے اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ کو عرب کے ریگستان میں لاکر ڈال دیا۔ جہاں اس کی ماں پانی کی تلاش میں صفا مروا پر دوڑتی پھریں بلکہ یہ منشاء خداوندی تھا۔ مقصود یہ تھا کہ خدا کا گھر اس جگہ بنایا جائے دوسرے لوگوں کو اپنی حرص و آز کی خاطر قبضہ میں لانے کی خواہش نہ ہو چنانچہ اب تک عرب کا وہ خطہ یورپی دسترس سے بچا ہوا ہے۔ ایک طرف عدن پر دوسری طرف سویز پر غیروں کا تسلط ہے لیکن وہ پاک سرزمین دوسروں سے پاک ہے۔

ترکوں نے عربوں کی مادی ترقی پر توجہ نہیں دی اور انھوں نے صنعت و حرفت کی طرف توجہ نہ کیا۔ اس طرح کے تمام دیگر علاقوں سے جو روپیہ حاصل کرتے تھے وہ عربوں پر صرف کرتے تھے اور ترکی کے سلطان اپنے لیے خادم حرمین شریفین کا لقب باعث امتیاز سمجھتے تھے لیکن ترکوں کی اس خیرات نے عربوں کو بالکل بے کار کر دیا۔

عربوں میں صنعت و حرفت کا رواج دینے کی ایک سعی حیدرآباد کے عمائدین کی طرف سے ہو رہی ہے۔ اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ جناب نظامت جنگ بہادر اور فخر یار جنگ بہادر اس مرتبہ حج کو گئے تھے انھوں نے محسوس کیا کہ عربوں کو مفید کام پر لگانا چاہیے چنانچہ تجویز یہ ہے جو عملی جامہ پہننے والی ہے کہ عربوں کو سوت کاتنے اور کپڑا تیار کرنے کے فن سے آگاہ کیا جائے اس کی کھپت کی یہ صورت سوچی گئی ہے کہ احرام کے لیے وہی کپڑا استعمال ہو۔

میں جس قسم کے معتقدات کا آدمی ہوں اس سے یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ میں قبور کے گرانے کو پسند کر سکتا ہوں لیکن اس کے باوجود میری رائے ہے کہ ابن سعود نہایت دانشمند اور مدبر ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ حالات کی وجہ سے وہ نجد کے قدیم خیالات کے علماء میں گھرے ہوئے ہیں اور ان کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔

جب جدہ اور مکہ شریف کے درمیان ٹیلیفون کا سلسلہ لگا تو نجد میں افواہیں پھیلیں کہ اس طریقہ سے شیطانی آوازیں سلطان کے کانوں میں آتی ہوں گی۔ سلطان نے علماء نجد کو اطمینان دلانے کی یہ صورت اختیار کی کہ جدہ میں انتظام کیا کہ ٹیلیفون پر نہایت اچھا قاری قرآن شریف کی وہ آیتیں پڑھے جس میں شیطان کی مذمت ہو۔ یہ آوازیں سلطان نے علماء کو سنوائیں جب وہ مطمئن ہوئے۔

اصفہان کی مسجد کی مینارین ملتی ہیں اور پھر ساری مسجد ملنے لگتی ہے تمام دنیا کے انجینئر حیران ہیں کہ اس مسجد کی تعمیر کس طرح کی ہے اسی طرح آپ نے ایک پل کا بھی ذکر کیا جو ملتا تھا۔ تمام اسلامی ممالک کے آثار قدیمہ کے ذکر کے سلسلہ میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ ہندوستان میں جن معماروں نے عہد مغلیہ کی شاندار عمارتیں بنائیں وہ ایران سے آئے تھے لیکن یہاں کی عمارتوں کے مقابلہ میں زیادہ صفائی اور خوبصورتی ہے اس کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ ہندوستان میں انھوں نے ایک ایرانی فن تعمیر کے ساتھ ہندی فن تعمیر کو بھی شامل کر لیا اور اس سے عمارتوں میں زیادہ حسن پیدا ہو گیا دوسرا ایک سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہندوستان میں ان کی بہت زیادہ قدر افزائی ہوئی ہوگی۔

میں تمام اسلامی ممالک میں عمائد سے ملا لیکن ترکی میں اس کا موقع نہ ملا اس لیے کہ ترک ہندستان کے مسلمانوں کو شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اس میں وہ حق بجانب بھی ہیں اس لیے کہ ہندوستان کے بعض مسلمانوں نے ایسا طرز عمل اختیار کیا جس کی وجہ سے انھیں ہندوستان کے مسلمانوں پر شک و شبہ کرنے کا حق ہے۔

لباس کے دو ہی مقاصد ہیں ایک یہ کہ اس سے ستر پوشی ہو دوسرے یہ کہ موسم کے اثرات سے بدن کو محفوظ رکھا جا سکے اس وجہ سے ہر قوم کا جداگانہ لباس ہوتا ہے لیکن ہر شخص کو حق ہے کہ وہ ایسا لباس اختیار کرے جو اس کے مناسب حال ہو لیکن اسے ایسا لباس اختیار کرنے وقت اپنی امتیازی حیثیت کو فنا نہ کرنا چاہیے۔ جب سے ترکوں نے ترکوش (ترکی ٹوپی) چھوڑی ہے اب ان میں اور دیگر یورپین لوگوں میں تمیز کرنا مشکل ہے۔ انگورا کی سڑکوں پر ترک عورتیں اس طرح پھرتی ہیں جس طرح دیگر اقوام کی خواتین اور اس کا امتیاز نا ممکن ہے کہ ان میں سے کون ترک خاتون ہے اور کون نہیں۔

یورپ کی طرف سے آزادی کی ایک لہر آ رہی ہے اور جو ممالک یورپ سے زیادہ قریب ہیں وہ اس سے زیادہ متاثر ہو رہے ہیں چنانچہ پردے کے معاملہ میں ترک عورتیں سب سے پہلے اس رو میں بہہ گئیں اور اب مصری

عورتیں بھی ان کے قدم بہ قدم چل رہی ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ عورتوں میں صدیوں کے پردہ نے ایک بے چینی پیدا کر دی ہے یہ نہ پیدا ہوتی اگر وہ دیکھتیں کہ دوسری عورتیں آگے چلی جا رہی ہیں لیکن یہ نہ ہو سکا۔ اب سیلاب کا مقابلہ کرنا آسان نہیں۔ اس کی صرف یہ صورت ہے کہ ہم عورتوں کو تعلیم دیں اس قدر کہ اچھی گھریلو اور اچھی مائیں بن سکیں اور ان کو ایک حد تک آزادی بھی دیں اور اس طرح سیلاب کا رخ نہایت ہوشیاری سے پلٹ دیں۔ ورنہ یہ بات یقینی ہے کہ جس سیلاب نے مستحکم قلعوں کو توڑ ڈالا وہ کچی مٹی کے جھونپڑے باقی رکھے گا۔

اس سلسلہ میں آپ نے عراق اور فلسطین کی عورتوں کا ذکر کیا وہ گھروں سے نکلتی ہیں مسجدوں کو جاتی ہیں جلسوں میں بھی شریک ہوتی ہیں لیکن ایک برقعہ پہنے ہوئے اور ایک نقاب ڈالے ہوئے۔ اگر یہ ان میں سے اکثر کا لباس یورپین ہوتا ہے ان کے برقعہ میں جو گھٹنوں تک کا ہوتا ہے ذرا ترمیم کر دی جائے تو کافی پردہ ہو سکتا ہے۔ زمانہ نہایت سرعت کے ساتھ بدل رہا ہے۔ اگر ہمیں زندہ رہنا ہے تو ہم کو بھی بدلنا پڑے گا لیکن بہتر صورت یہ ہے کہ ہم سوچ سمجھ کر تبدیلی کریں۔ اگر ہم نے سوچ سمجھ کر تبدیلی نہ کی یا تبدیلی کرنے سے انکار کیا تو یاد رکھنا چاہئے کہ ہم سیلاب کی زد میں بلا ارادہ بہ جائیں گے۔

جوابِ سپاس نامہ

یہ جوابی سپاسنامہ ۱۰ر جون ۱۹۳۳ء کو قائدِ ملّت کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا اس کے جواب میں قائدِ ملت نے یہ تقریر فرمائی تھی جسے اخبار صبحِ دکن نے شائع کیا۔

معتمد صاحب مجلس اتحاد المسلمین محبوب نگر اور حضرات!

آج آپ نے میری خدمات قومی کا اعتراف کرتے ہوئے جو سپاس نامہ مجھے دیا ہے میں اس کو اپنے لیے باعثِ عزت خیال کرتا ہوں اور یقیناً ایک خادم ملّت کے لیے اس کی قوم کا اعترافِ خدمات دُنیا کی اور عزتوں سے زیادہ قابلِ فخر ہے لیکن مجھے یہ عرض کرنے کی اجازت دیجئے کہ اس سپاسنامہ کو قبول کرتے ہوئے مجھے افسوس بھی ہوا جب میں نے دیکھا کہ مسلمانوں کی وہ قوم جو اپنی تاریخ کے ہر دور میں زندگی کی ہر ضرورت کے لیے بہتر سے بہتر افراد پیدا کیا کرتی تھی آج اپنے قحط الرجال کے باعث مجھ جیسے ناقص اور ناقابل خادم کی خدمات کو قابلِ اعتراف تصور کرتی ہے۔

آپ نے میری تین قسم کی خدمات کا ذکر فرمایا ہے۔ ملک و مالک کی جو خدمت میں نے اس وقت تک انجام دی ہے وہ خانوادہ آصفی کی ایک پشتنی نمک خوار اور سلطنت آصفیہ سے دو صد سالہ نسبت رکھنے والے جاں نثار کی حیثیت میں نفی کے برابر ہے۔ اگر میری رگوں میں میرے اجداد کا خالص خون ہے تو مجھے اپنی زندگی کے ہر لمحہ کو اپنے بادشاہ اور ملک کی خدمت کے لیے وقف کر دینا چاہیے اور میں اس کا وعدہ کرتا ہوں اور یہ جتا دینا چاہتا ہوں میری تنہا کوشش کچھ مفید ثابت نہیں ہو سکتی جب تک آپ میں سے ہر ایک وقت کے حالات کا صحیح اندازہ نہ کرے اور اپنی بساط کے مطابق مصروف عمل نہ ہو جائیں۔

یہی میری تعلیمی یا مذہبی خدمت ہے کہ جو کچھ ہوا وہ وقت کے تقاضے کی بہ نسبت بہت کم ہوا ضرورت اس سے زیادہ کی ہے اور ظاہر ہے کہ زیادہ کام اس وقت تک نہیں ہو سکتا۔ جب تک زیادہ کام کرنے والے پیدا نہ ہوں۔

آپ نے میرے قومی و مذہبی اداروں سے میرا تعلق ظاہر کیا ہے وہ سب کے سب مفید قومی خدمات انجام دے رہے ہیں مکتبہ ابراہیمیہ نے ملک کے مذاق علمی کو صحیح کرنے اور اچھا و مفید لٹریچر ملک میں پھیلانے کا جو کام [illegible] میں لانے ضرورت ہے کہ ملک اس کا استقبال کرے۔

قوم افاغنہ ایک ایسی قوم ہے جس کا صفحہ اول ابھی حق پذیری کے لیے فطرۃً آمادہ اور جس کی قوت عمل ہر خدمت قومی کے لیے زندہ ہے ضرور ان مشکلات کو رفع کر کے قلب و دماغ کو مجلی کیا جائے تاکہ وہ ملک و ملت کے لیے مفید خادم پیدا کر سکے۔ مجلس اتحاد المسلمین وقت کی سب سے اہم ضرورت ہے اگر اب بھی مسلمانوں نے اس کو نہیں سمجھا تو آئندہ ان کے لیے مواقع کم سے کم تر ہوتے جائیں گے۔ رہ گئی تحریک قرآن اس سے متعلق مجھے کہنے دیجئے کہ مسلمانوں ہیئت اجتماعی اگر جسم ہے تو قرآن اس کی روح ہے جس طرح جسم بغیر روح کے ذلیل و خوار ہو جاتا ہے اسی طرح مسلمان قرآن کی تعلیمات سے غافل ہو کر دنیا میں کسی عزت کے مستحق نہیں رہتے۔ آخر میں میں پھر ایک مرتبہ آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور ایک مختصر درخواست کرتا ہوں کہ ہوشیار ہو جائے اور متغیر حالات کے اس طوفان میں اپنی کشتی کی حفاظت کیجئے۔

خان بہادر احمد علاء الدین

کنٹونمنٹ سکندرآباد کے الیکشن میں سکندرآباد سے خان بہادر احمد علاء الدین امیدوار تھے اس انتخابی جلسہ کی صدارت حضرت قائد ملّت نے فرمائی یہ جلسہ جامع مسجد سکندرآباد میں یکم اپریل ۱۹۳۸ء کو منعقد ہوا۔ تقریر بحوالہ رہبر دکن ۳۱ مارچ ۱۹۳۸ء

صدر جلسہ کی تقریر

نہایت شرمناک اور قابل تعجب بات ہے کہ خان بہادر احمد علاء الدین جیسے نیک نام اور مخیر ہستی کے لیے ووٹ کی فراہمی کی جارہی ہے حقیقت یہ ہے کہ ہماری قوم میں محسنوں کی پہچان کا مادّہ بالکل باقی نہیں رہا۔ خان بہادر احمد علاء الدین کے نام سے کون واقف نہیں۔ میں خود صاحب موصوف سے تیس سال سے واقف ہوں اور ان کا حساس دل ٹٹول چکا ہوں ان کے دل میں قوم اور مذہب کے جس

قدر احساس ہیں شاید ہی کسی امیدوار میں موجود ہوں۔ ان کی علمی سرپرستیوں کے شاندار اور ناقابل انکار ثبوت اسلامیہ ہائی اسکول سکندرآباد اور ملارم مڈل اسکول کے علاوہ کئی علمی ادارے ہیں۔ ان کے دل میں قومی درد ہے ان کی خدمتوں کا اعتراف اپنوں اور بیگانوں کو یکساں ہے کہ ہم میں سچے اور بے لوث کارکنوں کی عظمت پہچاننے کے جوہر مفقود ہو چکے ہیں۔ برادران اسلام مجھے قومی امید ہے کہ آپ ٹھنڈے دل سے اس انتخابی مسئلہ پر غور کر کے حق دار امیدوار ہی کو اپنا ووٹ دیں گے تاکہ وہ آپ حضرات کے حقوق کی حفاظت کما حقہ کر سکے۔ ان کے کارناموں سے واقف ہوتے ہوئے بھی کسی آزمائش میں ٹھہر کر نئے تجربہ کار کو اپنا رہنما بنانا کہاں کی دانائی ہے۔ کیا کوئی مریض ایسی دوا کے استعمال پر اپنی رضامندی ظاہر کر سکتا ہے جس کے خواص و فوائد سے وہ واقف نہیں بلکہ وہ مریض وہ دوا استعمال کرنے کا متمنی ہوگا جس کا تجربہ ہزارہا انسان کر چکے ہیں۔ خان بہادر موصوف کے آپ حضرات کی خدمت کے سلسلہ میں تیرہ سال کا وسیع عرصہ گزر چکا ہے اس لیے وہ جس قدر آپ کی ضرورتوں اور بھلائیوں کے طریقوں سے واقف ہیں کوئی دوسرا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

اگر آپ اپنے حقوق کی حفاظت اور اپنی بہبودی کے خواہاں ہیں تو خان بہادر احمد علاء الدین کو اپنا ووٹ دیں

میں اپنا ووٹ کس کو دوں گا

۲ اپریل ۱۹۳۸ء کو رحیم خاں آکشنز سکندر آباد کے وسیع احاطہ میں باشندگان سکندر آباد کے لیے ایک عظیم اجتماع کو مخاطب کرتے ہوئے جو تقریر قائد ملت نے فرمائی ہدیۂ ناظرین ہے۔ رہبر دکن ۳ اپریل ۱۹۳۸ء

برادران اسلام! ساری تعریف اس خدا کو سزاوار ہے جس کو نہ کسی نے منتخب کیا اور نہ جو امیدوار ہوا۔ جو ہمیشہ سے مالک الملک ہے اور ہمیشہ رہے گا اور جس کی حکومت کی یکتائی ہمیں یہ درس دے رہی ہے کہ ہمیشہ ایک ہی کی حکومت کامیاب ہوتی ہے چاہے وہ حقیقی ہو یا مجازی۔ آپ سب جانتے ہیں کہ آج کا جلسہ ایک انتخابی مہم کے سلسلہ کی کڑی ہے برا ہو اس انتخاب کا کہ تاریخ کے جس دور میں اس کی ضرورت پیش آئی اس نے اپنوں کو بیگانہ، دوستوں کو دشمن اور محبت بھرے دلوں کو آتش بغض و حسد کی بھٹی بنا دیا۔

مسلمانوں نے اپنی تاریخ کے ابتدائی دور میں ایک دفعہ انتخاب

کیا تھا اور آج تک سر پھٹول جاری ہے ایلیڈوار تو خدا کے تقریبے مزے لے رہے ہیں لیکن ان کے موکل آج تک ایک دوسرے سے دست و گریباں ہیں۔

خدا کا شکر ہے کہ سلطنت آصفیہ کے برٹش اڈمنسٹریٹو ایریا میں ہر فرقہ کے لیے نشستیں محفوظ کر دی گئی ہیں اور مشترکہ انتخاب کی لعنت اختیار نہ کی گئی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک ہی فرقہ کے جدا صحاب کے درمیان کشمکش جاری ہے مگر اس کشمکش کی حیثیت پانی کی موجوں کو جدا کرنے والی چھڑی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ اگر کہیں قومیت پرستی کا بھوت یہاں بھی ہمارے دماغوں پر سایہ فگن ہوتا تو آج ہم دو فرقوں کو دست و گریباں دیکھنے اور سکندر آباد کی فضا کو فرقہ وارانہ جذبات سے مسحور پاتے اس جداگانہ انتخاب نے ہر فرقہ کو اپنی چار دیواری میں محصور کر لیا۔ غرض انتخابی مہم ایک مقراض ہے جو محبت کے رشتوں کو کاٹ دیتی ہے۔ ابھی حیدر آباد میں بلدیہ کے سلسلہ میں صرف انتخابات ہوئے ہیں اور ہم نے اپنے کئی بہترین دوستوں کو اپنا مخالف بنایا اور آج بھی نہ معلوم کتنے احباب کی عنایات سے محروم ہو جائیں گا۔

اس مختصر تمہید کے بعد میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ آج کے امیدواروں میں سے میں کسی ایک کا نقیب نہیں تینوں میرے ملاقاتی ہیں۔ سکندر آباد میں میری جائداد ہے اور میں خود آپ میں سے ایک ووٹر ہوں میرا نمبر (۶۱۲) ہے چھپ کر رائے دینے کی بجائے میں آج علانیہ آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ

میں اپنا ووٹ کس کو دوں گا۔ گذشتہ بارہ سالوں سے یہ انتخابی مہم چلی ہے ورنہ پہلے دونوں "خان بہادر" کشمکش میں پڑنے کی بجائے منتخب ہو جاتے تھے۔

صدارت کی خواہش

دوستو! سکندرآباد کے مسلمانوں نے مجھ سے اس امر کی خواہش کی کہ میں اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کروں۔ مجھے سب سے پہلے ارباب کنٹونمنٹ کو مبارک باد دینا چاہیئے کہ انھوں نے مشترکہ انتخاب کی لعنت سے اپنے زیر انتظام علاقہ کو محفوظ رکھا۔ اور انتخاب کی مہم کو کم تکلیف دہ بنانے کی کوشش کی ورنہ میں آج اس میدان میں مختلف قوم اور ذات کے امیدواروں کے کارکنوں کو دست و گریباں ہوتا ہوا دیکھتا۔ مسرت کا مقام ہے کہ سکندرآباد میں ہر فرقہ کو موقع دیا گیا۔ میں امیدواروں کے آپس کے الجھاؤ کو سمندر میں چھڑی مارنے سے زیادہ نہیں سمجھتا چند لمحوں تک لہریں جدا ہو کر گلے مل جاتی ہیں (پرجوش تالیاں) میں مذہبی اساس پر لڑنا وسیع اختلافات کا پیش خیمہ سمجھتا ہوں اگر کسی امیدوار کے کارکنوں نے مکروہ طریقہ اختیار بھی کیا ہے تو وہ سخت غلطی پر ہیں اور اخلاقی جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

امیدواروں کے کارناموں پر تبصرہ :- برادران! میں

امیدواروں کے گذشتہ کارناموں پر اجمالی تبصرہ کر کے یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ کس نے کس حد تک قومی خدمات انجام دیں۔ خان بہادر عبدالرحیم گزشتہ پچیس سال سے قومی خدمات نہایت تندہی اور صفائی سے انجام دے رہے ہیں اور خان بہادر علاء الدین گزشتہ بارہ سال کے عرصہ سے اتفاقی طور پر یا اپنی مقبولیت کے سبب سے رکنیت کا فرض ادا کر رہے ہیں۔ مولوی شیخ احمد صاحب کی امیدواری نے مجھے دوگونہ حیرت میں ڈال دیا میں نے انھیں کوئی قومی خدمت کرتے نہیں دیکھا اور اب ان کی امیدواری سے ثابت ہو رہا ہے کہ وہ قومی خدمت کرنا چاہتے ہیں اور خود کو اس قابل پاتے ہیں۔ خان بہادر عبدالرحیم کی قابلیت کا ہر شخص معترف ہے اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ سفر سے واپس آنے کے بعد میں سب سے پہلے اپنے محترم بزرگ خان عبدالرحیم سے ملا میں اس تفصیلی گفتگو کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا مگر نتیجہ یہ نکلا کہ خان بہادر عبدالرحیم پبلک لائف کے کاموں میں خان بہادر احمد علاء الدین سے اشتراک عمل کرنے پر کسی حالت میں تیار نہیں مجھے تعجب ہوا اور میں خان بہادر احمد علاء الدین سے واقف ہونے کے باوجود ان کی برائیاں معلوم کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ چنانچہ اس دو گھنٹہ کی ملاقات سے میں اس نتیجہ پر پہنچ سکا کہ خان بہادر احمد علاء الدین اہل ضرور ہیں مگر خان بہادر عبدالرحیم ان سے

خوش نہیں وہ اشتراک عمل نہیں کرنا چاہتے۔ شیخ احمد صاحب نے اس سے قبل کئی مذہبی کاموں کی ذمہ داری سے پہلوتہی کی مگر اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ جب وہ مستعد ہو کر میدان میں اتر آئیں تو ان کے جذبات کو ٹھیس لگائی جائے۔ ہر شخص شہرت کا متمنی ہوا کرتا ہے اگر نوجوان ایسی خواہش کرے تو اسے ابھارو اس لیے میں ایسے نوجوان کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔

ایک بہادر خاں نہیں سو بہادر خاں پیدا کرو

وہی قوم زندہ رہنے کا دعویٰ کر سکتی ہے جس کے نوجوانوں میں قوت عمل باقی ہو۔ مجلس جاگیرداران کی معتمدی کی خدمت کو مزید عرصہ کے لیے اس لیے قبول نہیں کیا کہ دوسرے نوجوانوں کو بھی عمل کا موقع مل سکے۔ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ "ایک بہادر خاں نہیں سو بہادر خاں" ہیں۔ (تالیاں)۔ اب سب سے اہم سوال بقیہ دو میں سے کون میرا نمائندہ بن سکتا ہے کارہ جاتا ہے تاکہ واقعات کی روشنی میں تبصرہ کر کے کسی ایک بزرگ سے استدعا کی جائے کہ وہ اپنی جگہ خالی کر دیں تاکہ قوم کی نمائندگی صحیح معنوں میں ہو۔ خان بہادر عبدالرحیم کی بزرگی اور عالمانہ قابلیت میں کسی کو کلام نہیں اور خان بہادر احمد علاء الدین کے قومی

کارناموں اور قومی ضروریات پر اپنا روپیہ پانی کی طرح بہانا بھی سب جانتے ہیں۔ آپ کے ہر جلسہ ہر محفل اچھے بُرے میں ساتھ دینے والے خان بہادر احمد علاء الدین ہی ہیں اس کے کہنے کی ضرورت نہیں۔

حالات کا علم

اسلامیہ ہائی اسکول کے پرنسپل کی مدت معینہ ختم ہونے کے بعد خان بہادر عبدالرحیم نے توسیع مدت کا حکم دیا اس کے بعد ہی علیحدگی کا بھی حکم دیا۔ خان بہادر احمد علاء الدین نے اس بارے میں اختلاف کیا کیونکہ اس پرنسپل کے زمانے میں مدرسہ کی حالت سدھر گئی نتائج سو فی صد رہے خان بہادر عبدالرحیم نے علیحدگی کے احکام اس لیے دیئے تھے کہ پرنسپل نے مخرب اخلاق ڈرامہ کرایا تھا اور مدرسہ کے کردی کھاتے میں دس روپیوں کا فرق نکلا۔ میرے تعجب کی حد نہ رہی کہ اسلامیہ ہائی اسکول کے بورڈ میں قابل حضرات کی موجودگی کے باوجود ایسے معمولی مسائل حل نہ کیے جا سکے۔ اگر میں پریذیڈنٹ یا سکریٹری ہوتا تو پرنسپل کے مسئلہ کو رائے عامہ پر چھوڑ دیتا اس طرح نزاع کے پیدا ہونے کا خطرہ ہی باقی نہ رہتا۔ اس چیر کے علاوہ کوئی دوسری وجہ نہیں۔

حضرات! میونسپل امیدوار کے لیے قانونی اعلیٰ قابلیت کی ضرورت نہیں۔ یہ اسمبلی کی رکنیت نہیں جہاں قوانین کی ترمیم ہوا کرتی ہے اس

کے برخلاف میونسپل امیدوار کو پبلک کی صحت، تعلیم، آب وہوا کی درستگی اور آرائش کا خیال رکھنا پڑتا ہے ان امور کے علاوہ پبلک کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ اور عوام کے خیالات کی ترجمانی کی صلاحیت نہایت ضروری ہے۔ بالعموم خدمت کا جذبہ کسی میں فطرتی ہوا کرتا ہے اسے چاہیئے کہ وہ خود اپنے لیے زندہ نہ رہے بلکہ اوروں کی فلاح کے لیے۔ جس میں یہ ساری باتیں موجود ہوں اصلی معنوں میں وہ نمائندگی کے فرائض انجام دے سکتا ہے۔ اس کے بعد نواب صاحب نے قرن اول کے مسلمانوں کا معیار انتخاب اور بہترین انسان کے پرکھنے کے طریقہ بتلائے اور کہا کہ خان بہادر عبدالرحیم کا نہ میں ہمسایہ رہا اور نہ ان کے ساتھ سفر کیا۔ اس کے برخلاف خان بہادر احمد علاء الدین کے ساتھ لمبے لمبے سفر کیے اور افسوس ہے کہ مجھے ان کی قومی خدمات کے کہنے کی اجازت نہیں۔ (تالیاں)

اختلاف رائے اور ذاتی مخاصمت وجداگانہ چیزیں ہیں

اختلاف رائے کی وجہ سے ذاتی مخاصمت پیدا کر لینا قومی کارکنوں کے شایان شان نہیں مجھ سے بھی خان بہادر احمد علاء الدین کی شدید اختلاف آراء ہوئیں چہرے سرخ ہو گئے آستین چڑھ گئیں پھر کچھ بھی نہیں (پرجوش تالیاں) میں خان بہادر علاء الدین کا نقیب نہیں اگر وہ خان بہادر

ہیں تو میں بھی بہادر خاں ہوں (فلک شگاف تالیاں) میں ماننے کے لیے تیار ہوں کہ خان بہادر موصوف سے غلطیاں ہوئی ہوں گی ایسی غلطیاں جن سے قومی مفاد نہیں ٹکراتا قابل معافی ہیں۔

آخر میں فاضل مقرر نے خان بہادر عبدالرحیم کی اعلیٰ قانونی قابلیت کی پُرزور الفاظ میں تعریف کی اور کہا کہ خان بہادر عبدالرحیم موصوف جوڈیشیل کمیٹی کی رکنیت کی اہم ترین خدمت انجام دے رہے ہیں کیونکہ یہ خدمت بورڈ سے زیادہ اہم ہے اس لیے ہمیں فخر کرنا چاہیئے اور یہ اعزاز بھی ان کی بڑائی کی دلیل ہے مجھے معلوم ہوا کہ خان بہادر موصوف اپنی گوناگوں مصروفیتوں کی وجہ سے بورڈ کے اٹھارہ جلسوں میں سے صرف چار جلسوں میں شریک ہو سکے۔ اس لیے انھیں اس اہم خدمت جی کو انجام دینے کے لیے چھوڑ دینا چاہیئے اس لیے میرا دوسرا ووٹ خان بہادر احمد علاء الدین کے حق میں ہوگا۔

تقریر (شولاپور)

۶ فروری ۱۹۳۹ء کو شولاپور میں نواب صاحب نے یہ تقریر فرمائی اس تقریر کی روئداد محمد مخدوم نامی شخص نے مرتب کی اور رسالہ زبدۃ الملک میں پٹن علاقہ میسور کی ۵ اپریل ۱۹۳۹ء کی اشاعت میں ص ۱۳ تا ۱۵ شائع کی۔ ہدیۂ ناظرین ہے۔

میری زندگی میں آج کا دن نہایت خوشی کا دن ہے اس لیے بطور خاص میں مسلمانانِ شولاپور اور حاضرین کا احسان مند ہوں کہ انھوں نے مجھ کو عزت بخشی۔

آریہ سماج نے جو آج کل قانون شکنی شروع کی ہے وہ بالکل ناجائز ہے۔ میں اپنی مختصر تقریر میں ان کے الزامات کا ذکر کرتے ہوئے جواب دیتا ہوں۔

الزامات یہ ہیں۔ ہندوؤں کو جلوس نکالنے کی ممانعت ہے ہندوؤں کو اصلاح کے لیے (پرچار) ممانعت ہے۔ ہندوؤں کو عبادت

(پرارتھنا) کی ممانعت ہے۔ ہندوؤں کو جبراً اور رشوت دے کر مسلمان بنایا جاتا ہے۔

یہ تمام غلط خبریں شائع کر کے ہندو مسلمانوں میں نااتفاقی پیدا کی جارہی ہے۔ جلوس عبادت اور اصلاحی تقریر کے لیے کسی قسم کی ممانعت نہیں ہے۔ یہ سب خبریں بے بنیاد ہیں۔ اگر ان کو ممانعت ہوتی تو اس وقت مصر و ایران کی طرح سرکار عالی میں ایک ہندو نظر نہ آتا۔ بلکہ ہندوؤں کو رنج نہ پہنچنے کے لیے ہمارے اسلامی حقوق یعنے گاؤ کی قربانی کی ممانعت ہے اور مجھ کو ایک سال کے لیے وعظ کرنے کی ممانعت ہے اس طرح ہندوؤں کے افادہ کے لیے مسلمانوں پر سختی عائد کی جارہی ہے اگر آپ غور سے خیال فرمائیں گے یا سرکار عالی کے کسی ہندو سے دریافت فرمائیں گے تو یہ امر واضح ہوگا کہ سرکار عالی میں ہندوؤں کو جو آزادی حاصل ہے وہ ہندوستان کے کسی چپہ میں بھی نصیب نہیں ہے۔

یہ الزام ہے کہ ہندوؤں کو رشوت دے کر بالجبر مسلمان بنایا جاتا ہے بالکل بے بنیاد ہے۔ اگر کوئی اپنی خوشی سے اسلام قبول کرتا ہے تو اس کو مسلمان بنانا جائز ہے لیکن زبردستی اور رشوت دے کر مسلمان بنانا قطعی ناجائز ہے۔ میں خود بغیر ایک حبہ دیئے محبت کے ساتھ اٹھارہ ہزار اچھوت کو جو اپنے برادروں میں حقیر، جاہل اور حیوانات سے بدتر

بنے ہوئے تھے۔ انھیں مسلمان بنا کر اشرف المخلوقات کے درجہ کو پہنچایا ہے اور جب تک تا حیات میرے وجود میں ایک خون کا قطرہ باقی رہے یہ فرض انجام دیتا رہوں گا۔ (اللہ اکبر)۔

ہندو جانتے ہیں کہ جس طرح جرمنی میں آج کل یہودیوں کی حالت ہے اسی طرح ہندوستان کے مسلمانوں کی گت بنے۔ انھیں معمولی حکومت ملتے ہی غریبوں پر بندوق زنی کر کے جو ظلم کیا ہے اس طرح سرکار عالی میں کبھی عمل نہیں ہوا۔ یہ اظہر من الشمس ہے معلوم نہیں زیادہ حکومت ملنے کے بعد اسلام پر کیا نوبت آ پہنچے گی۔ سوراج ملنے تک ہاتھ میں ہاتھ ملا کر دوستی کا اظہار کرنا۔ اور سوراج ملنے کے بعد دغا کرنا، تہمت لگانا اور اس طرح کے فتنے برپا کرنا۔ ہم مسلمان خوب جانتے ہیں مسلمانوں کے دلوں سے وہ واقعہ دور نہ ہوا جو افضل خاں کو دوست کہہ کر ملاقات کے لیے بلوایا اور دغا بازی سے ان کے پیٹ میں فولادی ناخن شیر چبھو کر ہمیشہ کے لیے جنت کو روانہ کیا۔ ایسے دغا باز دوستوں کو دور ہی سے سلام ہے ایسے دوست سے وہ دشمن بہتر ہے جو کھلے الفاظ میں دشمن ہونا ظاہر کرتا ہے۔ اگر آج ہندو اپنی کثیر تعداد کے زور پر کہتے ہیں کہ مسلمانو کو ہندوستان میں آباد رہنے کا کوئی حق نہیں ہے مسلمانوں نے ہندوستان کو اپنا خون بہا کر حاصل کیا ہے وہ خون ہندوستان چھوڑنے

کیلئے نہیں بہایا گیا اگر آپ کو یاد نہ ہو تو اس وقت ہندوستان کی سرزمین سے ایک مشت خاک لے کر دباؤ تو ضرور مسلمان کے خون کے قطرے نظر آئیں گے۔

محمود غزنوی جس وقت سومناتھ پر حملہ کیا تو اس کے ساتھ ۳۲ کروڑ ہندو کے مقابلہ میں کوئی ۳۰ کروڑ فوج نہیں لایا تھا۔ نادر شاہ افغان نے پانی پت کے میدان میں اپنی قلیل فوج کے ساتھ کثیر التعداد ہندو فوج کو مٹی میں ملا دیا۔ ایسے افغانی خون کے مسلمان یا اس سے زیادہ جوشیلے مسلمانوں کو اپنی جگہ سے ایک انچ بھی ہٹا دینا نہایت مشکل امر ہے۔

مسلمانان سرکار عالی اٹھارہ لاکھ ہیں لیکن بفضل تعالیٰ اٹھارہ دونی ۳۶ لاکھ سے بھی زیادہ طاقتور ہیں (آمین) اور سرکار آصفیہ کے لیے جاں نثار کرنے کو تیار ہیں۔ ہمیں کسی امداد کی ضرورت نہیں۔ مسلمانان شولاپور جو صاق دل سے امداد کرنے کو تیار ہیں لیکن ہمیں اس وقت اسکی ضرورت نہیں۔ یہ تحفہ آپ کے پاس امانت رکھیئے اور جب ہمیں ضرورت ہوگی ہم لے لیں گے۔

مسلمانان شولاپور اور حاضرین کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

(بعد ازاں اللہ اکبر کے نعرے زمین سے آسمان تک پہنچاتے ہوئے جلسہ ۱۱½ بجے شب ختم ہوا۔)

مہاراجہ بہادر سے اظہارِ تشکر

مہاراجہ کشن پرشاد یمین السلطنت نے پیام امن و اتحاد کے عام سے ایک پمفلٹ تحریر فرمایا اس خصوص میں اظہار تشکر کے طور پر جلسۂ عام منعقد کیا گیا۔ جلسہ کہاں ہوا اخباری روئداد میں اس کا ذکر نہیں ہے تقریر بحوالہ رہبر دکن ۲ اپریل ۱۹۳۹ء

میں ہمیشہ سے غیر محتاط رہا۔ تمام مقرریں نے اپنی اپنی تقریروں کو مرتب کر لیا اور میں تہی دست آپ کے سامنے کھڑا ہوں۔ مگر اس کا قائل ہوں کہ انسان اپنی تہی دامنی ہی کے عالم میں جذبۂ تجسس سے کام لے کر دریائے معانی میں غوطا لگاتا اور بہترین موتی تلاش کر سکتا ہے۔

انگریزی پریس یا تو میری تقریر کا مفہوم نہ سمجھنے کے باعث یا عمداً غیر صحافتی طریقے اختیار کرتا ہے اور میرے خیالات کو خلط ملط کر دیتا ہے جس کے نتائج بعض دفعہ سخت تکلیف دہ ہوتے ہیں اس لیے

اگر انگریزی جرائد کے نامہ نگار میری تقریر کا متن مجھ سے حاصل کرلیں تو بہتر ہے۔

جس طرح کسی واقعہ کو بدل کر بیان کرنا جھوٹ ہے اسی طرح کسی کو جھوٹ کہنے اور دوسرے کو اس کا نقصان برداشت کرتے ہوئے دیکھ کر خاموش رہنا بھی جھوٹ سے کم نہیں۔

ہندوستان کے طول و عرض میں حیدرآباد کے خلاف جو غلط پروپگنڈہ کیا گیا وہ کوئی سہو یا غلطی نہ تھی بلکہ ایک فعلِ عمد تھا جو ایک مقررہ مقصد کے تحت کیا جارہا تھا اور کیا جارہا ہے۔

دنیا کا ہر سمجھدار آدمی جو حیدرآباد کو جانتا ہے اور اس کی حقیقت کو پہچانتا ہے حیران تھا کہ خود حیدرآباد کے زعماء اس کی تردید کیوں نہیں کرتے اگر مسلمان تردید کرتے تو سند نہ ہوتی اور حکومت اس مقدمہ میں خود ایک فریق سمجھی جارہی ہے۔ یا بدقسمتی سے خود فریق بن گئی ہے (تعصیفیق) حالانکہ اس کے لیے جج کا پوزیشن زیادہ بہتر ہوتا۔ اس لیے تردید کا فرض ایک اور صرف ایک طبقہ پر عائد ہوتا تھا اور یہ طبقہ مہاں کے معزز ہندو باشندگان کا طبقہ ہے وہ اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں کہ جن بے بنیاد باتوں پر جھوٹ کے قلعے تعمیر کیے جارہے ہیں اس کا شائبہ بھی اس ریاست ابدمدت میں موجود نہیں اور حیرت کا

مقام یہ ہے کہ جن کے پیٹ میں درد ہو رہا ہے وہ آرام و چین سے ہیں اور مفت کے بیمار دار درد سے تڑپ رہے ہیں (فلک شگاف نالیاں)۔

مجھے مہاراجہ سر کیشن السلطنۃ بہادر سے محبت ہی نہیں بلکہ عقیدت ہے مہاراجہ چندو لال بیکنٹھ ہاشمی سے میرے جد اعلیٰ نصیب یاور جنگ اول کے محبت آگین تعلقات تھے۔ راجہ نریندر پرشاد آنجہانی کی خدمت میں میرے دادا محمد دولت خاں نصیب یاور جنگ ثانی حاضر ہوا کرتے تھے اور میرے والد مرحوم نے آخر وقت تک مہاراجہ بہادر کی محبت کا عملی ثبوت دیا اور اب میں اور میرے بھائی ان کے عقیدت مند ہیں۔ مجھے اپنی ابتدائے طفولیت کی جو بعض نیم شعوری باتیں یاد ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عالم چار سالگی میں میں مہاراجہ کے زانوئے عظمت و جلال پر بیٹھ کر ان کے ہاتھوں سے میوہ کھایا کرتا تھا۔ وہ دن ہے اور آج کا دن کہ انھوں نے مجھے ہمیشہ اپنا بچہ سمجھا اور میں ان کو اپنا بزرگ سمجھتا ہوں۔ ہم نے اپنی ہر مشکل میں ان کے دامن میں پناہ لی اس عقیدت کے باوجود میں اقرار کرتا ہوں کہ اختر اسپرداریوں کے اس طوفان میں ان کی خاموشی مجھ پر بہت گراں گزرتی تھی لیکن کئی دفعہ میں اپنے دل میں بدگمان ہونے لگتا تھا اور سوچتا تھا کہ کیا حیدرآباد

میں ایک بھی مرد حق پرست نہیں ہے۔ آج میں اپنی اس بدگمانی بلکہ غلطی کا اعتراف کرتا ہوں۔ صحیح ہے "خطائے بزرگان گرفتن خطاست" آج ہمیں معلوم ہوا کہ ان کا سکوت "پُرمعنی" تھا وہ اس کے لیے صحیح وقت کا انتظار فرما رہے تھے انھوں نے اپنی ایک ہی ضرب سے کذب و افترا کے سارے قلعوں کو جن کی بنیاد ہوا میں تھی پاش پاش کر دیا اور نہ صرف اس صداقت و خلوص کا شاندار مظاہرہ فرمایا جو ایک خاندانی اور شریف چھتری کی خصوصیات میں سے ہے بلکہ ملک کے قدیم اور وفادار طبقہ کو جس کی ایک ایک رگ میں آصف جاہی نمک خون بن کر دوڑ رہا ہے۔ زندگی کی صحیح راہ سمجھائی اور وقت کا سب سے اہم فریضہ یاد دلایا۔

اپنے بیان میں مہاراجہ بہادر نے نہ صرف اس "سفید جھوٹ" پر اظہار نفرت و ملامت فرمایا ہے جو حیدرآباد سے متعلق بیرون حیدرآباد پھیلائی گئی اور اس گندہ پروپگنڈے سے بیزاری کا اظہار فرمایا ہے جو بیرونی اخبارات اور دیگر ذرائع سے سلطنت اسلامیہ آصفیہ کے خلاف کیا گیا بلکہ اس امر پر سب سے زیادہ زور دیا ہے کہ یہ ساری تحریکات بیرونی اشتراکی فتنہ پردازیوں کا نتیجہ ہیں وہ اظہار تعجب فرماتے ہیں کہ:

"بیرونی اشخاص کو ہمارے اندرونی معاملات سے کیا تعلق

ہوسکتا ہے۔"

سر مہاراجہ بہادر فرماتے ہیں کہ:

"جب یہاں ہندو ہر طرح سے امن و عافیت کی زندگی بسر کر رہے ہیں تو کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ بیرونی اصحاب کو یہاں کے باشندوں سے ہمدردی کیوں ہے وہ کون سے حقوق ہیں جو ہمیں حاصل نہیں۔ ساہوکاری ہماری ہے، ڈیسکھ ہم ہیں، دیشپانڈے ہم ہیں، زراعت ہماری ہے، تجارت ہماری ہے غرض کہ زندگی کے ہر شعبہ پر ہم قابض ہیں۔"

مہاراجہ بہادر نے ایک سچے حیدرآبادی کی طرح بخوبی سمجھا دیا کہ ہمارے معاملات کو سلجھانے کی ہم میں پوری طاقت اور صلاحیت موجود ہے۔ حیدرآبادی بلا امداد غیر یہاں کے حالات کو بخوبی سلجھا سکتے ہیں۔ انھوں نے صاف اعلان کیا کہ:

"آبنائے وطن کو بیرونی لوگوں کے نہ کسی مشورے کی ضرورت ہے اور نہ مدد کی۔"

مہاراجہ کو اپنی ماں کی گود سے درس سیاست ملا ہے۔ نہ صرف سلطنت آصفیہ کی وزارت عظمیٰ کا منصب جلیل ان کے خاندان کی خصوصیت رہا اور ان کے تین اجداد نے اس سے سرفرازی پائی

بلکہ ان کے اجداد ہندوستان کی عظیم الشان سلطنت اسلامیہ مغلیہ و افغانیہ کی روح رواں اور دست راست رہے ہیں۔ راجہ نریندر پرشاد اور مہاراجہ چندولال کو کون حیدرآبادی نہیں جانتا بلکہ تاریخ کا کونسا طالب علم ہے جو سوری سلطنت کی یادگار اور شہنشاہ اکبر کے چہیتے وزیر راجہ ٹوڈرمل سے واقف نہ ہو۔ راجہ ٹوڈرمل مہاراجہ کے اجداد سے تھے اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ مہاراج نے سیاست اور وزارت اپنے اجداد سے ترکہ میں پائی ہے۔ ان کی نگاہ دوررس و باریک بین نے صحیح اندازہ کیا کہ مذہب کے نام سے جو شورش اس وقت حیدرآباد میں اور بیرون حیدرآباد جاری ہے وہ فی الحقیقت مذہبی نہیں بلکہ سیاسی ہے وہ جانتے ہیں اور خوب جانتے ہیں اور دوسروں کی طرح جان کر چپ نہیں چاہتے بلکہ اظہار کی جرأت رکھتے ہیں انھوں نے ہندو بھائیوں سے سچ فرمایا کہ:

"ہمیں چاہیئے کہ موجودہ حالت ہی پر غور نہ کریں بلکہ اس پشتینی امن و سکون کا بھی جائزہ لے کر دیکھیں جس کی بنا پر ہم اپنے پڑوسی ہندوؤں یا کسی قوم سے پیچھے نہیں رہے"

مہاراجہ بہادر کو اچھی طرح اندازہ ہے کہ موجودہ شورش کا منشاء کسی شکایت کا رفع کرنا نہیں بلکہ اندھی تقلید کا شکار ہو کر اور دنیا

کے عام رجحانات کی رو میں بہہ کر ملک میں جمہوری نظام قائم کرنا ہے جو نہ صرف دنیا کا ٹھکرایا ہوا اور ناقص نظام ہے نہ صرف ہندوستان اور حیدرآباد کے مزاج کے لیے ناموافق اور ناموزوں ہے بلکہ جس کے نقائص و مضمرات ان کی نگاہ حقیقت شناس کے نزدیک کہیں زیادہ تکلیف دہ اور تباہ کن ہیں۔ انھوں نے صاف الفاظ میں اعلان فرمایا کہ :-

"جمہوریت کی نام نہاد حکومت جو امن شکنی کا درس دیتی ہے جو معصوم بندگان خدا پر معینتوں کے پہاڑ توڑتی ہے جو انسانیت کے خون سے اپنی ہوس حکمرانی کی پیاس بجھاتی ہے جو نادان کو بہلا کر ابھار کر ان میں نفرت و حقارت کا بیج بوتی ہے ہماری حکومت کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور نہ اس کے خصوصیات کا اندازہ کر سکتی ہے۔"

مہاراجہ بہادر نے اپنے عہد وزارت میں اپنے اس ایقان کو ہمیشہ ملحوظ رکھا اور جمہوری عناصر کو حیدرآباد کے دستور میں شامل نہ ہونے دیا۔ مجلس قوانین کی توسیع کا سوال ان کے صدارت عظمیٰ پر دوبارہ فائز ہونے سے قبل پیدا ہو چکا تھا، اور غالباً رائے بالکنڈ آنجہانی کی رپورٹ ان کے ملاحظہ میں پیش بھی ہو چکی تھی۔ مہاراجہ بہادر نے اپنی صدارت کے پورے (۱۲) سال ختم کر دیئے لیکن اس اصول جمہوریت سے اپنے

امن پرور اور سکون بخش عہد وزارت کو داغدار نہ ہونے دیا۔

جس بات کو مسٹر گاندھی نے راجکوٹ پہنچ کر پہچانا کہ مطلوب حقیقی اچھی حکومت ہے نہ کہ کسی خاص قسم کی حکومت اس کو مہاراجہ نے اپنے تجربہ کی بناء پر آج سے برسوں قبل معلوم کر لیا تھا۔ اپنے اس بیان میں انھوں نے صاف اعلان فرمایا ہے کہ ہماری صرف لفظوں غلامی ان کی خطرناک آزادی سے بدرجہا بہتر ہے اگر اس کو بیرون ملک کے باشندے غلامی سمجھتے ہیں تو اس پر ہزاروں آزادیاں قربان کی جا سکتی ہیں۔ بلکہ میں تو یوں کہوں گا کہ اگر یہ غلامی ہے تو دنیا میں آزادی کا صحیح تصور کبھی پیدا ہی نہیں ہوا۔ مہاراجہ مہادر چھتری ہیں ان کی رگوں میں سورج بنسی راجپوتوں کا وہی خون دوڑ رہا ہے جو مہاراجہ رامچندر جی کی رگوں میں تھا وہ امن و امان کا قیام ہر چھتری پر فرض سمجھتے ہیں اور قیام امن و امان کے لیے جانتے ہیں کہ دو امور نہایت ضروری ہیں ایک یہ کہ رعایا اور حکومت میں حفظ مراتب قائم ہو رعایا مانگنے کے طریقہ سے مانگے اور بادشاہ اپنے مراحم خسروانہ سے عطا کرے وہ فرماتے ہیں۔

"ہم کو اگر کچھ مانگنا ہی ہے تو اس سے مانگیں جس نے اب تک بے مانگے ہمیں بہت کچھ دیا ہے اور مانگنے پر بھی فیاضی سے عطا کیا ہے ہم بیرون ملک کا کوئی احسان لینا چاہتے ہیں اور نہ ہم ان

کی مدد کے محتاج ہیں۔"

کوئی دستور مملکت جو خدا کے سوا کسی اور کا بنایا ہوا ہو نقائص اور کمزوریوں سے پاک نہیں اگر ہمارے ہندو بھائی بے بنیاد اور دور از کار افترا پردازیوں سے بچ کر حقائق پر نظر ڈالتے تو یہاں کی کمزوریوں کے گنانے میں میں بھی اس کے ساتھ شریک ہو جاتا۔ ملک کا روپیہ بیش قرار تنخواہوں پر لٹ رہا ہے غیر ضروری الاؤنس کا طومار بندھا ہوا ہے ملازمتوں میں عزیز داری کو ضرورت سے زیادہ دخل دیا جا رہا ہے۔ دفاتر میں رشوت ستانی کا بازار گرم ہے یہ وہ تلخ حقائق اور حکومت کی اصلی کمزوریاں ہیں جن کے انسداد کے لیے آئینی چارہ کار اختیار کرنا ہر حیدرآبادی کا فرض ہے اور وہ آئینی چارہ کار وہی ہے جو مہاراجہ بہادر نے بیان فرمایا کہ ہم کو مانگنا ہے تو اس سے مانگیں جس نے اب تک بے مانگے ہمیں بہت کچھ دیا ہے چنانچہ اب بھی ہم سن رہے ہیں کہ ان تمام امور کی طرف حضرت بندگان عالی اپنی کامل توجہ مبذول فرما رہے ہیں۔

مہاراجہ بہادر اس کے قطعاً قائل نہیں کہ کوئی حکومت کسی کے شرانگیز بیوں اور فتنہ آرائیوں سے متاثر ہو کر یا کم از کم ان کی موجودگی میں جب تک کہ رفع نہ ہو جائیں کسی مطالبہ کو پورا کر کے ان کی جراتوں کو بڑھانے وہ حضرت بندگان اقدس کے اس

فرمان کو دکن کی حکومت کا اصول سیاسی خیال کرتے ہیں کہ "ملک کی عمرانی ترقی اور امن و سکون رعایا کے حسن و سلوک اور حکومت کے ساتھ اشتراک پر منحصر ہے"۔

مہاراجہ بہادر کی نسبت میں کہہ چکا ہوں کہ انھوں نے حکومت اور سلطنت آرائی اپنے اجداد سے ورثہ میں پائی ہے۔ وہی اس نکتہ کو زیادہ بہتر طریقے پر سمجھ سکتے ہیں کہ ایسے موقعہ پر اصلاحات دینا جب کہ ملک میں فتنہ و فساد کی آگ بڑھ رہی ہے فتنہ پردازیوں اور فساد انگیزوں کی ہمتوں کو بڑھانے اور ان کے ارادوں کو تقویت دینے کا باعث ہوگا۔

پس میں مہاراجہ بہادر کے اس اہم بیان کی روح سے کامل اتفاق کرتے ہوئے آپ کی خدمت میں پیش شدہ رزولیوشن کی ذیل کے اضافہ کے ساتھ لفظاً لفظاً اور حرفاً تائید کرتا ہوں۔

"باشندگان حیدرآباد و سکندرآباد کا یہ جلسہ عالی جناب مہاراجہ یمین السلطنت بہادر کے عالیہ بصیرت افروز پیام امن و اتحاد کی دل سے تائید کرتا ہے اور ہر قانون شکن تحریک سے اپنی انتہائی بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے پیام مذکور کو اپنی زندگی کے لیے مشعل ہدایت بنانے کا اقرار کرتا ہے۔ یہ جلسہ مہاراجہ بہادر

کے برمحل ارشاد پر مودبانہ ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہے۔

(اضافہ) یہ جلسہ مہاراجہ بہادر کے بیان کی اس روح سے کامل اتفاق کرتا ہے کہ جمہوریت کی نام نہاد حکومت سے ہماری موجودہ طرز حکومت بہتر ہے اور جب تک رعایا حسن سلوک اور حکومت کے ساتھ اشتراک عمل کے لیے تیار نہ ہو کوئی اصلاحات ملک میں رائج نہ کیے جائیں۔

صدارتی تقریر جلسۂ سالانۂ مجلس اتحاد المسلمین ورنگل

حضرت قائدِ ملّت نے ۱۹ر اپریل ۱۹۳۹ء کو ورنگل میں صدارتی تقریر فرمائی تھی۔ جو رہبرِ دکن میں ۲۳ر اپریل ۱۹۳۹ء کو شائع ہوئی۔ ہدیۂ ناظرین ہے۔

مسلمانانِ ورنگل شاخ ہائے مجلس اتحاد المسلمین کا صوبہ کی مجلس سے اشتراک عمل ملک کے لیے فالِ نیک ہے۔ اس مجلس میں ہر عقیدہ و خیال کا مسلمان شریک ہو سکتا ہے۔

جمہوریت خود یورپ میں تباہ ہو چکی ہے وہ ہندوستان کے لیے موزوں نہیں ہو سکتی چونکہ ہندوستان میں مختلف قومیں آباد، مختلف مذاہب ہیں۔ یہاں سیاست کی بنیاد مذہب ہے جمہوریت میں لوگوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے۔ مسلمانانِ حیدرآباد

اعلیٰ حضرت بندگان عالی کو اپنی سیاسی و تمدنی برتری کا مظہر تصوّر کرتے ہیں۔ وہ کبھی یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ ان کی چھ سو سالہ خدمات اور سیاسی و تمدنی برتری سے کسی صورت میں بھی دستبرداری کر لی جائے۔

سب سے دوستی رکھتے ہوئے اپنے زندہ رہنے کے حق کو منوانا مجلس کا مسلک ہے۔ ہم ان ہی اخبارات کو پڑھیں جو ہماری صحیح رہبری کر رہے ہیں۔

قائد ملّت کا
موتمر کے ارکان سے خطاب

یہ تقریر ۲۵ر جون ۱۹۳۹ء کے اخبار رہبر دکن میں شائع ہوئی۔

اراکین موتمر کو چاہئے کہ وہ دنیا کی مشکلات سے نپٹ لیں طعن و تشنیع کا ہدف بن کر مسکراتے ہوئے آگے بڑھے چلے جائیں۔ اعتراضات وہی لوگ کرتے ہیں جو کوئی کام نہیں کرتے یا جن کو کوئی کام نہیں کرنا آتا۔

کانفرنس کی آمدنی کو مجلس اتحاد المسلمین کے حوالے کرنے کا موتمر نے اعلان کیا تو یہ ان کا احسان ہے اگر وہ اس وعدہ کے بغیر منعقد کئے ہوتے تو وہ منعقد کرسکتے تھے حقیقت میں یہ ان کی عنایت ہے۔

حیدرآباد میں ایک مذہبی جلسہ کی حیثیت سے آپ نے جو

کیفیت پیدا کی وہ قابل استحسان ہے۔ میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں۔ نہ میں اور نہ اراکین مجلس اتحاد المسلمین مسلم جوانانِ دکن سے مایوس ہوئے تھے اور نہ ہیں کیونکہ وہ ایک دہکتا ہوا انگارہ ہیں۔ گو زمانہ کے حوادث کی راکھ اس پر پڑ گئی ہے لیکن اس کے لیے ایک پھونک کافی ہے۔

بہر حال اراکین موتمر نے میلادی کانفرنس منعقد کر کے ایک اچھی مثال قائم کی مجلس ان کی محنتوں اور دلچسپیوں کی شکر گذار ہے کیونکہ آئندہ بھی وہ مجلس اتحاد المسلمین کے معاون ہوں گے۔

٭ ٭ ٭

خاکسار کیمپ سے قائدِ ملّت کا خطاب

۲ر جولائی ۱۹۳۹ء کو خاکسارانِ دکن نے علی اسد اللہ خاں صاحب سالارِ شہر کی قیادت میں شنبہ کی شب سے یکشنبہ کی شام تک میر عالم تالاب سے قریب ایک پہاڑی پر کیمپ کیا۔ بارش کے باوجود خاکسار تمام شب سپاہیانہ پہرہ بندی وغیرہ کا کام انجام دیتے رہے۔ پچھلی پہر کو ۳ بجے سب کو جمع کر کے مارچ کروایا گیا جو صبح ۹ بجے تک ہوتا رہا۔ یکشنبہ کی صبح ۷½ بجے نواب بہادر یار جنگ بہادر سالار ادارہ مرکزی نے پہاڑی پر خاکساروں کی سلامی قبول فرمائی۔ نواب صاحب نے سلامی کے بعد خاکسار سپاہیوں کو مخاطب فرمایا۔ بحوالہ رہبر دکن ۳ر جولائی ۱۹۳۹ء۔

اگر وہ تحریک کی حقیقت اور اس کے اصول کو سمجھ کر شریک ہوتے ہیں تو اس پر ثابت قدم رہیں اور اگر نہیں سمجھا ہے تو

سمجھنے کی کوشش کریں کسی جماعت میں بے سوچے سمجھے داخل ہونا یا شریک ہونا زیادہ بُرا ہے۔ میں خاکسار تحریک کو کسی قوم کی تنظیم اور قوت کا بہترین طریقہ سمجھتا ہوں اور میرے اس ایقان میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا ہے جو لوگ تحریک کے خلاف اخلاق سے ہٹا ہوا پروپگنڈہ کر رہے ہیں ان کی آنکھوں پر تعصب کی عینک چڑھی ہوئی ہے اور انھوں نے سچ تو یہ ہے کہ تحریک کو ابھی تک نہ ٹھنڈے دل سے پڑھا ہے نہ سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ عنایت اللہ خاں المشرقی کے بعض خیالات سے مجھے بھی اختلاف ہے اور ہو سکتا ہے لیکن کوئی وجہ نہیں کہ اس کی وجہ سے تحریک کی بھی مخالفت کی جائے۔

قائدِ ملّت کا ایک مشتعل ہجوم سے خطاب

۱۹ر جولائی ۱۹۳۹ء کو افضل گنج و عثمان گنج سے مسلمانوں کا ایک جلوس معظم جاہی مارکٹ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ایک کثیر مجمع اصلاحات مژدہ باد، شاہ شمال زندہ باد کے نعرے لگائے جا رہے تھے۔ اس اچانک جلوس سے پولیس بے حد پریشان ہو گئی۔ رفعت یار جنگ کوتوال شہر بھی موقعہ پر موجود تھے۔ پولیس مجمع کو منتشر نہ کر سکی۔ اور نوبت تشدد اور جوابی تشدد تک آ گئی۔

حضرت قائدِ ملت سے درخواست کی گئی۔ وہ فوراً موقعہ واردات پر پہنچے اور ایک مختصر تقریر فرمائی جو ہدیۂ ناظرین ہے بعد تقریر خیموں کو حضرت قائدِ ملت نے اپنی موٹر میں بٹھا لیا اور ہدایت فرمائی "مسلمان فوراً منتشر ہو کر اپنے منظم ہونے کا ثبوت دیں۔" جس مجمع کو ایک گھنٹہ کی سختی کے بعد بھی پولیس منتشر نہ کر سکی وہ ایک ہی لمحہ میں منتشر ہو گیا۔ "ایں سعادت بزورِ بازو نیست"۔

بحوالہ رہبر دکن ۲۰ر جولائی ۱۹۳۹ء

میں مجمع کو غیر منظم دیکھ کر بہت دکھ محسوس کر رہا ہوں مسلمان کو کبھی غیر منظم نہیں ہونا چاہیئے۔ ایسے مظاہرے جو کسی نظام کے ماتحت نہیں ہوتے قطعاً نامناسب ہیں۔ مسلمانوں نے اگرچہ اپنے مرکز کے مشورہ کے بغیر دکانیں بند کر کے اصلاحات کے اعلان پر اپنے رنج و ملال کا اظہار کیا۔ فی الحال یہی اس کے لیے کافی ہے لیکن یہ عمل مستحسن ہے یا غیر مستحسن ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا ابھی مسلمانوں کی صدر مجلس اتحاد المسلمین نے اصلاحات کی نسبت کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا وہ ایک دو روز میں کافی غور کے بعد اپنی آخری رائے پر پہنچ جائے گی اگر اس وقت صدر مجلس یہ محسوس کرے کہ اصلاحات کو ناقابل عمل بنایا جائے تو پھر کوئی پروگرام مرتب کیا جائے گا اور گرفتاری کو سب سے پہلے ان کے قائد ہی کریں گے۔

اگر آج کا رنج و ملال اس لیے کیا جا رہا ہے کہ اصلاحات کے اعلان سے شاہ ذیجاہ کے اقتدارات رعایا میں منتقل ہو جائیں گے تو میں بالکل متفق ہوں اگر اصلاحات کی نسبت مسلمانوں کی آواز کی شنوائی نہ ہو گی تو آپ سب سے پہلے میں جیل جاؤں گا۔ یہ صحیح ہے کہ اغبار کے مظاہروں سے مرعوب ہو کر حکومت اصلاحات کا اعلان کر رہی ہے مگر تفصیلات پر غور کیے بغیر ہمیں مقابلہ کے لیے اٹھ کھڑا ہونا نہیں چاہیئے اور تفصیلات پر غور کرنا عوام کا نہیں صدر مجلس اتحاد المسلمین کا کام ہے مسلمان اس کے

فیصلہ کے منتظر رہیں مجلس کا حکم ہوگا اس کی تعمیل ہر مسلمان پر لازمی ہوگی۔

یہ سچ ہے کہ مسلمانوں کا آج کا رنج و ملال نامناسب نہیں ہے اس لیے کہ جس گھر میں تباہی آئے وہاں ڈھول نہیں بجتے ماتم ہوا کرتا ہے۔

پولیس نے مسلمانوں کی جو سیاہ جھنڈیاں چھین لیں وہ اس کے لیے قطعاً درست نہیں اور اس کا یہ فعل خلاف آئین ہے۔ سیاہ جھنڈیاں جو مسلمانوں نے اپنے پیسے سے تیار کی تھیں اور جو اُن کی ملک تھی پولیس کو چھیننے کا کوئی حق نہ تھا وہ ان کو گرفتار کر سکتی تھی لیکن جھنڈیاں نہ چھیننا چاہیئے تھا۔

حضرت قائد ملّت کا

جلسۂ اظہار عقیدت و وفاداری سے خطاب

یہ جلسہ زیر دو محل ٹاکیز میں ہوا۔ اس جلسہ کی روئداد ۱۸ اگست ۱۹۳۹ء کے اخبار رہبر دکن میں شائع ہوئی۔ حضرت قائد ملّت نے کرسی صدارت سے قرارداد تہنیت پیش فرمائی۔ بعد پیش کشی تحریک حضرت قائد ملّت نے حاضرین کو مخاطب فرمایا۔

اعلیٰ حضرت بندگان عالی مسلمانان دکن کی روح رواں اور ان کی جان ہیں۔ بقاء زندگی کے لیے جس طرح روح کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح اعلیٰ حضرت کے بغیر مسلمانان دکن کی زندگی دشوار۔ اعلیٰ حضرت اور تخت و تاج آصفی کی بقاء مسلمانوں کی بقاء ہے اور مسلمان ذاتِ شاہانہ کے لیے اپنا آخری قطرہ خون تک بہانے سے دریغ نہیں کریں گے۔

اب میں قلب کی گہرائیوں کی آواز کو تحریک تہنیت کے ذریعہ پیش کرتا ہوں جس کو بارگاہِ اقدس میں گذارنے کی عزت حاصل کی جائے گی۔ یوں تو حیدرآباد کی فضا میں کئی عقیدت کی تحریکیں پیش ہوئیں۔ کئی پلیٹ فارم سے قرار دادیں پیش کی گئیں لیکن میں دنیا کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ یہ قرار داد عقیدت ان تمام تحریکات سے مختلف اور بالکل جداگانہ ہے یہ زبانوں کی آواز نہیں مسلمانوں کے قلب کی گہرائیوں سے اٹھتی ہوئی آواز ہے۔ جن مسلمانوں نے چھ سو برس پہلے دکن کی سلطنت کا نقشہ بدل دیا تھا۔ اور اس لہلہاتے چمن کو آج تک جنت نگار بنا کر رکھا ہے اور جنھوں نے اس سلطنت کی بنیاد کو اپنے خون سے سینچا تھا اور جن کی بقاء کا انحصار اعلیٰ حضرت کی ذات پر ہے۔ وہ مسلمان جس کا وجود خود ذات شاہانہ سے وابستہ ہے اور جو تخت و تاج آصفی کی حفاظت کا ضامن ہے جس کو اس کے بادشاہ نے اپنے اختیارات شاہی کا اور اپنا مظہر تصور کیا اور ان کی ذات میں جبروت و شوکت کو مرکوز پایا۔

مسلمان اعلیٰ حضرت کے لیے ہے اور ان کے تخت و تاج کے لیے ہے اس تحریک کو پیش کرتے ہوئے آج اس جلسہ میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہاں سیاسی مسئلہ پر گفتگو کرنا نہیں بلکہ اس عہد کی افادیت واضح

کرتا ہے جس کو ہم اپنی قومی عید سے تعبیر کرتے ہیں۔ عیدین مختلف ہوتی اور مختلف اوقات میں آتی ہیں لیکن یہ عید سعید ہمارے محبوب ترین بادشاہ جم جاہ کی سالگرہ مبارک ہے جس کو ہم شایان شان منانے یہاں جمع ہوئے ہیں اس تقریب میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں جو آپ کے حرز جاں رہے اور جان و دل سے الگ نہ رہے کہ "دکن میں مسلمانوں کے امتیاز کا واحد سہارا اعلیٰ حضرت کی ذات بابرکات ہے۔"

آج کل دیکھا جاتا ہے کہ کون کتنے ہیں یہ دیکھا نہیں جاتا کہ کون کتنا وزنی ہے۔ مسلمانوں کو تولا نہیں جاتا بلکہ گنا جا رہا ہے۔ مسلمان دکن میں گیارہ فی صد ہیں مگر میں علی الاعلان یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر ان کے ساتھ ایک پلڑے میں اعلیٰ حضرت بندگان عالی کی ذات گرامی رکھ دی جائے تو اس پلڑے سے زیادہ وزنی کوئی پلڑا نہیں ہو سکتا۔ مسلمانو! اعلیٰ حضرت کی سالگرہ کی مسرت ہماری حقیقی مسرت ہے۔

رضاکاروں سے خطاب

یہ تقریر کہاں ہوئی اس کا کوئی ذکر اخباری رپورٹ میں نہیں ہے۔ یہ تقریر ۲۰ جنوری ۱۹۴۷ء کے اخبار رہبر دکن میں شائع ہوئی۔

میں رضاکاروں کا جو دور دراز سے آئے ہیں شکریہ ادا کرتا ہوں رضاکاروں نے بے صلہ خدمت انجام دی ہے ان کو خدا کی رضامندی حاصل ہو، اور رضاکاروں سے کہا کہ تمھاری ظاہرداری کام نہ آئیگی صرف تمھاری نیت اور تمھارا اخلاق کام آئے گا۔ تمھاری تمنا صرف یہی ہونی چاہیئے کہ ؎

نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پروا

ہمارے کام کی جزا واہ واہ نہیں بلکہ اس کا پورا ہو جانا ہے مجلس کی خواہش تھی کہ ان کو ایک مرکز پر جمع کیا جائے۔ ان میں سیاسی شعور پیدا کیا جائے اور دنیا کو جتا دینا تھا کہ مسلمان

سو نہیں رہا ہے۔ ان سب کاموں میں مجلس کو کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ ہم خوش ہیں اور مسرور ہیں کہ ہم نے اپنا کام پورا کر دیا۔ رضا کار کبھی "واہ واہ" کے تمنی نہ ہوں۔ "واہ" سے بے پرواہ ہو جائے تو تنقید سے بھی بے پرواہ ہو جاؤ گے۔ ہر رضا کار کو منکسر المزاج اور متواضع ہونا چاہیئے اور اپنے بھائی کے راستہ میں فرش راہ ہو جائے، تم کو چشم و ابرو کی جنبشوں سے حکومت کرنا چاہیئے سختی اور ڈنڈے سے نہیں۔ تخت آصفی کو دو سو سال کے بعد پھر ایک مرتبہ تمہارے خون کی ضرورت پیش آئی ہے

حضرت قائدِ ملت کا

کل ہند اسٹیٹس مسلم لیگ کی پہلی میقات سے خطاب

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں کل ہند اسٹیٹس مسلم لیگ کی پہلی میقات سردار محمد اورنگ زیب خاں قائد حزب اختلاف مجلس قانون ساز سرحدی کی صدارت میں مسلم لیگ کے پنڈال میں منعقد ہوئی۔ حیدر آباد، میسور، کوچین، ٹرانکور، ریاست ہائے کاٹھیاوار، بڑودہ، بھوپال، اندور، گوالیار، دیواس، الور، پٹیالہ، کشمیر، قلات اور سرحدی ریاستوں کے مندوبین میقات میں شریک تھے۔ یہ تقریر ۲۴ مارچ ۱۹۴۰ء کے اخبار رہبر دکن میں شائع ہوئی جو ہدیۂ ناظرین ہے۔

گول میز کانفرنس سے قبل کانگریس اور لیگ کی سرگرمیاں صرف برطانوی ہند تک محدود تھیں۔ لیکن اس کے بعد کانگریس نے اپنی پالیسی بدل دی اور اپنی سرگرمیوں کو ریاستوں میں بھی پھیلا دیا۔ اس

کوشش میں کانگریسی لیڈروں میں اس کے علاوہ کوئی اور محرک کارفرما نہیں تھا کہ ریاستی سیاسیات میں اثر حاصل کیا جائے تاکہ وفاقی اسمبلی میں اس کے موقف کی صیانت ہو جائے جس میں قانون بابتہ ۱۹۳۵ء کے تحت ریاستی نمائندوں کی شرکت کا بھی تجویز تھی۔

کل ہند اسٹیٹس مسلم لیگ نے ایک ہنگامی دستور مرتب کیا ہے جس کے بموجب ریاستوں کو تین حلقوں میں تقسیم کیا گیا ہے اولاً ہمالیاتی حلقہ جس میں شمال مغربی سرحدی صوبہ پنجاب، صوبہ متحدہ اور بنگال کی ریاستیں شامل ہیں، ثانیاً بندھیاچل کا حلقہ جس میں وسطی ہند اور کاٹھیاواڑ کی ریاستیں شامل ہیں اور تیسرے حلقے میں حیدرآباد میسور اور صوبہ جات بمبئی و مدراس کی ریاستیں شامل ہیں۔ کل ہند اسٹیٹس مسلم لیگ کو اس کے ساتھ الحاق کی اجازت دی جائے اور ریاستوں کے متعلق ایک قطعی پالیسی اور دستور مرتب کیا جائے۔

موتمر میلاد النبیؐ کے اختتام پر

عشائیہ میں قائد ملّت کی تقریر

۲۷ مئی ۱۹۴۰ء کو موتمر مسلم نوجوانان دکن نے قائد ملّت کے اعزاز میں ایک پرتکلف عشائیہ بمقام میلاد نگر ترتیب دیا تھا اس موقع پر حضرت قائد ملّت نے جو تقریر فرمائی وہ رہبر دکن میں دو قسطوں میں شائع کی۔ بحوالہ رہبر دکن ۲۸، ۲۹ مئی سنہ ۱۹۴۰ء۔

میری خدمات کا اعتراف کر کے نوجوانوں نے صحیح احساس کا جو ثبوت دیا ہے اس کے لیے میں دل سے ممنون ہوں۔ میں یہاں یہ سمجھ کر شریک ہوا تھا کہ گذشتہ سال کی طرح ایک دوسرے سے ملنے کے لیے موتمر میلاد کے سلسلہ میں عشائیہ ترتیب دیا گیا ہوگا لیکن یہاں آنے پر معلوم ہوا کہ یہ عشائیہ میری صحت یابی اور میری واپسی کے سلسلہ میں ہے۔ میری بیماری تھوڑی سی تھکاوٹ تھی اور کچھ آثار علالت نمایاں ہو گئے تھے لیکن فی الحقیقت تنومند ہوں اس لیے کہ آپ کو منزل مقصود کے قریب

دیکھ رہا ہوں۔ میں ممنون ہوں کہ آپ نے میری صحت پر عشایہ ترتیب دیا اور میرا فرض ہے کہ آپ سے کیے ہوئے وعدے کی تکمیل کروں۔

آپ جانتے ہیں کہ میرا یہ سفر آل انڈیا مسلم لیگ میقات لاہور کی شرکت کے لیے تھا۔ اس دورہ کی مدت دو ماہ تھی۔ ہم حیدرآباد سے دہلی پہنچے۔ مجھے مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب کی ہمراہی کا شرف حاصل تھا اور مولوی سید احمد محی الدین صاحب ایڈیٹر رہبر دکن اور مولوی ابوالحسن سید علی صاحب معتمد مجلس اتحاد المسلمین بھی ہمارے ساتھ تھے دلی پہنچنے پر معلوم ہوا کہ خاکساروں پر گولی چل چکی ہے اور چند خاکساروں نے اپنی جاں جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔

میں کچھ دنوں سے اس چیز کو شدت سے محسوس کر رہا تھا کہ ہماری عسکری تنظیم اور سیاسی نظامات آپس میں وہ ارتباط نہیں رکھتے جو ہونا چاہیئے۔ سیاسی نظام ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک عسکری تنظیم اس کے ساتھ نہ ہو۔ میں ابتدا ہی سے خاموش کوشش کرتا رہا کہ عسکری تنظیم سیاسی نظام کے ساتھ کام کرے۔

جب میں دہلی بلایا گیا تو خاکساروں نے لکھنؤ چھوڑ کر دہلی کو اپنا محاذ بنا لیا تھا اس وقت مسٹر جناح اور علامہ مشرقی میں غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی ان ہر دو نے اپنے خادم کی حیثیت سے میرا توسط ضروری

سمجھا وقت واحد میں ان ہر دو کے تار پہنچے، اور میں دلّی چلا گیا ایک ہفتہ رہ کر اس کی کوشش کرنی پڑی کہ آپس کی غلط فہمیوں کو دور کر دیا جائے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس میں مجھے کامیابی حاصل ہوئی اور میرا یہ ایقان اور پختہ ہو گیا ہے کہ عسکری نظامات آزاد اور خود مختار رہتے ہوئے اپنی جنرل پالیسی کو کسی سیاسی نظام سے متعلق کر دیں جب تک ایسا نہ ہو عسکری نظام کامیابی کے ساتھ چل سکتے ہیں نہ سیاسی تحریک کامیاب ہو سکتی ہے۔ میں اکتوبر سے گزشتہ مارچ تک مسلسل غور کرتا رہا کہ اب کی دفعہ مارچ میں جاؤں گا تو مسلم لیگ کے قائدین کو متوجہ کروں گا کہ دونوں تحریکیں اشتراک کی مناسب منزل اختیار کر لیں۔

۱۹ مارچ کو دہلی پہنچا دو سے پانچ بجے تک علامہ سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ لاہور کے قضیہ سے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ گولی چل چکی تھی لیکن اس حادثہ سے وہ اور میں دونوں بے خبر تھے اور مستقبل پر غور ہو رہا تھا اور وہ حالات پر روشنی ڈال رہے تھے۔ میں یہاں سے شاہ سلیمان کے یہاں پہنچا جہاں چائے پر میں مدعو تھا۔ یہاں مسٹر خلیق کا ٹیلیفون پہنچا وہ سخت پریشان تھے میری ان سے ملاقات ہوئی انھوں نے لاہور کے حادثے کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ۲۳ خاکسار مارے گئے ہیں اب ہم کو یہ سوچنا چاہیئے کہ تحریک خاکساروں کے لیے کیا کیا جائے

اور وہاں مسلم لیگ کا اجلاس ہو یا نہ ہو۔ میرا خیال تھا مسلم لیگ کا اجلاس ضروری ہے اور میری یہ رائے تھی کہ اجلاس نہ ہوا تو لاہور میں مسلم لیگ کا خاتمہ ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ میری یہ تحریک کامیاب رہی اور مسٹر جناح لاہور چلنے آمادہ ہو گئے مجھے لاہور محض مسلم لیگ کی شرکت کے لیے جانا نہ تھا جیسا کہ دارالسلام میں بیان کر چکا ہوں مسلم لیگ کے اجلاس کے ساتھ آل انڈیا اسٹیٹ مسلم لیگ کا جلسہ بھی ہونا تھا میرا دائمی کی حیثیت سے جانا ضروری تھا اور چالیس سے زیادہ ریاستوں کے نمائندوں نے میری دعوت قبول کر لی تھی میری خاکساری مسلمہ تھی بحیثیت خاکسار حاکم اعلیٰ صوبہ سرحد و کشمیر سر سکندر واقف اور سب لوگ آشنا تھے۔ اسی رات کو جماعت خاکساران غیر قانونی قرار دی گئی۔ اس صورت میں میرا لاہور پہنچنا قابل گرفتاری تھا میرے خیر خواہوں نے نہایت ہی تموق کے ساتھ غور کیا اکثریت رائے تھی کہ دہلی سے حیدر آباد واپس آجاؤں یا اپنے آپ کو غیر متعلق رکھوں یا اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کرنا کوئی نقصان کا باعث تو نہ تھا لیکن میرے احباب ضرر رساں قرار دے رہے تھے ایک یہ گمان پیدا ہوتا جا رہا تھا کہ جو وثوق کے درجہ تک پہنچ چکا تھا کہ . . . . . .

. . . سانپ کو کسی نہ کسی پنجرے میں بند کر لیا جائے تو مناسب ہے کیونکہ

بعض چنگاریں فروری کے اواخر میں لگائی گئی تھیں اور ان سے کچھ شعلے بھی بھڑک اٹھے تھے اور چند میلوں تک آنچ بھی پھیلی تھی اس لیے ضروری سمجھا گیا کہ کسی پنجرے میں بند کر کے دنیا کے کاروبار سے علیحدہ رکھا جائے۔ ۱۹ اور ۲۰ مارچ کی درمیانی رات انتہائی تفکر و تقاضے میں گزری۔ اسی رات میرے سامنے علیحدگی کے لیے ایک بیان پیش کیا گیا تاکہ اس پر دستخط کر دوں لیکن میں نے سوچا کہ علیحدہ ہوتا ہوں تو قابل اعتبار نہیں رہ سکتا اس لیے کہ جو شخص مصیبت کے عالم میں خاکسار تحریک سے ہٹ سکتا ہے تو وہ مسلمانان دکن کو بھی ایسے وقت چھوڑ سکتا ہے حیدرآباد کے حالات کے نظر کرتے میرا اپنے حال پر قائم رہنا ضروری تھا اور بہرحال آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ کانفرنس میں شرکت ضروری تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ میری پریشانیوں سے زیادہ میرے ساتھیوں کی پریشانی تھی وہ رات کسی طرح بسر ہوگئی علامہ گرفتار ہو گئے۔ مجھ سے دو گھنٹہ کی ملاقات کا اتفاق ہوا تھا ان کے سامنے اختلافات رکھنا چاہتا تھا لیکن مصیبت کا زمانہ اختلافات پیش کرنے کا نہیں ہوتا ارادہ تھا کہ اصولی اختلافات کی بنا پر اس کو چھوڑ دوں لیکن مصیبت کے زمانہ میں نہیں۔ خدا سلامت رکھے قائداعظم ملت اسلامیہ ہندیہ مسٹر جناح کو کہ انھوں نے میری مشکل کو

محسوس کر کے حل پیدا کر دیا۔ چودہ گھنٹے کے لیے انھوں نے وقفہ دیا تین بجے ٹیلیفون ملا کہ میرے ساتھ اور میری گاڑی میں تم چلو گے۔ اگر پنجاب گورنمنٹ تم کو گرفتار کرے گی تو مجھے بھی گرفتار کرنا ہوگا تم جس دن گرفتار کیے جاؤ گے تو اس روز جناح خاکسار ہوگا اور پنجاب گورنمنٹ کو اس خاکسار کو بھی گرفتار کرنا ہوگا۔ لاہور پہنچے وہاں کی فضا اللہ اکبر۔ ان ہی آنکھوں نے جہاں ان مسلمانوں کو دیکھے ہیں جو بمبئی میں سر سکندر کے نام پر بے چین ہو کر قربان ہونے کے لیے تیار رہتے تھے پنجاب اسی سر سکندر کے لیے مردہ باد کے نعروں سے گونج رہا تھا۔ جتنے دن ہم پنجاب میں رہے کوئی موقع ایسا نہ تھا جب کہ مردہ باد کا نعرہ نہ لگایا جاتا ہو۔ قوم کی پسندیدگی پر اترانے والے ہوشیار رہیں ان سے لغزش ہو سکتی ہے اور ان کی صحت کا جام پینے والے موت کی بھی دعا کر سکتے ہیں۔ خدا اس راستے پر چلائے جو صحیح ہے اور اس راستہ سے بچائے جس سے ملت اسلامیہ غلط راستہ پر جا رہی ہے ایک وقت تھا میری لغزش میری لغزش تھی اور ایک وقت ہے جب کہ میری لغزش سب کی لغزش ہے وہ زمانہ ہے جب کہ آپ نے مجھے اختیار دے دیا تھا کہ میں آپ کی نمائندگی کروں میری زبان سے نکلی ہوئی ہاں ہاں تھی اور نہیں نہیں۔ میرے دن کس طرح گزرتے تھے اور میری

رات کس طرح بسر ہوتی تھی خدا خوب جانتا تھا۔ اپنے حال پر نہ اترانا چاہیئے ہر وقت فکر مند رہنا چاہیئے۔ یہی فکر مندی مستقبل کو درخشاں کرے گی۔

سر سکندر سے متعلق میرے اچھے تاثرات تھے اس وقت بھی اور اب بھی ہیں میں ان میں سے نہیں ہوں جو کسی سے خفا ہو کر معائب بیان کرتا رہے یا کسی سے خوش رہ کر محاسن گناتا ہے میں ایسے لوگوں سے واقف ہوں جو ننانوے فی صدی اچھے ہیں اور ایک فی صدی برائی رکھتے ہیں میں نے ایک فی صدی برائی کو بھی ان کے سامنے رکھنے سے گریز نہیں کیا۔ میں اسی معیار پر سر سکندر کو جانچنا چاہتا ہوں سر سکندر نے معمولی زندگی بسر کی فراست تدبر وغیرہ جیسے جذبات ان میں موجود ہیں جو مسلمانوں اور اسلام کی ترقی کے لیے دل سے خواہاں رہتے ہیں۔

میں ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا اور پسند نہیں کر سکتا جو پہلے اپنے آپ کو دیکھ لیتے ہیں یہی خاکسار تحریک اور پنجاب گورنمنٹ کے سارے تصادم کا خلاصہ ہے اور میں اسی کو تحریک اور حکومت پنجاب کے تصادم کا خلاصہ تصور کرتا ہوں۔ ۲۳ مارچ کو لیگ کا اجلاس ہوا۔ ۲۳ تک میں خاموش رہنا چاہتا تھا۔ آج سے چھ ماہ پہلے آنریبل عبدالحی وزیر تعلیمات کی دعوت قبول کر چکا تھا کہ مسلم لیگ کی شرکت کے وقت انہیں کا مہمان رہوں گا خاکساروں پر کیا اثر ہوا ہوگا

میں ایک وزیر کا مہمان ہوں کوئی لیڈر عوام کے دل میں غلط فہمیاں رکھ کر لیڈر نہیں بن سکتا۔ میری زندگی عریاں اور بے پردہ ہے۔ میرے معائب اور محاسن آپ کے سامنے ہیں ایک بے علم معمولی قابلیت کا ۲۶ برس کا نوجوان بزرگوں سے مقابلہ کرے گا ان بارانِ دیدہ سے آپ سب جانتے ہیں یہ ہمارے کام کا ہے اور سب سمجھتے ہیں کہ میرے ہاں ضمیر ہے تو اعتماد رکھنا چاہیئے اگر ضمیر نہیں تو اس کو اعتماد میں ہرگز نہ لینا چاہیئے آپ مجھے کسی ایسے مقام پر دیکھیں گے جہاں نظر آنا پسند نہ آئے تو مجھے ہٹا دیجئے تاکہ میں آپ کو کسی غلط راستے پر نہ لے جاؤں میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ خاکسار ہو کر وزیر ہی کے ہاں ٹھہروں آپ کو تعجب ہوگا کہ اس وزیر کے ڈرائینگ روم میں روزانہ خاکسار مجھ سے ملنے آتے اور جاتے تھے میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ میرے میزبان سے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔

اسٹیٹ مسلم لیگ کے اجلاس کامیاب رہے سردار اورنگ زیب خاں نے اس کی صدارت کی جس چیز کو میں پسند نہیں کرتا تھا اس کا بوجھ بھی میرے کاندھوں پر ڈال دیا گیا تھا میں اسٹیٹس مسلم لیگ کی صدارت اپنی خاطر سے نہیں مسلمانوں کی خاطر سے نہیں بلکہ حیدرآباد کی خاطر سے قبول کی۔ اگر آج غور نہیں کر رہے ہیں تو کل سمجھیں گے۔

مسلم لیگ کے اجلاسوں کے بعد خاکساروں نے اپنا ایجی ٹیشن جاری رکھا میں پنت کی حکومت کے ساتھ خاکساروں کے تصادم اور سر سکندر کے تصادم میں بڑا فرق دیکھتا ہوں پنت کے ساتھ ٹکرا کر مفید نتائج پیدا ہو سکتے تھے مگر سر سکندر کے ساتھ نہیں۔ سر سکندر کی حکومت انگلیسہ ہندیہ جنگ کی کشمکش سے گزر رہی ہے بین الاقوامی صورت حال نازک سے نازک تر ہوتی جا رہی ہے خاکسار تحریک کو حکومت پنجاب سے نہ ٹکرانا چاہیئے تھا کیونکہ حکومت پنجاب حکومت انگلیسہ ہندیہ کے لیے بمنزلہ ریڑھ کی ہڈی ہے تحریک خاکساران کی کوشش رہی ہے کہ برطانیہ کو کم از کم نہ بگاڑا جائے اب تک یہ خیال ہے کہ یہ ٹکراؤ غلطی پر مبنی تھا۔

۴ر اپریل تک کامیاب ہوتا نظر آ رہا تھا۔ ۱۶ر تک بھی پُر امید ہو چکا تھا لیکن ۱۶ر اپریل کے حکومتی کیونکے نے ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا پھر خاکساروں نے مظاہرہ شروع کر دیا اس مظاہرہ کو میں حق بجانب سمجھتا ہوں اس لیے کہ سر سکندر نے سمجھوتے کو پس پشت ڈال دیا تھا اس کے بعد میں آرام لینے کے لیے مسوری آ گیا ادارہ علیہ نے کوئی حکم نہیں دیا اور اب تک بھی کوئی حکم نہیں آیا۔

مسلم لیگ کا آخری جلسہ ۲۴ر مارچ شب کے ۹ بجے سے

مقرر تھا اس روز میں تھکا ہوا تھا خاکساروں کے دو جتھوں کو منتشر کر چکا تھا خاکساروں سے مقابلہ کرنا پڑا تھا اور وہ کہہ رہے تھے کہ خاکساروں کو تم نام و نہاد رہے ہو۔ میں حسب وعدہ اپنے ساتھیوں کو لے کر پنڈال پہنچا، خاکساروں کا رزولیوشن صدارت سے پاس ہو چکا تھا اور ان کے قریب پہنچا ہوں والنٹیرز مجھے گھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قائد اعظم نے دو تین مرتبہ یاد فرمایا۔ قائد اعظم نے اس سے قبل کہا کہ تھا پاکستان کی تحریک پر تقریر کروں میرے اس کہنے پر کہ "کس عنوان پر" جس پر چاہو میرے سوال پر کہ کتنی دیر تقریر کروں قائد اعظم نے فرمایا جتنی دیر تم چاہو اس کے بعد قائد اعظم نے مجھ سے تقریر کی خواہش کرتے ہوئے فرمایا کہ بہادر یار جنگ میرے سیدھے ہاتھ کے لوگوں میں ہیں اکثر ان سے میں مشورہ کرتا ہوں۔ نواب زادہ لیاقت علی خاں کی تقریر کے بعد میں نے تقریر کی۔ تقریر کامیاب رہی۔

مسلم لیگ کے اجلاس ختم ہو گئے۔ ۱۹ اپریل کو تقسیم ہندوستان کا دن منایا جا رہا تھا۔ مسٹر جناح نے کہا تم کو تقریر کرنی ہوگی۔ میرے اس کہنے پر کہ یہ ارشاد ہے یا حکم۔ قائد اعظم نے کہا حکم ہے۔ میں مسوری سے ۱۹ اپریل کو دہلی پہنچا۔ دہلی میں اس روز دو جلسے ہوئے ایک احراریوں کی طرف سے اور دوسرا جلسہ مسلم لیگ کا۔ لیاقت علی خاں کی

صدارت میں ہوا۔ احراریوں کا جلسہ معدودے چند افراد پر مشتمل تھا۔ اور لیگ کا جلسہ عظیم الشان پیمانہ پر منعقد کیا گیا تھا جہاں ہزاروں کی تعداد میں پبلک شریک تھی۔ ۲۰ اپریل کے اخبار ہندوستان ٹائمز کو جب پڑھنا شروع کیا تو یہ دیکھ کر تعجب کی انتہا نہ رہی کہ احراریوں کے جلسہ کی تعریف میں دو کالم بھرے ہوئے تھے اور مجمع کی تعداد پچاس ہزار بتائی گئی اور اسی اطلاع کے ساتھ مسلم لیگ کے جلسہ کا دو تین سطروں میں ذکر کیا گیا تھا جس میں شرکاء کی تعداد تین سو بتائی گئی تھی۔ جھوٹ کی کئی قسمیں ہوتی ہیں جن میں ہما جھوٹ اور دو دھائی جھوٹ بہت مشہور ہیں۔

جن کے اخبار میرے قصائد سے بھرپور جن کی کوشش نے بہادر یار جنگ اور حیدرآباد جیسی کتاب لکھوائی اور نگار میں مضامین شائع کروائے ان کو یہ ڈر تھا کہ کہیں یہ اپنا اثر و نفوذ پنجاب میں پیدا نہ کرے طرح طرح کی ریشہ دوانیاں شروع کیں اور مجھ کو مختلف طریقوں سے بدنام کیا گیا یہ سب کچھ کرنے والے ہمارے مہربان آریہ سماجی ہیں۔ آنریبل سر ظفر اللہ خاں سے میں ملاقات کے لیے قادیان پہنچا اور واپس آگیا۔ اسی روز مولانا محمد علی جو قادیانیوں میں ایک ممتاز شخصیت کے حامل ہیں کے ہاں لنچ پر مدعو تھا۔ پریس ہندو پریس نے ایک طوفان مچا دیا کہ بہادر یار جنگ قادیانی ہو گئے۔ حالانکہ میں اتحاد المسلمین ہوں۔ جہاں، قادیانی، شیعہ، سنی

ہندوی سب ایک ہیں لیکن جب مجھے قادیانی مشہور کیا گیا تو میں نے محض ان کے جواب کے لیے ختم نبوت پر ایک تقریر کی۔ انھوں نے دیکھا کہ جب پنچ کیا جاتا ہے تو توڑ کر دیتا ہے ایک اور شاخسانہ نکالا گیا کہ بہادر یار جنگ بہادر علامہ مشرقی کا جانشین ہونے والا ہے اس طرح میں نے غالباً سب کو پریشان کیا ہوگا لیکن میں نے ایک بیان دے کر صفائی کر دی اس سے بھی کام نہ چل سکا تو انھوں نے پنجاب اسمبلی میں سوال پر سوال اٹھانا شروع کیا صدر ایجاد بین لالہ دیش بندھو گپتا نے سوال کر دیا کہ بہادر یار جنگ کو گرفتار کیوں نہ کر لیا جائے اس کا جواب سر سکندر نے دے دیا بات رفع دفع ہوگئی۔

مسلمانان ہند کی محفل نہ محفل نشاط ہے نہ محفل راحت بلکہ یہ ملی پہلوان کا ایک دنگل ہے بڑے بڑے پہلوان ایک دبلے پتلے مچھندر کو گرانے کی فکر میں ہیں اور سید کفایت اللہ حسین احمد مدنی اور راشٹر پتی مہا پنڈت ابوالکلام آزاد کی لنگوٹیاں چڑھی ہوئی اور اور آصف علی واللہ بخش بھی جھانگیا پہنے اس دنگل میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ سب ایک طرف اور دوسری طرف ایک دبلا پتلا آدمی عقاب کی مانند چمکتے ہوئے دیدے شیر کے پنجوں کے جیسے پنجے اور بڑی چٹان کی طرح مستقل ارادہ رکھنے والا کھڑا ہوا مسکرا رہا ہے۔ اور

چاروں طرف یہ چڑیاں چوں چوں کرتی ہوئی پھر رہی ہیں۔
ان کو عزہ کہ ہمارے یہاں علم سند اور مذہب کی اجارہ داری ہے۔
دنیا کو معلوم ہے کہ ایک داڑھی منڈھا آغا خاں کا چیلہ مذہب
میں الف جانے نہ بے مگر مسجد لے جائیں تو وہ دو رکعت پڑھنے
ادھر ادھر دیکھے صداقت سے دل کا جام چھلکتا ہوا، نظر
اٹھتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ بگفتم پالیسی میں دھنس جائے گی
وردھا میں پیدا ہونے والی روشنی کو تاریکی میں بدل کر رکھ
دے گا ایک عجیب تصادم ہے۔ ایک طرف منڈھی ہوئی داڑھی
کے پیچھے رسول عربی کی قوت ہے تو دوسروں کے پیچھے وردھا
کی طاقت۔ گاندھی کہتے ہیں کہ میرے ساتھ دین کا اجارہ ہے
جناح نمائندہ نہیں لیکن جناح ہیں کہ اس طوفان میں بڑھے جا رہے
ہیں اور بڑھتے ہی رہیں گے خدا ان کو ملت اسلامیہ ہند پر مدت
دراز تک سلامت رکھے۔

حیدر آباد کی محفل صحیح معنیٰ میں غلامانِ محمدؐ کی
محفل ہے بیدار انسانوں کی محفل مستقبل کو سمجھنے والے مدبرین
کی محفل ہے۔ علماء منصب سے آگاہ اپنے مقام سے باخبر، اپنے قوم
کے بناؤ سنگھار کے لیے منہمک اپنے کام کے مطابق کام چلنے

کے لیے تیار اور قوم ساتھ دینے کے لیے تیار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حیدرآباد قابل رشک ہے۔ رہ گئے گلے شکوے۔ یہاں یہ مقطعہ کی سخن گسترانہ باتیں ہیں۔ ہم میں نہ کوئی لڑائی ہے اور نہ تھی اور نہ ہوگی۔ اس لیے حیدرآباد میں لڑنے والوں کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ ہندوستان نفاق و شقاق میں گھرا ہوا ہے لیکن حیدرآباد میں اتحاد و اتفاق قائم ہے ہم کو اللہ خلوص دے اور صراط المستقیم میں پہنچائے۔ (آمین)

جلالت الملک کا حلیف ہم سب کا حلیف ہے

طبقہ جاگیر داران کے جلسے میں حضرت قائد ملت نے ۲۷ جولائی ۱۹۴۰ء کو جو تقریر فرمائی ہدیۂ ناظرین ہے۔ بحوالہ رہبر دکن ۲۸ جولائی۔ ع

آج کی تقریر کے لیے تیار نہ تھا لیکن احباب کا تقاضہ ہے اس لیے تعمیل حکم کر رہا ہوں۔ آج ہم جس مقصد کے لیے جمع ہوئے ہیں یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے جب سے برطانیہ کے باشندے ہندوستان میں آئے اور ہمارے درباروں میں تاجروں کی طرح حاضر ہو کر ہماری امداد کی خواہش کی اس دن سے آج تک ہم ان کی برابر مدد کرتے رہے ہیں دو سو سال کی تاریخ شاہد ہے کہ انگریزوں پر کبھی کوئی ایسا بُرا وقت نہیں آیا جس میں ہم نے ان کی دستگیری نہ کی ہو ٹیپو سلطان کے مقابلہ میں ان کی بیچارگی ۱۸۵۷ء کے غدر میں ان کی پریشانی ہم سے دیکھی نہ گئی اور ہم نے اپنے ہم مذہبوں کے مقابلہ میں اپنی ساری طاقتوں سے ان کی امداد کی اور ہندوستان میں رہنے کے قابل ان کو بنایا۔

برطانوی مدبر اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ اگر ہماری امداد شامل نہ ہوتی تو ہندوستان کی تاریخ وہ نہ ہوتی جو آج ہے ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک کی جنگ عظیم میں ہم نے اپنی نہ صرف فوجیں دیں، اپنا روپیہ دیا اور اپنے تمام وسائل سے مدد کی بلکہ ترکوں کے انگریزوں سے مخالف ہونے کے باوجود ہماری اخلاقی امداد نے اور جلالت الملک خسرو دکن کی شاہانہ اپیل نے ہندوستان کے مسلمانوں کو انگریزوں سے منحرف ہونے نہ دیا۔ ان سارے واقعات کی روشنی میں ہمارا آج کا اجتماع جناب صدر کی پرزور اپیل اور راجہ محبوب کرن بہادر کا پیش کیا ہوا رزولیوشن ہماری روایات کے عین مطابق ہے اور ہماری قدیم شرافت کا آئینہ دار ہے۔ اعلیٰ حضرت بندگان عالی کا حلیف ہم سب کا حلیف ہے۔ ارشاد ہمایونی بلالحاظ مذہب و ملت ہم سب کے جذبات و احساسات کا ترجمان ہے اس لیے ہم اپنا فرض تصور کرتے ہیں کہ اس جنگ میں اپنے حلیف کی پوری پوری مدد کردیں اور مجھے یقین ہے کہ آپ اس رزولیوشن کو پورے جوش کے ساتھ منظور کریں گے لیکن ساتھ ہی ساتھ میں اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ آپ کی چشم و آبرو کی جنبشوں سے میں آپ کے قلب کے ارتعاش کا پتہ لگا رہا ہوں اور میرے تصور کے کان ان آوازوں کو سن رہے

ہیں جو آپ کے قلب کی گہرائیوں سے اٹھ رہی ہیں آپ بامروت ہیں اور عقلمند۔ اور میں شوخ ہوں اور دیوانہ۔ آپ سوچتے ہیں کر سکتے نہیں۔ اور میں اپنے جذبات کو چھپا نہیں سکتا۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کے دل میں رہ رہ کر یہ سوال پیدا ہو رہا ہے کہ ہماری گذشتہ دو سو سالہ امدادوں کا ہم کو کیا بدلہ ملا اور آج ہم کیا توقع کر سکتے ہیں۔ آپ کے دل سے آوازیں اٹھ رہی ہیں کہ کیا ہم اپنے عہدوں کو پورا کرتے ہوئے دوسروں کی بنیادوں کو مضبوط نہ کرتے گئے اور کیا اس کے بدلہ میں آہستہ آہستہ ہماری طاقت کمزوری سے اور ہماری آزادی پابندی سے نہیں بدلتی گئی۔ کیا دوستی ہی دوستی کے پیرایہ میں ہم کو آج دنیا میں ایک کمزور ترین قوم اور ملک نہیں بنایا گیا۔ کیا ہماری گذشتہ جنگ عظیم کی امداد کے بدلہ میں ہمیں لارڈ ریڈنگ کا دل خراش اور انصاف کش مکتوب نہیں ملا اگر یہ حقیقت ہے تو ہم آئندہ کیا توقع کر سکتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کے شبہات کو دور کروں اور آپ کو اس قابل بناؤں کہ آپ قلب و دماغ کی پوری آمادگی کے ساتھ اس وقت برطانیہ عظمیٰ کی مدد کریں اور صرف فرمانِ خداوندی کی تعمیل اور اپنے جذبات کے خلاف تعمیل آپ کے پیش نظر نہ ہو۔

آپ کو واقف ہونا چاہیئے کہ گذشتہ جنگ کے معاہدہ اور آج

کی لڑائی کے مقاصد میں بہت بڑا فرق ہے۔ آج کی لڑائی حق و صداقت کے لیے لڑی جا رہی ہے برطانیہ کے ارباب حل و عقد نے ایک سے زیادہ مرتبہ اعلان کیا ہے کہ وہ معاہدات کا احترام کرانے کے لیے لڑ رہے ہیں اور اس بات کو ہر شخص جانتا ہے کہ اس وقت برطانیہ اور اس کے حلیف چھوٹی قوموں کی آزادی کے تحفظ کے لیے لڑ رہے ہیں۔ ان واضح اور صاف مقاصد جنگ کی موجودگی میں آپ کے ان تمام شبہات کو دور ہو جانا چاہیے جو اس وقت آپ کو متعفن کر رہے ہیں اور آپ کو یقین رکھنا چاہیے کہ ہماری یہ امداد سابقہ امداد کی طرح رائیگاں نہیں جا سکتی۔ جنگ کے دو ہی نتائج ہو سکتے ہیں فتح یا خدانخواستہ شکست، ہم کو فتح کا یقین ہے ہم کو برطانیہ کی طاقت سے زیادہ ان کی نیت اور مقاصد سے توقع ہے کہ وہ اس جنگ میں اس کی کامیابی کے ضامن ہوں گے، اور ہم اس کی کامیابی کے اس لیے متمنی ہیں کہ ہماری قسمتیں اس سے وابستہ ہو گئی ہیں اس کی فتح ہماری زندگی ہے اور اس کی شکست ہماری تباہی ہم کسی دوسرے فاتح سے وہ توقع بھی نہیں کر سکتے جو آج ہم کو حکومت برطانیہ سے ہے۔ اگر آپ سمجھ گئے ہیں کہ فتح یقینی ہے تو یہ بھی معلوم کر لیجیے کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے سب سے پہلی چیز جو ہو گی وہ یہ کہ حسب وعدہ حکومت برطانیہ ہندوستان

کو قانون وسٹ منسٹر کے مطابق مقبوضاتی مرتبہ عطا کرے گی اس کے دوسرے الفاظ میں یہ معنی ہیں کہ ہندوستان میں مخالف حکومت برطانیہ جو کوشش گزشتہ پچاس برس سے جاری ہیں وہ بار آور ہوں گی اور برطانیہ اپنے ہاتھوں سے اپنے دشمن کو آزادی کا پروانہ دے گا۔ کیا اس حالت میں آپ توقع کر سکتے ہیں کہ دشمن کو پروانہ آزادی دینے والی حکومت اپنے دوستوں کو مشورے، ایماء اور اشارے کی نازک زنجیروں میں مقید اور پابند رکھے گی ہرگز ممکن نہیں۔

اس جنگ کی کامیابی حیدرآباد میں ہماری بیرونی مداخلتوں کی موت کا پیغام ہوگی اور حیدرآباد اپنے مسائل اندرونی کا حل آزادانہ طور پر اپنے بادشاہ کی عرضی مبارک کا تابع ہوگا ہندوستان کو مقبوضاتی مرتبہ ملنے کے معنی یہ ہیں کہ اب ہمارے اطراف راست برطانوی حکومت کی بجائے ہندوستانی حکومت کارفرما ہوگی اور یہ امر مسلم ہے کہ ہمارے تمام معاہدات تاج برطانیہ کے ساتھ ہیں مقبوضاتی مرتبہ کے ساتھ ساتھ ہندوستان کو اختیارات مدافعت کا حاصل جائیں گے اور ہم نے اپنی مدافعت کے اختیارات اپنی رضامندی سے تاج برطانیہ کے تفویض کیے تھے ان سب حالات کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ چونکہ حکومت برطانیہ راست ہماری مداخلت کے قابل نہ ہوگی اور اس بات کے ہم مجاز ہیں اور ہوں گے جو ہم نے

مدافعت کے سلسلہ میں تاج برطانیہ سے کیے ہیں اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ چونکہ اب خود ہم کو اپنی مدافعت کا سامان کرنا ہوگا اس لیے وہ تمام مقبوضات جو ہم نے مدافعتی افواج کے اخراجات کے لیے یا کسی اور طریقہ پر انعامات عطاء تاج برطانیہ کے تفویض کیے تھے وہ ہم کو واپس مل جائیں گے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ جنگ کے وہ لازمی نتائج ہیں جن سے کوئی معاہدات کا احترام کرنے والی حق و صداقت کے لیے قربان ہونے والی اور چھوٹی قوموں کی آزادی کا تحفظ کرنے والی قوم انکار نہیں کر سکتی، فتح کا ایک تیسرا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم نے اپنے اطراف اور جوانب پر چھائی ہوئی اور ہم کو چاروں طرف سے گھیری ہوئی جس طاقتور حکومت کو اپنے بیرونی تعلقات کا اختیار تفویض کیا تھا چونکہ وہ ہمارے اطراف راست کارفرمانہ ہوگی اس لیے خود بخود وہ سارے معاہدات باقی نہ رہیں گے جو بیرونی تعلقات کے سلسلہ میں تاج برطانیہ کے ساتھ کیے گئے اور ہم ایسی آزاد مملکت ہوں گے جس کو اختیار ہوگا کہ تاج برطانیہ کے ساتھ اپنی غیر متزلزل اور وفادارانہ دوستی کو قائم رکھتے ہوئے دنیا کی دوسری طاقتوں کے ساتھ جیسے تعلقات چاہیں قائم کریں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان حقائق کی روشنی میں آپ اپنے قلب کے ان تمام شکوک کو رفع کر دیں گے جو اس

وقت پیدا ہو رہے ہیں اور ان حقیقتوں کو کامل استواری کے ساتھ اپنے قلب میں پرورش کرتے ہوئے جلالت الملک کے ارشاد کی تعمیل میں اس جنگ عظیم میں حکومت برطانیہ کی امداد کریں گے۔

میں آپ کے قلب کے اس دوسرے شبہ کو بھی جانتا ہوں کہ آپ سوچ رہے ہیں کہ اگر خدانخواستہ حکومت برطانیہ کو شکست ہوئی اور ہندوستان پر اس کی گرفت ڈھیلی ہو گئی اور ہندوستان میں نراج پیدا ہو گیا اور ہمارا ملک خطرات سے دوچار ہونے لگا جو حکومت برطانیہ نے ہم سے کیے ہیں ہم اس سے کس امداد کی توقع کر سکتے ہیں خصوصاً جب کہ معاہدات کی رو سے حکومت برطانیہ اس وقت ہماری امداد پر مجبور نہیں ہے جب کہ اس کی فوجیں دوسری طرف مشغول ہوں۔ کیا ہم اتنے طاقتور ہیں کہ ایسی طوائف الملوکی کا مقابلہ کریں۔ میں اس شبہ کو آپ کی موجودہ امداد میں خارج تصور نہیں کرتا کیونکہ آپ کی حکومت آج بھی مجبور نہیں ہے کہ اپنی فوجی طاقت میں اضافہ نہ کرے۔ ہماری حکومت کو چاہیئے کہ حالت کی نزاکت کا اندازہ کرتے ہوئے فوراً اپنے یہاں سامان حرب تیار کرنے والے کارخانے قائم کرے۔ اپنے توپ کے سانچے بندوق سازی کے ٹوٹے ہوئے کارخانوں کو دوبارہ زندہ کرے اور اپنے ملک کو اس

قابل بنائے کہ اپنے حلیف کی اس پریشانی میں وہ بہ وقت ضرورت اپنی آپ حفاظت کر سکے۔ ہم کو یقین ہے اور برطانیہ سے اس یقین کے نہ قائم کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ جو آلاتِ حرب ہم تیار نہیں کر سکتے اور جن کی موجودہ زمانہ میں شدید ضرورت ہے۔ مثلاً ہوائی جہاز، مشین گن، دبابے، انٹی ایرکرافٹ، توپیں وغیرہ وہ ہم کو فراہم نہ کیے جائیں گے بلکہ بہ عجلت ممکنہ فراہم کیے جائیں گے کیونکہ زمانہ کی رفتار خطرات کو کچھ زیادہ دور نہیں بتا رہی ہے اس کے علاوہ خود ہم جاگیرداروں کا فریضہ ہے کہ حکومت برطانیہ کی ممکنہ امداد کریں ملک کے لیے ایک ایسی شہری فوج تیار کریں جو اندرونی خلفشار کی صورت میں ہمارے کام آئے۔ مجھے یہ سن کر مسرت ہوئی کہ خود جاگیرداروں کی نوجوان اولاد نے اپنے آپ کو فوجی خدمت کے لیے پیش کیا ہے۔ ہمارا شیوہ ہمیشہ سلاطین آصفیہ کی اماری کے سامنے دادِ شجاعت دینا ہے اور آج بھی ہم کو اپنا یہ فرض یاد ہے۔

برادران طبقہ! اب مجھے یقین ہے کہ اس رزولیوشن کو جو آپ کے سامنے پیش کیا گیا منظور کرنے میں آپ کو کوئی تامل نہ ہوگا لیکن ساتھ ہی ساتھ میں آپ کو آپ کے ایک بھائی کی طرح نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے ان قلبی جذبات کو جس کی اس وقت میں نے ترجمانی کی

اپنے قلوب کے صندوق میں بند رکھنا چھوڑ دیں تاریخ کے ہر دور میں آپ حکومت کی ریڑھ کی ہڈی رہے ہیں اور آج بھی اگر کسی طبقہ کو سب سے زیادہ حکومت کے حال اور مستقبل پر غور کرنے کا حق ہے تو وہ آپ ہی کا طبقہ ہے خدا کا شکر ہے کہ میں آپ میں بیداری کی ایک لہر دیکھ رہا ہوں۔ ایک سال قبل جب کہ خطرہ آپ کے دروازے کی زنجیر سے کھٹکھٹا رہا تھا آپ سو رہے تھے۔ اور آپ کی نیند موت کے خواب سے بھی بدتر نظر آ رہی تھی لیکن آج سات ہزار میل دور خطرے کو دیکھ کر اس کا احساس پیدا کر لینا اور اس کے مقابلہ کے لیے تیار ہو جانا ہر طرح قابل مبارک باد ہے۔ یہ خطرہ گزشتہ خطرہ سے یقیناً عظیم تر ہے ہم کو اس جنگ میں امداد دیتے ہوئے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہماری امداد دور جا رہی ہے۔ انگلستان کی میدان جنگ ہمارے محاذ کا پہلا مورچہ (یعنی فرسٹ لائن آف ایکشن) ہے اور اس مورچہ کی مضبوطی اور کامیابی پر ہمارے آخری مورچہ کے تحفظ کا انحصار ہے۔

میری یہ تقریر کسی پریشان یا مصیبت زدہ حلیف کے سامنے پیش کردہ شرائط نہیں ہے ہماری امداد غیر مشروط ہے کیوں ہم فطرتاً اور اپنی جبلی شرافت کی وجہ سے اپنے حلیف کی امداد پر مجبور

ہیں اور جب ہمارے آقائے ولی نعمت امداد کر رہے ہیں تو ہماری امداد میں کوئی شرائط نہیں ہو سکتے۔ میری یہ تقریر آپ کے شبہات کے ارتفاع اور مستقبل کے متعلق آپ کے یقین کے اضافہ کے لیے ہے اور اپنے حلیف کی یاد کی تازگی اور اس کے جذبات شرافت و صداقت کو ابھارنے کے لیے بحمد اللہ اب حیدرآباد میں اتنا شعور پیدا ہو چکا ہے کہ کوئی ناسمجھ سے ناسمجھ آدمی میرے ان خیالات کو تنہا میرے خیالات نہیں قرار دے سکتا۔ یہ ملک اور خصوصاً طبقہ جاگیرداران کے ہر ایک فرد کے قلب کی آواز ہے جس کو نظر انداز کرنا برطانیہ کے لیے ویسا ہی ہے جیسا کوئی طوفانی سمندر کا کشتی شکستہ مسافر اس تخت کو نظر انداز کر دے جس کے سہارے وہ موجوں کا مقابلہ کر سکتا ہے اور جس کو باقی رکھ کر ہی وہ ساحلِ مراد تک پہنچ سکتا ہے۔

ضلع بیڑ کے عوام سے خطاب

۱۳ر اگست ۱۹۴۰ء کو بیڑ میں قائد ملّت نے مقامی عوام کو مخاطب فرمایا تھا۔ یہ تقریر رہبر دکن میں ۲۰ر اگست ۱۹۴۰ء کو شائع کی گئی جو ہدیۂ ناظرین ہے۔

بوجہ خرابی صحت اور خرابی آواز میں اس قابل نہیں ہوں کہ تقریر کرسکوں اور ڈاکٹر مجھے منع کرتے ہیں اس مرتبہ کا دورہ صرف ربط و تنقیح کے سلسلہ میں کیا جارہا ہے۔ آپ لوگوں کے اصرار پر میں ..... آپ کے سامنے کھڑا ہوں جس وقت ستیہ گرہ ہماری ریاست میں ہوئی آپ لوگ خاموش بیٹھے رہے یہ خیال کرتے ہوئے کہ حکومت اس کا انتظام کرلے گی۔ لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ حیدرآباد کی حکومت کو تمہارے آباؤ اجداد نے خون کی ندیاں بہاکر حاصل کیا ہے اس لحاظ سے دکن کا ہر مسلمان اس کا پاسبان ہے آصف جاہ اوّل نے اس کو تنہا فتح نہیں کیا بلکہ ہمارے اباؤ اجداد

نے فتح کرنے کے بعد ان کو اپنا نمائندہ تسلیم کیا ہم سب لوگ جسم ہیں اور شاہ دکن ہماری روح۔ ہر شخص کے ساتھ بلا لحاظ قوم و ملت ملتے رہو ان کے ساتھ ہمدردی کرو، اتفاق و اتحاد سے رہو، لیکن اپنے گھر پر قبضہ نہ کرنے دو۔ جب کبھی انھوں نے اس قسم کا خیال کیا مدافعت کرو۔ کانگریس نے متعدد مرتبہ اس امر کا اعلان کیا کہ وہ راست دیسی ریاستوں کے معاملات میں دخل انداز نہیں ہوگی لیکن اس نے اپنے وعدہ پر قائم نہ رہتے ہوئے اسٹیٹ پیپل کانفرنس کے روپ میں دیسی ریاستوں میں داخل ہو کر ذمہ دارانہ حکومت کے جراثیم پھیلائے اس کام کے لیے ایسے اشخاص کا انتخاب کیا گیا جن کا تعلق ان دیسی ریاستوں سے تھا۔ راجکوٹ میں ولبھ بھائی پٹیل، جے پور میں جمنا لال بجاج، حیدرآباد میں مسز سروجنی نائیڈو کے ذریعہ اپنا جال بچھوایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حیدرآباد میں تھوڑے ہی دنوں بعد ستیہ گرہ شروع ہوگئی اور حیدرآباد کے خلاف بیرون ملک پروپیگنڈہ کیا گیا۔ اس وقت آریہ سماجی شکست تک پہنچ گئے تھے لیکن افسوس کہ اس موقع پر کمزوری کے مظاہرہ کی وجہ سے ان کی شکست نے کچھ فتح کی صورت اختیار کر لی۔ اصلاحات کے متعلق صدر مجلس نے حکومت سے اپنے حقوق کی حفاظت میں جو چیزیں منوائی ہیں

اس کی اس وقت میں تشہیر نہیں کرسکتا اس وقت میرے منہ پر وعدہ کی مہر لگی ہوئی ہے آپ لوگوں کو مجھ پر اور صدر مجلس اتحاد المسلمین پر بھروسہ رکھنا چاہیئے (سامعین نے باآواز بلند ہم کو کامل اعتماد ہے کی صدائیں بلند کیں)۔

آپ کو بے در پے اطلاع دینے کے باوجود کہ یہ فوجیں صرف حیدرآباد میں رہیں گی آپ کو یقین نہ آیا۔ بیرمیں مسلمانوں کے (۸) اکھاڑے اجازت یافتہ ہیں مجھے یہ معلوم کرکے نہایت افسوس ہوا کہ صرف ایک اکھاڑہ چل رہا ہے اور باقی بند ہیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ آپ کے بازو کی دیوار کے آڑ میں عورتیں ورزش کر رہی ہیں میں اکھاڑوں کے ازدیاد کی آرزو کرتا ہوں۔

کانفرنس مجالس اتحاد المسلمین حلقہ ب

راج محل ٹاکیز میں ۲۶ ستمبر ۱۹۴۰ء کو حضرت قائد ملت نے جو افتتاحی تقریر فرمائی وہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

بحوالہ رہبر دکن ۲۸ ستمبر ۱۹۴۰ء۔

یہ امر موجب مسرت ہے کہ مجلس اتحاد المسلمین مملکت اسلامیہ آصفیہ کے دستور جدید کے مطابق ہماری مختلف ضلع وار شاخوں کے ارکان کی مہتری، اپنے اندر بیداری اور عمل کی صلاحیت پیدا کرنے کا کام شروع کر دیا ہے اسی بیداری کا نمونہ بلدہ کی ایک مجلس ضلع (حلقہ ب) کی مختلف شاخوں کی یہ کانفرنس ہے۔ کانفرنس اس قسم کے اجتماعات میں آپ سب کا جمع ہونا اور مستقبل سے متعلق مسائل پر غور و فکر کرنا ہم کو اپنی منزل سے قریب تر اور عوام میں ایسی بیداری پیدا کرنے کا ضامن ہوتا ہے جو فی الحقیقت ابتدائی کام کی پہلی منزل ہے۔ میں مبارکباد دیتا ہوں مجالس اتحاد المسلمین حلقہ (ب) کے کارکنوں کو

جن کے اس عمل نے ایک مثال قائم کی تاکہ دوسری شاخیں اسی راہ پر گامزن رہیں۔ یہ اپنی قسم کا پہلا اجتماع نہیں ہے اور دوسری شاخوں نے بھی مختلف حیثیت سے جلسے منعقد کیے ہیں مجھے توقع ہے کہ آئندہ اس قسم کے اجتماعات تنظیم، اتفاق و اتحاد کا باعث ثابت ہوں گے۔ اس کے ساتھ یہ عرض کر دینا بھی چاہتا ہوں کہ ان اجتماعات کو اسلام کی بہترین سادگی کا نمونہ بنانا چاہیئے مملکتی مجلس اتحاد المسلمین نے جلسہ کو عظیم الشان اور شاندار پیمانہ پر منانے کی جو کوشش کی اس کی ضرورت تھی آئندہ بھی مملکتی مجلس حالات کے لحاظ سے زیادہ کامیاب بنانے کی کوشش کرے گی لیکن اس نے طے کیا ہے کہ کام زیادہ کیا جائے اور خرچ کم ہو دوسری مجالس بھی یہی مطمع نظر رکھیں تاکہ بچا ہوا پیسہ مفید کاموں میں خرچ کیا جائے۔

جنگ کی آگ اور ہولناکیاں

جس زمانہ میں ملقہ (ب) کی یہ شاندار کانفرنس منعقد ہو رہی ہے زمانہ کی رفتار اپنی تیزی، تندی اور درشتی کے لحاظ سے سابقہ ادوار کو ماند کر رہی ہے جنگ کی ہولناکیوں نے ایک طوفان مچا رکھا ہے کوئی ملک ایسا نہیں جو اپنی عافیت سے متعلق فکرمند اور مستقبل کی

کامیابی کے لیے کوشاں نہ ہو۔ یورپ کی اس جنگ نے امریکہ کو جنگ کے عواقب سے متاثر کیے بغیر نہیں رکھا۔ مشرق قریب بھی ان خطرات کو محسوس کر رہا ہے گو اس جنگ میں ایشیا نے ابھی تک حصہ نہیں لیا لیکن ہند چینی کا فرانسیسیوں سے تقریباً کل جانا جاپانیوں کا تسلط (جس کو تسلط ہی کہنا چاہیئے) جنگ کی آگ کو مشرق میں تیز تر بنانے کے لیے کافی ہے۔ سوماٹرا لینڈ کے تخلیہ کے بعد خطرات عدن سے زیادہ قریب ہو گئے ہیں اور ہندوستان پر ظاہر ہے کہ دنیا کی ہر قوم کی نگاہیں لگی رہتی ہیں جنگ کی اس آگ نے ہندوستانیوں کے قلوب کو بھی بے چین کر دیا ہے۔

انگلستان کی فتح ہماری فتح ہے

ہندوستان باستثناء حیدرآباد دوسال کے عرصہ میں موجودہ بیرونی حکومت کے رجحان طبع طریقہ ہائے کار کا اچھی طرح مطالعہ کر چکا ہے۔ جو خطرات ہندوستان سے قریب تر ہو رہے ہیں اور جو اندیشے پیدا ہو رہے ہیں یقین ہے کہ ہندوستان کی حالت اس وقت بدترین ہو جائے گی بلکہ ہندوستان تباہ ہو جائے گا۔ ہم نے انگلستان کی اس لڑائی میں ہندوستان کے بچاؤ کی ساری ذمہ داریاں اپنے حلیف کی

طاقت کے بھروسہ پر اس کے سپرد کردی تھیں۔ انگلستان کی شکست صاف اور صریح معنی میں ہماری شکست اور انگلستان کی فتح ہماری فتح ہے۔ حیدرآباد نے بھی ساری مدافعانہ طاقت کو اپنے حلیف برطانیہ عظمیٰ کے سپرد کردیا۔ مملکت آصفیہ، برطانیہ کی فتح کی دل سے متمنی ہے اور وہ سمجھتی ہے کہ اس کی فتح مملکت آصفیہ کی فتح ہے۔

مجلس اتحادالمسلمین کی یادداشت اور مطالبات کی توضیح

مجلس اتحادالمسلمین اسلامیہ آصفیہ نے سر صدر اعظم بہادر کی خدمت میں یادداشت پیش کر کے بتادیا اور صاف مطالبہ کیا ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کا یہ زمانہ نہیں بلکہ وقت ہے کہ آپ اور ہم حیدرآباد کی اور اپنے حلیف کی کامیاب اعانت کریں۔ مجلس اتحادالمسلمین نے یادداشت میں صاف کہا ہے کہ حیدرآباد مدافعانہ طاقتوں کے بڑھانے میں کبھی دوسری طاقت کے مشورہ یا استمزاج کا پابند نہیں بلکہ کسی سے مشورہ کے بغیر ہماری حکومت کا فریضہ ہے کہ اپنی مدافعت کی تیاری کے لیے وقت ضائع کیے بغیر کارخانوں کے قیام اور اسلحہ کی فراہمی کا انتظام کرے اور یہی حکومت کا اولین فریضہ ہوسکتا ہے۔ آلات حرب کی تیاری مختلف قسم کی جنگی ضروریات کی فراہمی کے علاوہ مین پاور کا بڑھانا

بھی ضروری ہے۔ اخباری اطلاع چھپی ہوئی نہیں ہے کہ بھوپال نے وقت کی ضرورت محسوس کر کے آفریدیوں کی فوج میں بھرتی شروع کردی اور گورنمنٹ آف انڈیا کے آفر کو قبول کرتے ہوئے فوجی بھرتی میں نمایاں حصہ لیا۔ حیدرآباد کا زمانۂ قدیم سے یہ طرز عمل رہا ہے کہ ایشیا کے مختلف گوشوں سے بہادر نسلیں مہاجر کر کے انھیں اپنی افواج میں بہترین مقام عطا کرے حیدرآباد کی بچی کچی نشانیوں میں عرب موجود ہیں آپ کو پٹھان بھی نظر آتے ہیں جن کو دو سو سال قبل براہ راست لاکر بسایا گیا تھا۔ اسی طرح سکھ، راٹھور اور بلوچیوں کی ٹولیاں بھی نظر آتی ہیں جن کو سپاہی اقوام اور نسل ہونے کی وجہ سے عساکر آصفی میں جگہ دی گئی۔ بھوپال کی یہ مثال ہماری حکومت کے لیے کیا کم ہے اس کو چاہیئے کہ ہمارے ہاں بھی فوجی بھرتی شروع کردے۔

اپنی مدافعت اور حلیفانہ امداد کے لیے فوجی بھرتی کا مطالبہ

اس سلسلہ میں یہ سن کر افسوس ہوا کہ حکومت ہند کے اس پیشکش کو ہمارے بعض ناعاقبت اندیش عہدیدار حیدرآباد کی تاریخ میں دوسری مرتبہ مسترد کرنا چاہتے ہیں اور یہ سوال بھی پیدا

کو رہے ہیں کہ ان شیروں کو کنٹرول کون کر سکے گا جن میں یہ وسوسے
بول اور خود اعتمادی کا فقدان ہو حکومت کرنے کے قابل نہیں ان کا
اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو ذمہ دارانہ مقام سے الگ کر لیں جن
پر وہ فائز ہیں (تالیاں) حیدرآباد نے عرب، سکھ اور افغان سپاہیوں
کو کنٹرول کیا اگر ان آفریدیوں پر دوسری قوم کے لوگوں کو حاکم بنا دیا
جائے گا تو بے شک ناممکن ہے کہ ان کا کنٹرول کیا جا سکے۔ (تالیاں)
اس کے بجائے اگر ان ہی کے قوم کے بعض وظیفہ یاب فوجی عہدیداروں
کی خدمات حاصل کر کے ان کو ان پر حاکم بنایا جائے تو آپ دیکھیں گے
کہ وہ کس طرح کنٹرول کر سکتے ہیں۔ ہماری حکومت کا قدیم دستور یہی رہا
ہے کہ ہندوں پر عرب جمعدار اور افغانوں پر افغان عہدیدار مقرر کیے جاتے
تھے میں حکومت سے مطالبہ کرتا ہوں کہ حکومت برطانیہ کے اس آفر کو
بلا تاخیر قبول کرے جس قدر ہو سکے اچھے سپاہی اپنی مدافعت اور
حلیف کی امداد کے لیے فوج میں بھرتی کرے۔

آئندہ دستور ہند میں حیدرآباد کے مقام کا سوال

دوسری چیز ہندوستان کے مستقبل آئندہ دستور اور اس
کے اثرات و نتائج سے متعلق ہے۔ یہ امر مسلّم ہے کہ وائسرائے اور

سکریٹری آف اسٹیٹ فار انڈیا مسٹر ایمری کے بیانات جو ابھی ۸ر اور ۱۴ر اگست کو شائع ہوئے اس میں ہندوستان کے لیے مقبوضاتی مرتبہ کو متعین کر دیا گیا ہے اس تعین کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حیدرآباد کا مقام اس دستور میں کیا ہوگا۔ ڈومینین اسٹیٹس دینے کے یہ معنی ہوں گے کہ حکومت برطانیہ ہندوستان کو خود انتظامی حق دے رہی ہے۔ مدافعت، مالیہ اور بیرونی تعلقات سے متعلق سارے اختیارات داخل ہو جاتے ہیں اگر یہ حقوق ہندوستان کو حاصل ہو جائیں جیسا کہ دوسری کالونیز (کینیڈا، آسٹریلیا، آئرلینڈ اور جنوبی افریقہ کو حاصل ہیں تو کیا تاج برطانیہ حیدرآباد کے معاہدات کی تکمیل کے قابل رہے گا۔ اور کیا ان کی تکمیل نہ ہونے پر ان کی ضرورت رہے گی۔ اگر ضرورت نہ رہے تو ظاہر ہے کہ حیدرآباد اپنی ذمہ داریوں کو اپنے کاندھوں پر لے لے گا جو علاقہ جات فوج کی امداد و اعانت کے لیے مملکت آصفیہ نے دیئے تھے خود بخود ان کی واپسی کا حق پیدا ہو جائے گا بہر حال مجلس حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ ایسی موثر کارروائی کرے کہ حیدرآباد کے اس حق کو نظر انداز نہ کیا جا سکے۔ ہمارے حلیف برطانیہ کو چند علاقے بطور انعام اور جاگیر کے دیئے گئے تھے جب انگریز ہندوستان کو مقبوضاتی مرتبہ عطا کر دیں گے اور ان عطایا سے استفادہ کے قابل نہ رہیں گے

تو انھیں کوئی اختیار نہ ہوگا کہ حیدرآباد کے ان علاقوں کو کسی اور کے حوالے کریں جب کہ وہ لازمی طور پر معطی کی طرف عود کریں گے۔

مطالبہ نہیں حق ہے

تیسرا علاقہ برار ہے جو پٹہ پر ہے حکومت برطانیہ نے ایک معاہدہ کے ذریعہ حال میں اس پر حیدرآباد کی بادشاہت (ساورنٹی) کو تسلیم کیا ہے۔ موجودہ دستوری تبدیلیاں جب ہمارے اس پٹہ سے اس کو فائدہ کے قابل نہ رکھیں گی تو لازمی طور پر اس پٹہ کے معاہدہ کو ختم ہو جانا چاہیئے اور وہ علاقہ جات جو بطور پٹہ دیئے گئے تھے حیدرآباد کو واپس مل جانا چاہئیں یہ مطالبہ نہیں بلکہ حق ہے اور یہ ایسے حقوق ہیں جس کو مجلس حکومت کے سامنے پیش کرنا اپنا فرض سمجھتی ہے۔ اور اس کے لیے مطالبہ کی ضرورت نہیں یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

مجلس جاگیرداران کی قرارداد

یہ ممکن ہے کہ زمانہ اور خصوصاً پیرون ملک میں ہمارے مطالبات اور استحقاقات سے ناراض ہونے والے بھی موجود ہوں،

جو ہمارے جائز حقوق کو حاصل ہوتا دیکھ کر جل جاتے ہیں لیکن ایسے لوگوں سے کبھی زمانہ خالی نہیں رہا اور ان کا وجود ہمارے عزائم کو پست نہیں کر سکتا۔ دنیا میں ہمیشہ مخالفت ہی رفتار عمل کی ترقی اور حصول مقصد میں کامیابی کا باعث ثابت ہوئی ہے مخالفت سے گھبرا جانے والے کا اس دنیا میں کوئی مقام نہیں لیکن یہ امر میرے لیے باعث اطمینان و مسرت ہے کہ ملک کے ہر گوشہ سے ہماری یادداشت کی تائید ہو رہی ہے ملکت کی سب سے زیادہ باوقار ذمہ دار طبقہ جاگیرداران کی نمائندہ مجلس نے ابھی حال میں ایک قرارداد منظور کی ہے جس کے استفہامی انداز میں ہی سب کچھ موجود ہے جو مجلس اتحاد المسلمین کی یادداشت میں ہے اس قرارداد کی شکل میں جو سوالات پیش کیے گئے ہیں اس کا جواب مجلس اتحاد المسلمین کی یادداشت ہے میں بحیثیت معتمد مجلس جاگیرداران نہیں بلکہ بحیثیت ایک شہری کہوں گا کہ مجلس جاگیرداران نے جن چیزوں کے صاف کرنے کا سوال کیا اس کا یہ وقت نہیں ہے زمانہ جس تیز رفتار سے چل رہا ہے اس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ مجلس جاگیرداران پلنٹ آوٹ کر کے صاف بتادے کہ حیدرآباد کا یہ مقام ہے اور یہ مقام اس کو حاصل رہنا چاہیئے۔

آصف جاہ اول کی عمارتی کے گرد پروانہ وار کٹ مرنے والوں کی

اولاد سوالات نہیں کیا کرتی بلکہ خدا نے اس کو وہ مقام بلند عطا کیا ہے کہ ملک کے مستقبل کو معین کرتی اور اس کو اپنے زورِ تدبر و قوت اثر سے حاصل کر سکتی ہے۔ مجلس جاگیرداران کے علاوہ مدراس جانے سے قبل بعض ایسے بیانات بھی نظر سے گزرے جو ملک کے بعض زعماء کی طرف سے شائع ہوئے ہیں اور جن سے بڑی حد تک مجلس کی یادداشت کی تائید ہوتی ہے۔

یہ عہد امتحان وفا ہے

بھائیو! یہ عہد امتحان وفا ہے اپنے اداروں کی طرف سے غیر متزلزل وفاداری اور عقیدت کے طویل اور بلند بانگ رزولیوشن پاس کرنے والوں کی صداقت کی پرکھ کا وقت ہے جب کہ کھرا کھوٹا پرکھ جاتا ہے یہ وقت ہے کہ بلند آہنگ دعووں کی جانچ ہوتی ہے کہ اصلی اور نقلی عہدیدار پہچانے جاتے ہیں۔ ان زعماء نے مجلس اتحاد المسلمین مملکت اسلامیہ آصفیہ کے ان مطالبات سے اتفاق کیا ہے کہ ہندوستان کے آئندہ دستور میں حیدرآباد کی کامل آزادی اور اس کی معاشی ترقی کے امکانات کو متاثر نہ ہونا چاہیئے میں اس کا بر جوش خیر مقدم کرتا ہوں اور ان کو قابل مبارکباد تصور کرتا ہوں اگر اندرونی مسائل

کو بالائے طاق رکھ کر اس سوال کو پیش کیے بغیر کہ حیدرآباد کا اندرونی دستور کیا ہو گا یا کیا ہونا چاہیئے۔ جیسا کہ بیان کے آخری فقرہ سے ظاہر ہے بعض بیرونی تعلقات اور مسائل خود مختاری کے مسئلہ میں کوئی مجھ سے ہاتھ ملانا چاہے تو میں اس کو اپنے ساتھ لینے سے کہیں دریغ نہ کروں گا۔

مجلس اتحاد المسلمین کا قدم ناقابل بازیافت ہے

مجلس اتحاد المسلمین نے جو سیاسات کا ٹرننگ پائنٹ (خود مختار وسیع تر اور حیدرآباد) بیان کیا ہے اس منزل تک آپ کو پہنچانا بھی مجلس کا وظیفہ ہے لیکن اس کا انحصار تمام تر آپ کی تنظیم پر ہے مجلس اتحاد المسلمین آپ کے بڑھے ہوئے قدموں کو پیچھے نہ ہٹائے گی مجلس نے بارگین کیا ہے نہ کر رہی ہے اور نہ کرے گی (تالیاں) مجلس کا قدم متعین ہوتا ہے اور ناقابل بازیافت (تالیاں) یہی اصلاحات میں ہوا ہیں حیدرآباد کے مستقبل کے تعین میں ہو گا (تالیاں) لیکن اس کے قدم آگے بڑھنے کا انحصار آپ پر ہے یہ گاڑی آپ کے بغیر نہیں چل سکے گی جب تک پندرہ لاکھ مسلمانوں کی آواز مجلس کے ساتھ ہے اس وقت تک مجھے ہر طرح کی کامیابی کا یقین ہے اور جب یہ معلوم ہو گا کہ ایک آواز بھی ساتھ دینے سے کٹ گئی ہے تو مستعفی ہو جاؤں گا میں نے اب تک آپ کے نعروں اور

تالیوں سے فائدہ اٹھایا ہے اب ایسا نہ ہوگا کیونکہ ۱۹۱۰ء کے ہتیار ۱۹۴۰ء میں ناکارہ ہو رہے ہیں۔ تمھارا موجودہ ہتیار مجلس اتحاد المسلمین کے رجسٹر میں باقاعدہ شرکت ہے۔

نماز سیاست کا بدل ہو سکتا ہے

میں ہر ایک کو مجلس کا رکن دیکھنا چاہتا ہوں اگر کوئی اس نماز سیاست کے ناقابل قرار دیا گیا ہے تو وہ اپنے بچوں اور بی بیوں سے اس نماز کا بدل کرائے نماز عبادت کا بدل نہیں لیکن اس نماز سیاست کا بدل ہو سکتا ہے۔ دعا ہے کہ آپ کا یہ شاندار جلسہ مجلس اتحاد المسلمین کی کامیاب ترین ثابت ہو آپ کے قدم میں ثبات عزم میں استقلال اور زبان میں صداقت و بیباکی پیدا ہو۔ آمین۔

جلسۂ سالانہ مجلس اتحاد المسلمین تویران سے

حضرت قائدِ ملّت کا خطاب

۸ر فروری ۱۹۴۱ء کو مجلس اتحاد المسلمین قصبہ تویران کا دوسرا سالانہ جلسہ مولوی محمد عبدالرؤف صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل ہائیکورٹ معتمد ملتی مجلس اتحاد المسلمین کی صدارت میں منعقد ہوا۔ قائد ملّت نواب بہادر یار جنگ بہادر نے جلسہ کا افتتاح کرتے ہوئے جو تقریر فرمائی جو ہدیہ ناظرین ہے۔ بحوالہ رہبر دکن ۹ر فروری ۱۹۴۱ء۔

مجلس کا سب سے اہم مقصد وسیع تر، آزاد تر اور بلند تر حیدرآباد کا قیام ہے۔ ہم کو اپنی تمام توانائیاں اب صرف کرنے کی ضرورت داعی ہوگی۔ اور یہی زمانہ ہمارے لیے قوت آزمائی اور یہ ساعتیں ہمارے لیے امتحان کی ہیں۔ ہم میں اب عمل کا فقدان

نہ ہونا چاہیئے کیونکہ عمل ہی کامیابی کے راستہ پر گامزن کرتا ہے۔
رضاکار اپنے ارادوں میں اٹل اور ہمیشہ مستقل مزاجی سے
کام لیں اور ہر وقت خدمت خلق اور وطن کے لیے اپنے کو تیار
رکھیں تاکہ مشکلات کا ہمیشہ سامنا کر سکیں (مجلس اتحاد المسلمین کی مرکزیت
اور ہمہ گیریت کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ) اس قصبے کے ہر مسلمان
کو مجلس کا رکن بننا چاہیئے اور جب تک عملی حیثیت سے دو آنے چندہ
ادا کر کے اپنی خدمات مسلمانوں کے لیے وقف نہیں کرے گا اس وقت
تک ہمارے عزائم اور ہمارے احساسات قوی تر نہیں ہوں گے۔

مردم شماری

قائد ملت کی تقریر

۸ فروری ۱۹۴۱ء بعد نماز جمعہ مکہ مسجد میں حضرت قائد ملت نے تقریر فرمائی تھی۔ بحوالہ رہبر دکن ۹ فروری ۱۹۴۱ء۔

اضلاع اور دیہات پٹیل پٹواریوں کے سپرد ہیں شکایتوں کا سلسلہ بندھا ہوا ہے اس لیے حکومت پٹیل پٹواریوں کے ساتھ ایک مسلم شمار کنندہ کو ساتھ رکھے اور اگر ہمارے رضا کار کو ساتھ نہیں لیا جارہا ہے تو کم از کم مدرسین کو جو سرکاری ملازم ہیں ان کے ساتھ شریک رکھا جائے اگر ایسا نہیں کیا گیا تو مسلمانوں کو اس مردم شماری پر اعتبار نہ ہوگا۔ جہاں ہم صحیح اعداد و شمار درج کرانے کی مسلمانوں کو ہدایت کر رہے ہیں صداقت ہمارا شیوہ ہے وہاں دوسرے ہماری تعداد کو گھٹا رہے ہیں اور اپنی تعداد کو غلط طور پر بڑھا رہے ہیں بڑھانے کا پروپگنڈہ کر رہے ہیں۔ یہاں تک ہونے والے بچوں کو تک ابھی سے لکھا رہے

ہیں ——— مسلمانوں کے دو فرائض ہیں ایک دوسروں کی تعداد کو غلط طور پر نہ بڑھنے دینا اور اپنی تعداد کو غلط طور پر گھٹنے نہ دینا آٹھ دن کے لیے آپ کو سارے کام چھوڑ دینا چاہیئے۔

مردم شماری کے مسئلہ کو اہم سمجھا جائے اور پوری پوری توجہ سے کام کرنا چاہیئے۔ خداوند لایزال ہم کو ہر قسم کے اندرونی اور بیرونی فتنوں سے محفوظ رکھے اور صراط المستقیم دکھلائے۔

حضرت قائدِ ملّت کی افتتاحی تقریر

مسلم خواتین کا عظیم الشان جلسہ مردم شماری ۱۲ فروری ۱۹۴۱ء کو ۴ بجے شام قمر باغ میں بصدارت محترمہ بیگم صاحبہ قائدِ ملت منعقد ہوا۔ اس اجتماع میں سات ہزار سے زائد خاتون سامعین نے جلسہ میں شرکت کی۔ حضرت قائدِ ملت نے اس موقعہ پر جو تقریر فرمائی وہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

میری انتہائی سعادت و مسرت کا باعث ہے کہ آج آپ کے اس عظیم الشان جلسہ کے افتتاح کا فخر حاصل کر رہا ہوں۔ حیدرآبادی خواتین کی بیداری کا آپ اندازہ نہیں کر سکتیں۔ آپ کی بیداری و شعور کا ذکر میں دور دراز کی ساحتوں میں کرتا رہتا ہوں۔ ہمارے مستقبل کی درخشانی کی ضمانت آپ کی بیداری ہے آپ گھر کی ملکہ ہی نہیں بلکہ صحیح معنیٰ میں ہادی اور رہبر ہیں۔ مردوں کو صحیح راستہ پر چلانے اور صحیح طریقہ کار اختیار کرانے کی ذمہ داری بھی آپ ہی پر

ہے۔ آپ کا شعور و بیداری ملک کے لیے فال نیک ہے۔

مردم شماری اور توہم پرستیاں

آج کا جلسہ مردم شماری کے سلسلہ میں منعقد کیا گیا ہے۔ آپ مردم شماری میں کیا دلچسپی لے سکتی ہیں۔ یہ صدر جلسہ کے خطبہ اور آنے والی قابل مقررین کی تقریروں سے معلوم ہوگا۔ مردم شماری کو قوموں کی زندگی میں بہت بڑا دخل ہے قوموں کے مستقبل سے متعلق کوئی نقشہ مرتب نہیں کیا جا سکتا جب تک وہ معلومات صحیح حاصل نہ ہوں جس کے لیے آپ سے خواہش کی جا رہی ہے میں یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہماری مردم شماری میں ایک بڑی رکاوٹ آپ کی توہم پرستیاں — لاپروائیاں اور غفلت ہے۔ یہ بات آپ کے ذہن نشین ہے کہ صحیح تعداد بتانے سے بچوں کو نظر لگ جائے گی یا یہ خیال کہ کہیں جگہ پر نہ بھیج دیا جائے۔ مردم شماری کا تعلق نہ بدنظری سے ہے اور نہ جنگ سے مجھے ڈر ہے کہ اگر آپ نے غفلت برتی تو قوم کو زبردست نقصان پہنچے گا۔ مردم شماری کو صحیح بنانا آپ کا فرض ہے

محترم بہنو! زمانہ تیزی سے بڑھ رہا ہے وہی قومیں زندہ

رہ سکتی ہیں۔ جو زمانہ کا ساتھ دے رہی ہیں جو ساتھ نہ دیں گی وہ فنا ہو جائیں گی۔ شرع متین کی پابندیوں کے بعد آپ اپنی قوم کی خدمات پوری طرح انجام دے سکتی ہیں آپ کا فریضہ ہے کہ اس مردم شماری کو صحیح بنانے کا تہیہ کر لیں محلہ کے دس پندرہ گھر ذمہ لے لیں ان کے پاس پہنچ کر مردم شماری کی اہمیت سے واقف کرائیں جو آج کے جلسے میں نہیں ہیں اس لیے کہ شمع سے شمع اور چراغ سے چراغ سلگتا ہے۔ آپ پردہ کے التزام کے باوجود کام کر سکتی ہیں۔ مجلس کے پیام کو دور دور تک پہنچا سکتی ہیں اور مردوں کو باخبر کر کے اپنی باخبری کا ثبوت دے سکتی ہیں۔ میری دلی تمنا ہے کہ خواتین میں وہ شعور پیدا ہو جائے جو کل کے مستقبل کی کامیابی کا ضامن ہو۔

"حیدرآباد ہمیشہ آزاد سلطنت رہا ہے اور رہے گا"

قاضی پیٹھ میں قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر کی ولولہ انگیز تقریر

ورنگل کے دورے پر تشریف آوری کے دوران قاضی پیٹھ اسٹیشن پر استقبال کے لیے آئے ہوئے ہزاروں مسلمانوں کے درمیان ۲۸ر مارچ ۱۹۴۱ء کو حضرت قائد ملت نے جو تقریر فرمائی ہدیۂ ناظرین ہے۔ بحوالہ رہبر دکن ۲۹ر مارچ ۱۹۴۱ء۔

نواب صاحب نے آیتہ شریف الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اصطلاحاً ولی اللہ کا مقام اللہ کے صرف برگزیدہ ترین بندوں کو حاصل ہو سکتا ہے لیکن بحوالہ آیتہ شریف "اللہ ولی الذین آمنوا" ہر ایمان والا اللہ تعالیٰ کی دوستی اور محبت کا

دعویدار ہے اور خدائے قدوس اس سے وعدہ کر رہا ہے کہ وہ خوف و ملال سے محفوظ رہے گا۔ اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں کہ جو اللہ کے دوست ہیں ان پر مصیبتیں نہ آئیں گی یا غم نہ طاری ہوں گے بلکہ تاریخ شہادت دیتی ہے کہ جس نے اللہ سے جتنی زیادہ دوستی کی انتہا ہی اس کو آزمایا گیا اور ہر قسم کے مصائب کا وہ شکار بنایا گیا بلکہ اس آیت شریفہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے دوست کی پہچان ہی یہ ہے کہ اس پر مصیبتیں آتی ہیں لیکن وہ گھبراتا نہیں اس پر غم و الم کی گھٹا چھاتی ہے لیکن وہ ملول نہیں ہوتا اس کی سب سے اچھی مثال آقائے دوجہاں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہے۔

مسلمانو! آج تم جس منزل کی طرف آگے بڑھ رہے ہو وہ اعلائے کلمۃ الحق اور سربلندی اسلام کی منزل ہے۔ گویا تم اپنے مسلک اور اپنے مقصد حیات سے اللہ کی دوستی کا دعویٰ کر رہے ہو اور تم اسی وقت اپنے امتحان میں کامیاب تصور کیے جا سکتے ہو جب کہ تمہارا قدم کسی بڑی سے بڑی مشکل میں نہ ڈگمگائے اور تمہارے قلب پر کسی انتہائی مصیبت میں بھی ملال طاری نہ ہو۔

مجلس اتحاد المسلمین کوئی شخص نہیں تمہارے ہی مجمع کا نام ہے

مجلس اتحاد المسلمین کوئی شخص نہیں بلکہ تمہارے ہی مجمع کا

نام ہے۔ اس کے مقاصد بلند عزائم رفیع کو دنیا کی بعض بڑی طاقتوں نے صحیح طور پر نہیں سمجھا اور نتیجہ یہ ہوا کہ آج مجلس اتحاد المسلمین کی جمعیت اور شیرازہ بندی کے خلاف عظیم الشان محاذ قائم ہو رہے ہیں تم نے مجلس کی یادداشت میں جو مطالبات کیے وہ اہل بصیرت کے نزدیک قابل استحسان تھے لیکن ان کے غلط معنے لیے گئے اور تمہارے خلاف ایک منظم طاقت ور کوشش شروع کی گئی۔

ان تمام حالات کے مدنظر اگر تم میں افتراق اور انتشار پیدا کرنے کی منظم کوششیں کی جائیں تمہارے حصار کے باہر سے اور تمہاری محفل کے اندر سے اگر تمہارے انتشار کے سامان مہیا کیے جائیں تمہارے بنیادی اصولوں اور مسلمہ مسلک کو جب کہ دکن کے بچے بچے نے اس کو تسلیم کر لیا اگر تمہارے ہی بعض نادان دوستوں کی زبان سے قابل اعتراض ٹھہرایا جائے تمہیں تعجب نہ ہونا چاہیئے۔

مجلس اتحاد المسلمین اپنے گذشتہ دور ابتلا میں اپنے آپ کو غیر متزلزل ثابت کر چکی ہے لیکن کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کے ارکان میں سے کس کے قدم کتنی مدت تک مضبوط رہ سکتے ہیں۔

مسلمانو! تمہارا شعور بحمداللہ بیداری کی انتہائی منزلوں تک پہنچ چکا ہے اپنے برے بھلے کی تمیز تم میں بدرجہ کمال پیدا ہو چکی ہے۔

اپنی دوستی اور دشمنی کا تم نے صحیح معیار مقرر کر لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں اپنی کشتِ ویراں سے بقول شاعرِ مشرق علامہ اقبال نا امید نہیں ہوں۔

نہیں اقبال نا امید اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

مجھے یقین ہے کہ اب اگر تمہارے اتحاد و اتفاق کی فصیل میں جس کے ایک ایک پتھر کو میرے خونِ دل نے جوڑا ہے میں خود رخنہ ڈالنا چاہتا ہوں اور تمہارے مرکزی اصولوں سے جس کو سب سے زیادہ میں نے تم میں نمایاں کیا ہے اگر میں ہی تم کو ہٹانا چاہوں تو تم مجھے اپنا دشمن تصور کرنے لگو گے۔ تمہاری محفل میں میرے لیے کوئی مقام باقی نہ رہے گا لیکن جو مرکزیت جو اجتماعیت اور جو اصول مسلک تم نے اپنے لیے پیدا کر لیا ہے اس میں فرق نہ آنے پائے گا میری مثال اس شخص کی ہے جو پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہو جس کے سامنے عمیق وادیاں گھنے جنگل اور چٹیل میدان پھیلے ہوئے ہوں اور جس کی نگاہ دوسروں کی نگاہ سے پہلے ان وادیوں سے اٹھتے ہوئے طوفان ان جنگلوں سے بلند ہوتے ہوئے فتنوں اور میدانوں سے سر اٹھاتے ہوئے بگولوں کو دیکھ سکتی ہے۔ میری عادت رہی ہے کہ جب مجھے اس قسم کا کوئی اندیشہ نظر آتا ہے میں بغیر کسی توضیح و تفصیل کے خطرہ کی گھنٹی بجا دیا کرتا

ہوں مجھے تمہارے شعور پر اتنا اطمینان ہے کہ کسی توضیح و تفصیل کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ اسلامیہ کی وحدت و مرکزیت کا جو عظیم الشان کام دکن میں ہوا اس کو تمہارے شعور کی موجودگی میں کوئی دھکا نہیں لگا سکتا آخر میں میں تمہیں یاد دلانا چاہتا ہوں کہ تمہاری ماضی کی کامیابیوں اور مستقبل کی فیروزمندیوں کا انحصار تمہارے دو بنیادی اصولوں پر ہے ایک یہ کہ باہمی فرقہ وارانہ اختلاف کو بھلا کر بالاشتراک امور میں ایک ہو جائے اور جو اختلافی مسائل مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے درمیان پائے جاتے ہیں اور جو صدیوں کی کوشش کے باوجود رفع نہیں کیے جا سکے ان میں دخل دینا چھوڑ دو۔ اختلافی امور پر اسی بحث و تکرار نے ہندوستان میں مسلمانوں کو پارہ پارہ کر دیا اور اسی بحث و تکرار سے محفوظ رہ کر تم نے گذشتہ بارہ سال میں ملت اسلامیہ کی شوکت و جلال کا ڈنکہ سرزمین دکن پر بجایا۔ دوسرا مجلس کا بنیادی مسلک مجلس اتحاد المسلمین کا وہ حکم سیاسی ہے جو تمہاری سیاسی تحریکات کی بنیاد اور مستقبل میں تمہارے اقتدار سیاسی پر کیے جانے والے حملوں کے لیے واحد فصیل ہے۔ یعنی یہ کہ مسلمانان دکن "دکن کے بادشاہ ہیں" اور اعلیٰ حضرت بندگان عالی کا تخت و تاج ان ہی کی جماعت کے سیاسی و تمدنی اقتدار کا مظہر ہے۔ اعلیٰ حضرت جلالت الملک ان کی بادشاہت کی روح ہیں

اور مسلمانانِ دکن اعلیحضرت کی بادشاہت کا جسم اگر تخت آصفی نہیں تو مسلمانانِ دکن نہیں اور اگر مسلمانانِ دکن نہیں تو دنیا میں تخت آصف جاہی کا کوئی محافظ نہیں۔ اس مسلک نے تخت و تاج آصفی سے تمہاری وابستگی کو اس قدر مضبوط بنا دیا کہ آج تمہارا ہر ایک فرد دکن کی حفاظت کو اپنی ذات کا مذہبی فریضہ تصور کرتا ہے اتحاد بین المسلمین اور تخت آصف جاہی سے وابستگی یہی دو عناصر تمہاری حیات ملی کے ضامن ہیں اگر میں خود بھی تمہارے ان عناصر حیات کو منتشر کرنے کی کوشش کروں یا اس کے خلاف زبان کھولوں تو تمہارا ملت اسلامیہ اور تخت و تاج آصفی کا دشمن ہوں میری سزا اس دنیا میں قتل اور اس دنیا میں جہنم ہے اگر میں خود بھی تم کو غلط راستہ کی طرف لے جاؤں اور ان اصولوں کے خلاف میری زبان و قلم سے کوئی لفظ یا اشارہ سنو تو مجھے اپنا دشمن سمجھو یہ پیام بظاہر ورنگل کے مسلمانوں کو سنا رہا ہوں لیکن میرا خطاب دکن کے ہر فرد مسلم سے ہے اور مجھے یقین ہے کہ میری یہ آواز مسلمانوں کی تجدید بیعت اور ان کے شعور ملی میں حیات تازہ کا باعث ہوگی۔ شاہ عثمان زندہ باد اتحاد مسلمانان پائندہ باد۔

قائدِ ملّت کا اجلاس مسلم لیگ

صوبہ متوسط و برار سے خطاب

---

۲۳ مارچ ۱۹۴۱ء کو اکولہ برار میں حضرت قائدِ ملت نے جو صدارتی تقریر فرمائی اس کی مختصر روئداد جو ہمدرد کی مورخہ ۲۵ مارچ ۱۹۴۱ء میں شائع ہوئی ہدیۂ ناظرین ہے۔

ہندوستان میں جمہوریت کا کیا مطلب ہے اور کس طرح اس کی آڑ میں اپنی اکثریت رکھنے والا فرقہ اقلیتوں کی تہذیب و تمدن کو تباہ کر کے ہمیشہ کے لیے اپنی غلامی میں لے لینا چاہتا ہے۔ سات صوبوں میں قانون ۱۹۳۵ء کے تحت کانگریسی حکومت کے راج کا تجربہ ہو چکا جس سے ظاہر ہو گیا کہ یہ مسلمانوں کے لیے کس طرح تباہی کا باعث ہے۔ گورنر تک بھی مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کرنے میں ناکام رہے۔

ہندوستان کے تمام مسائل کا یہی واحد حل ہے اور وہ یہ کہ ہندوستانی قومیت کا تصور غلط ہے اس لیے کہ مسلمان اپنی تاریخی روایات کے ساتھ ایک جداگانہ قوم ہیں۔

دارالسلام کے دوسرے عظیم النظیر اجلاس سے

قائدِ ملّت کا خطاب

۳۱ مئی ۱۹۴۱ء کو حضرت قائدِ ملّت نے دارالسلام میں منعقدہ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر جو تقریر فرمائی ہدیۂ ناظرین ہے۔ بحوالہ رہبر دکن یکم جون ۱۹۴۱ء۔

گذشتہ سال آپ نے یہ طے کیا تھا کہ بیت المال کو قانونی حیثیت میں مجلس منظور کروائے۔ اب آپ مجلس کو حکم دے رہے ہیں کہ وہ مرکزی بیت المال قائم کرے دوسری طرف حکومت سے منوانے کا کام مجلس اپنے ہاتھ میں لے۔ گذشتہ سال آپ نے بیت المال کی تائید کی تھی اب آپ اس کو اپنا مطالبہ سمجھتے ہیں۔ بیت المال کا انحصار اس ٹیکس پر ہے جو شرع محمدی نے عائد کر دیا۔ بہرحال یہ تحریک ایسی ہے کہ آپ کو متوجہ ہونا پڑے گا میں اس وقت نظام آباد کے بیت المال کی کوششوں کو نہیں بھلا سکتا جس نے نہایت ہی قلیل عرصہ میں مسلمانوں اعتماد حاصل

کرلیا اس کا اعتماد بڑھتا جارہا ہے وہ یقیناً مفید ثابت ہوگا۔

عزم کی توثیق اللہ کا فضل ہے کہ آپ نے مجلس شوریٰ و عاملہ پر کامل اعتماد کا ثبوت دیا عاملہ و شوریٰ کے اعتماد پر مہر ثبت کردی اور حکومت کو بتادیا کہ جو مطالبات مجلس شوریٰ و عاملہ نے پیش کیے ہیں اس کی طرف حکومت کا متوجہ ہونا ضروری ہے۔ تبدیلی وزراء کی طرف حکومت کو متوجہ ہونا ضروری ہے وزراء کو طویل مدتیں ہو چکی ہیں۔ اب اتنی سر..... طویل مدتوں کو پسند نہیں کیا جاسکتا حضرت ظل سبحانی ان کو سبکدوش ہونے کی ہدایت فرمائیں اور ان کا فرض ہے کہ وہ اپنا سبکدوشی نامہ بارگاہِ خسروی میں پیش کردیں اور عرض کریں کہ دوسروں کو موقع دیا جائے چونکہ اس کی تائید دوسرے فرقے بھی کرچکے ہیں رائے عامہ کی مہر بھی ثبت ہوچکی ہے۔ آپ نے یادداشت کی توثیق یوم حیدرآباد منا کر کی۔ آج پہلی بار تبدیلی وزراء کی قرارداد کی تائید کررہے ہیں۔ آپ نے کوئی چھوٹا کام نہیں کیا بہت بڑا کام ہے۔ آپ نے یادداشت قراردادوں اور کارایتوں کی توثیق نہیں کی بلکہ اس میں جو عزم ہے اس کی توثیق کی شوریٰ و عاملہ کے کام کو استحکام و استمرار عطا کیا۔

میں ناامید نہیں ہوں میں بقول اقبال اپنی "کشت ویراں"

سے نا امید نہیں ہوں۔ حوادث عالم کے ابر اس پر برس رہے ہیں اور اس کے تم ہونے میں بہت تھوڑی کسر دکھائی دے رہی ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس کی زرخیزی ایک مرتبہ پھر دنیا کو حیران کر دے گی۔

قائد ملت کی نصیحتیں

سامنے آؤ۔ والنٹیروں میں نام لکھواؤ وقت ہو تو دو اور کام کرو۔ خدمت انجام دو، دولت ہو تو دولت دو اعتراض کرنا چھوڑ دو، کام کرنا سیکھو۔ اعتراض کرنے والا کامیاب نہیں رہتا کام کرنے والا ہر وقت کامران و کامیاب رہتا ہے۔ حیدرآباد کی پبلک پر مجھے ناز ہے۔ انشاء اللہ صحیح لیڈر شپ پیدا ہوگی مسلمانوں سے میں قطعاً مایوس نہیں ہوں غریب مسلمان سچا اور پکا سپاہی ہوتا ہے اس سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ میں مایوسی و اطمینان کے درمیان گزر رہا ہوں اسی درمیانی راہ کا نام ایمان ہے اگر ایمان بھی ہے تو میں اور میرے ساتھی مومن ہیں اور مومن کے لیے دنیا تنگ نہیں۔

نوٹ: یہ جریدۂ غیر معمولی نظام کی مرعوب ذہنیت اور "غیروں پہ کرم اپنوں پہ ستم" کا آئینہ دار ہے۔ اور مجلس اور قائد مجلس کو پابند کرنے کی ایک چال۔

نواب صاحب نے جو اس جریدے کی اشاعت سے قبل اس جریدے کے مضمون سے آگاہ تھے۔ اپنی ۲۹ مئی ۱۹۴۱ء کی تقریر میں اس جانب اشارہ فرمایا ہے۔

جریدۂ غیر معمولی

جلد (۷۲) حیدرآباد دکن ۲۴ تیر سنہ ۱۳۵۰ف ۲ جمادی الاول سنہ ۱۳۶۰ھ
۲۹ مئی سنہ ۱۹۴۱ء یوم پنجشنبہ نمبر (۱۰)

حسب الحکم عالیجناب رائٹ آنریبل نواب صدر اعظم بہادر
باب حکومت سرکار عالی

بارگاہ جہاں پناہی سے شرف صدور لائے ہوئے فرمان مبارک مؤرخہ یکم جمادی الاول سنہ ۱۳۶۰ھ کے اشاعت کی عزت حاصل

کی جاتی ہے۔ فقط

محمد اظہر حسن
معتمد عدالت و کوتوالی و امور عامہ

فرمان

کچھ عرصہ سے دیکھا جا رہا ہے کہ مذہبی جلسوں میں جو لوگ تقاریر کرتے ہیں تو امور سیاسی کو بیچ میں لاکر اشارتاً و کنایتہً اپنی تقریر کو خلط ملط کر دیتے ہیں (جس کی تصدیق سرکاری رپورٹوں سے ہوتی ہے جو کہ ہر وقت مرتب ہوتی ہیں مگر اس کو پیچھے سے کانٹ چھانٹ کر اخبارات میں طبع کی غرض سے دیا جاتا ہے) اور بعض وقت ایسے جملے بیان کیے جاتے ہیں جس میں غیر مذاہب کی دل آزاری ہوتی ہو (اس کے سوا بعض سیاسی رنگ لی ہوئی پڑھی جاتی ہیں جن کو مذہبی محفلوں سے کچھ تعلق نہیں رہتا) اور دوسری طرف ہندوستان میں کیا ہو رہا ہے یعنی فتنہ و شر کے جلوے آنکھوں کے سامنے ہیں یہ بھی دنیا سے پوشیدہ نہیں ہے لہٰذا ان امور پر نظر کرتے ہوئے اس جنگ میں جب کہ امن و امان ملک کا معرض خطرے میں پڑا ہوا ایسے قابل نوٹس امور کا پیدا ہونا سراسر قرین مصلحت نہیں۔ لہٰذا حکم دیا جاتا ہے کہ آئندہ سے بانیان جلسہ و مقررین امور مذکورہ

بالا پر نظر رکھ کر کام کریں ورنہ قواعد جلسہ ہائے عام ایسے مذہبی جلسوں سے بھی متعلق ہو جائیں گے لہٰذا جلسے اپنی مذہبی نوعیت پر قائم رہنا اور سیاسی حدود میں نہ پہنچ جانا ضروری ہے کیونکہ مذہب اور سیاست دو جداگانہ شئے ہیں جو ایک دوسرے میں مدغم نہیں ہو سکتے۔

یہ جریدۂ غیر معمولی میں طبع کر دیا جائے۔

یکم جمادی الاول سنہ ۱۳۶۰ھ

شرحِ دستخط

اعلیٰ حضرت بندگان عالی متعالی مدظلہم العالی

رہبر دکن ۲۵ تیر سنہ ۱۳۵۰ف م ۳۰ مئی سنہ ۱۹۴۱ء یوم جمعہ

دارالسلام میں کشادگی پرچم آصفی

حضرت قائد ملت نے ۲۸ مئی ۱۹۴۱ء کو یہ تقریر مجلس اتحاد المسلمین کی بارھویں سالانہ کانفرنس میں فرمائی۔ اس تقریر میں ۲۹ مئی ۱۹۴۱ء کے جریدہ غیر معمولی کی طرف بھی اشارہ ہے۔ (مرتب) بحوالہ ۳۰ مئی ۱۹۴۱ء رہبر دکن۔

ایسے زمانے میں جب کہ مختلف قسم کی غلط فہمیاں فضائے حیدرآباد پر چھا رہی ہیں اس پرچم کو بلند کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہوئے اپنے آپ کو جذبہ عقیدت و وفاداری سے معمور پا رہا ہوں۔

میں نے ایک سے زیادہ مرتبہ کہا ہے خدا کو گواہ ٹھہرا کر حلف لیا ہے اور آپ سب کو پابند کیا ہے کہ ہم سب کی اس حیات مستعار کا منشاء سرزمین دکن میں اس علم کی عظمت کو برقرار رکھنا اور اس کے فضائے محیط پر لہراتا دیکھنا ہے اور جو علاقہ اس وقت ہے اس کو مضبوط دیکھنا اور اس کے سایہ کو موجودہ علاقہ سے وسیع تر دیکھنا بھی ہے۔

سیاست و مذہب قطعاً جدا نہیں

میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ علم نشان ہے سرزمین دکن پر آصف جاہی عظمت و سطوت و جبروت کا جس کو مسلمانان دکن سیاسی علم ہی نہیں بلکہ اپنا مذہبی علم بھی سمجھتے ہیں مسلمانان دکن مسلمانان عالم کی طرح یہ ایقان رکھتے اور ہمیشہ ایقان رکھتے، ایمان رکھتے اور پختہ ایمان رکھتے ہیں کہ مذہب و سیاست قطعاً جدا نہیں جو مذہب ہے وہی مسلمان کی سیاست ہے۔ مسلمان کا قرآن جو اس کے مذہب کی اساس ہے۔ یا وہی عظمت و برتری کے سارے قوانین سے بھرا ہوا ہے سیاست کو مذہب سے الگ کرنے لگیں گے تو قرآن کے بعض سوروں کو جن میں سیاست اسلامی بیان کی گئی ہے قرآن سے جدا کرنا پڑے گا جو نعوذ باللہ کسی مسلمان کے ذہن میں بھی نہیں آسکتا۔

پرچم آصفی ایک فقیر کی عطاء ہے

میں یہ کیسے فراموش کر سکتا ہوں کہ حضرت آصف جاہ اول نے اس پرچم کو دربار سیاست میں بیٹھ کر اپنے لیے منتخب نہیں کیا تھا بلکہ یہ ایک فقیر کی وہ عطاء ہے جو سلطنت کو اس وقت ملی تھی جب کہ وہ

دربار دہلی سے پروانہ صوبہ داری لے کر دکن کی طرف چلے تھے۔

پرچم آصفی سے ہماری موت وحیات وابستہ ہے

پرچم آصفی سے وابستگی ہماری ایسی ہی ہے جیسا کہ اپنی جان سے وابستگی ہے اس سے غفلت برتو گے تو اپنے آپ سے، جس قدر اس کی عظمت کو گھٹنا گوارا کرو گے موت سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس پرچم کی بقاء اور وسعت کے لیے تم جیو گے اگر ضرورت ہوگی تو اس کے وقار کے تحفظ کے لیے جان دے دو گے۔ (مجمع سے اللہ اکبر کے نعرے۔) یہ نعرہ خدا کے نزدیک تمہارا وعدہ ہے۔

سرزمین دکن میں اس پرچم کے نیچے کھڑے ہو کر اللہ کی سنناتی ہوئی ہوا اللہ کے دمکتے ہوئے سورج اللہ کے اگتے ہوئے درختوں اور اللہ کے نہ دکھنے والے فرشتوں کو اور تم سب کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں کہ اس پرچم کو قائم رکھنا میری زندگی کا اہم ترین فرض ہوگا میں اس کے لیے جیوں گا اور اس کے لیے مروں گا میرے قطرہ ہائے خون اگر اس کے نقش و نگار کے کام آسکیں تو انتہائی مسرت محسوس کروں گا۔

تخت وتاج آصفی کا باغی واجب القتل ہے

مسلمانو! تمہاری جماعت کے متعلق خیال پیدا کیا جارہا ہے کہ

تم (خدانخواستہ) شاہ ذی جاہ سے عقیدت کاملہ نہیں رکھتے میں جتا دیتا ہوں کہ کوئی مسلمان تخت و تاج آصفی کے ساتھ ذرہ برابر عقیدت میں کمی رکھ کر اس سرزمین پر زندہ نہیں رہ سکتا۔

میں آج اس پرچم کو بلند کرتے ہوئے اعلان کرتا ہوں کہ جو شخص عقیدت میں ذرہ برابر کمی رکھتا ہو وہ وہ میرے نزدیک باغی ہے اور واجب القتل ہے قتل کے لیے مجھ سے زیادہ ہاتھ کسی کا موزوں نہیں ہو سکتا چاہے وہ میری گردن ہی کیوں نہ ہو۔ میرے باپ یا کسی عزیز کا گلا ہی کیوں نہ ہو ان الفاظ کے ساتھ ہی میں پرچم آصفی کو بلند کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

مسلمانوں کا عہد وفا

آؤ خدائے قدوس سے عہد کرو کہ ہم جب تک زندہ ہیں چاہے کتنی ہی مشکلات ہوں اس پرچم کی سلامتی کے لیے ہر طرح تیار رہیں گے۔ ایک مرتبہ پھر ہم عہد کرتے ہیں کہ تخت و تاج آصفی کو جس کو ہم اپنے سیاسی و تمدنی اقتدار کا مظہر سمجھتے ہیں اس کے اقتدار میں

ذرہ برابر کمی کو برداشت نہیں کر سکتے۔

(قائد ملت نے مجمع سے سوال کیا کہ کیا تم عہد کر رہے ہو۔ پُرجوش آواز بلند ہوئی کہ ہم عہد کر رہے ہیں۔ اس پر قائد ملّت نے فرمایا کہ سبحان اللہ۔ خدا ہم سب کو صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرے اور ثابت قدم رکھے۔)

مسلم نوجوانوں کی کانفرنس

حیدرآباد۔ ۲۰ ریر۔ میلانگر سے متصل عارضی تھیٹر "مدنی ہال" میں موتمر نوجوانانِ دکن کا سالانہ اجلاس اس سال کانفرنس کی حیثیت سے ۱۹ ریر جمعہ کو صبح ۹½ بجے قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر کی صدارت میں منعقد ہوا۔ بحوالہ ہیرو دکن ۲۱ مئی ۱۹۴۰ء

(قائد ملت کی صدارتی تقریر۔ قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر نے صدارتی تقریر فرمائی جسے ذیل قرارداد عقیدت پیش کی جس کو ایوان نے کھڑے ہو کر منظور کیا۔)

"موتمر مسلم نوجوانان دکن کا یہ سالانہ اجلاس حضور اقدس و اعلیٰ آصف جاہ سابع ادام اللہ اجلالہٗ سے اپنی پر خلوص وفاداری اور پُر جوش عقیدت کا اظہار کرتا ہے جن کی ذات ہمایہ ملک کی ہر جہتی ترقی کی واحد ضامن ہے۔ مسلم نوجوانانِ دکن پر خلوص دعا ہے کہ باری تعالیٰ ہر جمعہ حضرت بندگانِ متعالی کو ہمارے سروں پر تا دیر باحشمت

وجبروت سلامت رکھے۔ اس خانوادۂ آصفی کو تا قیام قیامت برسر اقتدار رکھے۔"

شاید میرا مرحلہ آسان ہو جاتا اگر مجلس استقبالیہ کے صدر کے اس قابلیت کے ساتھ مرتب کیے ہوئے خطبہ میں آپ اور ملک سے تعلق کے مسائل کا ذکر نہ ہوتا۔ صحیح طریقہ پر مولوی علیق احمد صاحب نعمانی صدر استقبالیہ نے ملک کے نوجوانوں کے جذبات کی ترجمانی کی اور اسے پوری طرح سے ظاہر کیا۔ میرے دوست ابوالمحسن سید علی صاحب نے اپنی افتتاحی تقریر میں نوجوانوں کے تعلق کو واضح کر دیا ہے نوجوان ہی قوم کا معمار ہوتا ہے اور قوم کے مستقبل کا سارا دارومدار نوجوانوں پر منحصر ہے۔ خوش قسمتی ہے کہ نوجوانوں میں جوش عمل پیدا ہو چکا ہے ان میں احساس عمل موجود ہے۔ آگے بڑھنے اور منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے ان میں سچی تڑپ پیدا ہو گئی ہے میں علیق نعمانی صاحب کے الفاظ کی تصدیق کرتا ہوں۔ نوجوانوں کے جذبات کو صحیح راستہ پر ڈالنا ان کے قائدین کا اولین فریضہ ہے ان کا فرض ہے کہ وہ ان کو صحیح راستہ پر ڈالیں۔ مولانا مناظر صاحب سے میں یہ جملہ سنا کرتا تھا کہ نوجوانوں کے جوش عمل کی مثال پانی کی دھار ہے یا سیلاب کی سی ہے جو ماڈریٹ اس سے یہ اندیشہ ہو سکتا ہے کہ کہیں آبادیاں نہ غرق ہو جائیں بہتر طریقہ ہوگا کہ نہ بند باندھا جائے بہاؤ تھوڑی دیر کے لیے روک

لیکن اس کے بعد بہاؤ کی رفتار بڑھ جاتی ہے۔ بجائے اس کے کہ سامنے افقی لائین میں بند باندھیں ترچھے باندھنا چاہیئے آبادی کی بجائے بنجر زمین سیراب ہو وہ زمین جو آباد نہیں آباد کی جائے بیکار مقامات کو کام میں لایا جائے جہاں مردنی ہے اس کو زندگی سے بدلا جائے ہم آج تک ان کے بڑھتے ہوئے جوش عمل کو روکنے کی کوشش نہیں کی اس لیے کہ کام کرنے والوں کی کمی نظر آتی ہے۔

دنیا کی سیاست میں انقلاب آئے ہندوستان کی سیاست بدلی دیسی ریاستوں کی سیاست میں انقلابات رونما ہوئے دنیا کی سیاست کے انقلاب آپ دیکھ رہے ہیں یورپ کا وہ نقشہ نہیں ہے جو ایک ماہ یا دو ماہ قبل تھا۔ لیگ نے اجلاس لاہور میں ثابت کر دیا کہ اس کے پاس قابل قدر حل ضرور موجود ہے جس کو میں مسلم انڈی پنڈنٹ اپنیئن بیان کرتا ہوں۔ اس کا خیال ہے کہ یہ قرارداد مسئلہ کو مشکل تر بنانے کی تجویز ہے بعضوں نے کہا کہ گائے کو دو ٹکڑوں میں کاٹ دینے کے برابر ہے۔ خالانکہ میں کانگریس میں راج گوپال چاری کو سنجیدہ سمجھتا تھا بعض نے کہا کہ پہلے سے محفوظ کو غیر محفوظ تر بنانے والی تجویز ہے بعض کہتے ہیں کہ اسلامی کلچر تہذیب کی نمایاں خصوصیتوں کو اقلیتی صوبوں میں چھوڑ کر اسے تباہ کرنا ہے۔

اس وقت صرف اس قدر کہہ دینا ہے کہ مسلم لیگ کی اسکیم انڈی پنڈنٹ اسپرٹ کا تصور فطرت و جذبات اسلامی کے عین مطابق ہے یہ امر کسی شبہ اور گمان کا محتاج نہیں رہا کہ ہندوستان میں دو قومیں بستی ہیں چاہے کانگریس اور اس کے حواری کتنا ہی چلائیں۔ مسلمان اپنی قومیت کے تصورات میں نہ وطنیت نہ رنگ اور نسل کا پابند ہے اسلامی قومیت ایک رابطہ دینی کا نام ہے جو مشرقی۔ مغربی کو ایک زنجیر میں جکڑ دیتی ہے۔

میں شبہ اور تذبذب کو کفر سے بدتر سمجھتا ہوں۔ ہندوستان کے مستقبل میں دکن کے قیام کا تعین ضروری ہے اور یہ زندگی کی وہ روح ہے جس کو اگر سلب کر لیا جائے تو میں مردہ ہوں، میں ہندوستان کی سیاست میں تذبذب کو گوارا نہیں کرتا۔ یہ کفر نہیں تو کفر سے بدتر ضرور ہے۔

بعض مسلم لیگی اس تجویز کو ڈراوا اور بعض راستہ کی مشکل تر چیز تصور کرتے ہیں لیکن میرا ایقان ہے کہ اس اسکیم میں ہندوستان کی موجودہ کشمکش اور فرقہ واریت کا حل مضمر ہے جناح سے بڑھ کر نہیں تو جناح سے بڑھ کر کسی کا پختہ ایقان نہیں ہو سکتا۔

کاش مسلمانان دکن [illegible] کی مرضی میری مرضی ہے اور

اجازت دیتے تو انڈی پنڈنٹ اسکیم میں اپنے ہاتھ لیتا اور بتاتا کہ یہی سارا حل ہے اور اسی کے ذریعہ آرام و امن حاصل کیا جا سکتا ہے۔

مسلم نوجوانانِ دکن سن لیں یہ اسکیم برطانوی ہند کے سیاسی مسائل کا حل ہے اس اسکیم پر غور کرتے ہوئے حیدرآباد کا تصور اپنے ذہن میں رکھ کر پریشان ہونے والے انتہائی غلط نظر سے دیکھ رہے ہیں حیدرآباد کے حال اور مستقبل کو کسی سے تعلق نہیں۔ حیدرآباد کا حال حیدرآباد کے لیے اور حیدرآباد کا مستقبل حیدرآباد کے لیے ہے۔

دارالسلام کی گونجتی ہوئی آوازیں یاد ہیں جیسا کہ خلیق صاحب نے میرے خطبہ کے الفاظ کو سنایا اور ابوالحسن صاحب کا خطبۂ افتتاحیہ کا وہ حصہ یاد ہے جس میں حیدرآباد کے مرتبہ کو پوری اہمیت اور ذمہ داری سے واضح کیا گیا ہے اور جس کی بازگشت اتحاد المسلمین کے سالانہ جلسہ میں میری زبان سے سنائی گئی۔ یہ سارے دیسی راجواڑوں کی آواز تھی جو ایک ہیئت بعد چیمبر آف پرنسز کے خطبۂ صدارت سے واضح ہو گئی۔ مجلس اتحاد المسلمین تمہیں کس طرح صحیح راستہ پر لے جا رہی ہے اس کے برعکس تمہارے مستقبل پر کس طرح صحیح طریقہ پر غور کر رہے ہیں۔ مجلس مستقبل کی طرف مضبوط اور صحیح قدموں کے ساتھ بڑھ رہی ہے عالمی انقلابات ان کے مستقبل کو زیادہ درخشاں کر دیں گے۔

اب اس وقت کو دور نہ ہونا چاہیئے کہ برطانوی دانشمندی کو اب زیادہ دنوں تک محوِ خواب نہ رہنا چاہیئے وہ وقت آچکا ہے اس وقت کو جلد آنا چاہیئے کہ حیدرآباد نے ہمارے دامنِ سایہ اور ہمارے واحد نمائندہ اعلیٰ حضرت بندگان عالی کے اقتدارات میں مشوروں کے ناموں سے جو مداخلتیں جاری رکھی گئی ہیں ان کو ختم ہو جانا چاہیئے۔ مسلمانانِ دکن اس کو اس سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتے۔ دوسروں کے دینی حقوق پر لڑنے والے برطانیہ سے توقع نہیں کہ دکن کے حقوق کو نظر انداز کر دے گا۔

نوجوانو! اپنی بہترین تمناؤں اور بہترین آرزوؤں کو وابستہ کرتے ہوئے رخصت ہوتا ہوں۔ تم میری آہ ہو، تم میری تمنا ہو تم کو دنیا میں درخشاں ہوتا، پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتا ہوں۔

ایک اعتراض کیا جاتا ہے جس کا جواب دیتا ہوں کہ نمود کی تمنا، نمائش کا شوق، قیادت کی آرزو لوگوں میں کارفرما ہے۔ اس کا اندیشہ کرنے والے سمجھتے کہ اگر یہ چیزیں ان میں کارفرما نہ ہوتیں تو میں زندہ نہ سمجھتا آگے بڑھنے کی تمنا فطرت انسانی کا تقاضہ ہے آگے بڑھنے والے ہی زندہ ہیں اور زندہ رہنے کا ان کو حق ہے اور اس تمنا کو پیدا کرنا میرا مقصد زندگی ہے۔ بڑھو تو

پوری قوت کے ساتھ، دوسرے کے ساتھ ٹکراؤ نہیں۔ اپنی قوت اور اپنے بل بوتے پر کیے جاؤ۔ میدانِ عمل اپنی وسعتوں کے اعتبار سے بے پناہ ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ دکن کے نوجوانوں میں عمل کی ساری صلاحیتیں موجود ہیں ساری دنیا نفاق و شقاق میں گھری ہوئی ہے اور تم اتحاد و اتفاق کے ساحل پر مسکراتے کھڑے ہو۔ سب طرف ٹکر ہے لیکن تم متحد ہو۔

پرچم آصفی

مولوی فضل حسین صدر مجلس ورنگل کی صدارت میں مجلس اتحاد المسلمین چنچلگوڑہ کا سالانہ جلسہ ۱۳ ستمبر ۱۹۴۱ء کو روبرو دیوڑھی نواب جنید یار جنگ مرحوم احاطہ نواب عزیز احمد خاں منعقد ہوا۔ اس موقعہ پر حضرت قائد ملت نے پرچم آصفی کی پرچم کشائی کرتے ہوئے جو تقریر فرمائی وہ ہدیہ ناظرین ہے۔ بحوالہ پیام دکن مورخہ ۱۴ ستمبر ۱۹۴۱ء۔

جب کبھی میں اس محلہ میں پرچم آصفی بلند کرتا ہوں تو مجھے دکن کی گذشتہ تاریخ کے وہ اوراق یاد آجاتے ہیں جو آپ کے پرعظمت کارناموں سے مملو ہیں۔ آپ کا خاندان قدیم سپاہیوں کا خاندان ہے جنھوں نے سلطنت آصفیہ اسلامیہ کی بنیادیں رکھیں۔ آج میں آپ کو اپنے اجداد کی پوری سپاہیانہ شان کے ساتھ دیکھ کر مسرور ہو رہا ہوں۔

بھائیو! جیسا کہ میں نے گذشتہ مواقع پر کہا ہے پرچم آصفی

ہماری عظمت گذشتہ کا نشان اور عظمت موجودہ کی علامت ہے۔ علاء الدین خلجی سے لے کر آج تک مسلمانوں نے اس سرزمین پر اپنی عظمت کے جو نشانات چھوڑے ہیں ان میں سب سے زیادہ پر عظمت نشان یہ پرچم آصفی ہے۔ اس کی بلندی ہماری بلندی ہے اور اس کی سرنگونی ہماری سرنگونی ہے۔

دکن کے فرزندو۔ میں تم سب کو گواہ ٹھہرا کر، اللہ کی زمین کو گواہ ٹھہرا کر، آسمان پر چھائے ہوئے ابر کو گواہ ٹھہرا کر اس میں چھپی ہوئی بجلیوں کو گواہ ٹھہرا کر وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک زندہ رہوں گا اس پرچم کو بلند رکھنے کی کوشش کروں گا۔ اس بلندی کے راستے میں اپنے خون کا آخری قطرہ تک نچھاور کردوں گا۔

بھائیو! جہاں میں نے یہ عہد کیا ہے۔ تم بھی اپنی آنکھیں بند کرو۔ اپنی گردنیں جھکاؤ اور خدا کے حضور میں عہد کرو تمھاری بھی یہی کوشش رہے گی اور پرچم کے راستے میں اگر تمھاری ضرورت پیش آئے تو تم کبھی پیچھے نہ ہٹو گے۔

بھائیو! ایک بات یاد رکھو اس کو دھرانا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ زمانہ بدل رہا ہے اور بدلتا رہے گا۔ ایک زمانہ تھا کہ تمھارے اجداد کے گھوڑوں کی ٹاپوں میں زمانہ کی ظفرمندیاں کھیلتی تھیں۔

آج بھی میخانہ آباد ہے قم و مینا کھڑک رہے ہیں۔ میکش بڑھ کر ساقی کے ہاتھ سے جام چھین کر شاد کام ہو رہے ہیں اور خاموش رہنے والے اپنے حصہ سے محروم ہیں۔ خاموش رہنے والوں کو جام نہیں ملتا ہے۔ شاد عظیم آبادی نے یہ کیا خوب کہا ہے ؎

یہ میخانہ ہے یہاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
اٹھایا جس نے بڑھ کر ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

خواب کی دنیا سے باہر آؤ۔ تصورات کے عالم سے نکل کر زمانے کے حقائق کو دیکھو۔ میرے کانوں نے سنا ہے میرے دل نے محسوس کیا ہے میری آنکھوں نے دیکھا ہے۔ میرے چوبیس گھنٹے تمہارے مستقبل کا خاکہ بنانے میں صرف ہوتے ہیں۔ اپنے مستقبل سے بے خبر رہنے والو میرے مستقبل میں شریک ہو جاؤ۔ میرا مستقبل بن کر رہے گا تمہارا اور میرا مستقبل دونوں کا مستقبل قدرت کے نزدیک بلند ہے اس لیے تمہارا اور میرا مستقبل کوتاہ نہیں ہو سکتا

مجلس اتحاد المسلمین لاتور کے جلسے میں قائد ملت کی تقریر

(بحوالہ رہبر دکن ۱۴ ستمبر ۱۹۴۱ء)

نہ تلاش کیا کریں بلکہ وقت کے لیے کام تلاش کیا کریں جو وقت بھی آپ دے سکتے ہوں وہ مقرر اور مسلسل ہو اور مقررہ وقت میں کوئی دوسرا کام بغیر مجلس کے کام کے نہ کیا جائے۔

کمیٹیوں کے ذریعہ کام کرنے کا طریقہ ذمہ داری کو مشترکہ بنا دیتا ہے اور اس لیے صدر صاحبان کو چاہیے کہ وہ کام کے شعبوں کو اپنے ارکان عاملہ یا ارکان عام پر اس طرح تقسیم کریں کہ ذمہ داری کسی ایک شخص پر رہے۔ اور وہ چاہے تو اپنی کمیٹی بنائے اور دوسروں کو اس میں شریک کرے چنانچہ مرکزی مجلس نے اب یہی طریقہ کار اختیار کیا ہے۔

ہمارے وہ اچھوت بھائی جو اپنے آپ کو اچھوت کہتے ہیں لیکن میں نہیں کہتا کیونکہ جو لوگ اسلام کے اصول پر چلتے ہیں اور کلمہ پڑھتے ہیں وہ حسب فرمان ایزد باری تعالیٰ انما المومنون اخوۃ۔

میرے حقیقی بھائی کی طرح ہیں لیکن جو کلمہ نہیں پڑھتے میرے بھائی بہ حیثیت انسان ہیں جن کی امداد میرا فرض ہے بشرطیکہ وہ میرے دشمن نہ ہوں۔ سارے انسان اللہ کا ایک کنبہ ہیں اس لیے اچھوت بھائی تو ضرورت مند ہے بے سہارا ہے اور مظلوم ہے اور تجھ کو پناہ نہیں مل سکتی ہو تو تجھ کو رسول اللہ کے دامن میں سہارا مل سکتا ہے۔ آپ نے غیر مسلموں کے ساتھ اسلامی نقطۂ نظر کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر کافر مسلمان کا دشمن نہیں ہے تو مسلمان اس کے ساتھ حق دوستی ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔ میں اپنے خطبۂ صدارت میں مجالس کو ہدایت کی ہے کہ ہریجنوں کی خدمت اپنا فرض سمجھیں لیکن میری دوستی کا پیمانہ اور اس کا اندازہ تمہارے انداز اور پیمانہ کی مناسبت سے ہوگا اگر تم زبانی دوست ہو تو میری دوستی بھی زبانی ہوگی اور اگر تم دل سے دوست ہو تو میری دوستی بھی دل سے ہوگی۔ ایک چیز میں تم کو جتا دینا چاہتا ہوں کہ تم اس بلی کی طرح نہ رہو جو دیوار پر بیٹھی ہوئی وقت کے لحاظ سے ادھر یا ادھر کود نے کا فیصلہ کرنے کی منتظر ہو۔ میرا ہاتھ دوستوں کے لیے ہر وقت بڑھا ہوا ہے لیکن جس کے دل میں کھوٹ ہو اس کو معلوم ہونا چاہیئے کہ میرا ہاتھ کسوٹی ہے اور میرے ہاتھ پر آکر اس کے سارے جوہر کھل جاتے ہیں۔

کانفرنس کارکنان و رضاکاران اتحاد المسلمین

دارالاتحاد جالنہ کے وسیع پنڈال میں مولوی ابوالحسن سید علی صاحب رکن عاملہ ملکی مجلس کی صدارت میں ۴ جنوری ۱۹۴۲ء کو... کارکنان و رضاکاران اتحاد المسلمین کی کانفرنس میں حضرت قائد ملت نے جو تقریر فرمائی ہدیۂ ناظرین ہے۔ بحوالہ رہبر دکن ۵ جنوری ۱۹۴۲ء

رضاکار میری اصطلاح میں اللہ کے سپاہی کو کہتے ہیں جس کو کوئی تنخواہ کوئی امداد نہیں ملتی جو ساری خدمت کسی دنیاوی انعام یا کسی دنیاوی اجر کسی دنیاوی راحت کی توقع پر نہیں کرتا بلکہ وہ اللہ کی خاطر جیتا ہے اور اللہ کی خاطر مرتا ہے۔ گو میں اس وقت تمہارے خاکی لباس میں نہیں لیکن تم میں جو جذبہ کارفرما ہے وہی مجھ میں بھی ہے دوسرے کی مرضی کے مطابق جیتا ہوں، اور اس کی مرضی کو اپنی مرضی بنانے کی سعی کرتا ہوں چونکہ میرا معاوضہ تم پر نہیں اور نہ تم سے کسی

معاوضہ کا طالب ہوں۔ اس لیے تم سے اپنے لیے کوئی بدلہ نہیں چاہتا۔ یہ بدلہ صرف اللہ کے پاس ہے۔

رضا کار صرف خاکی وردی کے پہننے یا پاؤں ملا کر چلنے کا نام نہیں عمل کی یکسانیت کا نام رضا کار ہے۔ رضا کاروں کی قوت کا انحصار جسم سے زیادہ دل پر ہے دل میں ملت کے لیے صحیح تڑپ اور بیتابی پیدا کرو جسم ملیح کی انگوٹھی ہے جس کی بازار میں کوئی قیمت نہیں۔ اب اس شان ہی کی لاج رکھو جو تمھارے ہاتھوں میں ہے اگر خدا کی خاطر نہیں میری خاطر نہیں تو اس لباس کی خاطر جو تمھارے دلوں کو ملت کا ترجمان بنا رہا ہے۔ اللہ کے سپاہی کہلانے والو اللہ کے ہو جاؤ۔ تمھارا ہر قدم تمھارا دل اور تمھاری نگاہ صرف خدا ہی کو پکارے۔ خدا۔ خدا۔ خدا۔ تمھارے اوپر تمھارے نیچے خدا۔ تمھارے بازو خدا تمھارے ساتھ خدا تمھارے پیچھے خدا۔ جب تک تم میں یہ جذبہ پیدا نہ ہوگا تو تم حقیقی رضا کار نہیں بن سکتے۔

خدا کی مرضی میں اپنی مرضی کو ضم کر دو۔ رضا کار کا مالک پہلے خدا ہے تو بعد میں سالار۔ اگر تم خدا کے ہو گئے تو سمجھو کہ سپہ سالار تمھارا ہے اور تم سپہ سالار کے ہو۔

آج میں تمھارے کیمپ میں گیا تھا تم سب کو اچھی طرح دیکھا

لیکن میں محسوس کر رہا ہوں کہ رضا کاروں میں ابھی تنظیم نہیں ہوئی ہے رضا کاروں کے کیا اصول ہیں میں اس کی وضاحت کروں گا۔ میں رضا کار ہوں اور ہمیشہ رہوں گا۔ یہی عبدالجبار خان المسلم میرے سالار رہ چکے ہیں اور ان کے ہاتھوں میں پٹ چکا ہوں اور گلبرگہ کے کیمپ میں ایک دفعہ (۶) بیلچے لے کر سزا میں پہرہ بھی دے چکا ہوں۔ یہ سب کچھ کیوں کیا صرف صحیح رضا کار بننے کے لیے۔ رضا کارو۔ رضا کاری میں سب سے پہلے دوسرے کے مقابلے میں شدید اور اپنے مقابلے میں نرم ہونا ہے۔ سالار کی جھڑکی کو جھڑکی نہیں بلکہ حکم سمجھو جو ..... سے کی جھڑکی کا مقابلہ اپنی خوی سے نہیں کر سکتے وہ مستعد نہیں ہو سکتے ..... کبھی سالار کی طرف سے اپنے دل میں کینہ کو جگہ نہ دو مجھے یہاں آنے کے بعد سالاروں کے خلاف تمہاری روش کا پتہ چلا لیکن تم کو اپنے عمل کی شدت اور عزائم کی بلندی سے صورت حال کو بہتر بنانا چاہیے۔ تم رضا کار ہو اور صرف رضا کار ہو۔ رضا کار کا کام آپس میں اختلافات کو پرورش پانے دینا نہیں بلکہ جہاں ایسی صورت پیدا ہو تو گفتار دلیرانہ اور کردار قاہرانہ سے اس کو ختم کر دو۔ یہی شانِ رضا کاری اور یہی آنِ رضا کاری ہے۔

میں رضا کاروں سے جو کہنا چاہتا تھا وہ کہہ دیا اب سالاروں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ابھی تمہارے لگائے ہوئے پودے سخت نہیں

ہوے۔ ابھی پانی اور نگہداشت کی سخت ضرورت ہے ورنہ تمھاری غفلت ان پودوں کو تباہ کر دے گی اس لیے ان کی اچھی دیکھ بھال کرو اور ان کو پھلنے اور پھولنے دو یہ پودے تمھارے رفقا کار ہیں ان سے صلاحیت کے ساتھ کام لو۔ شاید اقبال مرحوم نے اسی وقت کے لیے فرمایا تھا ؎

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

حکم بھی دو تو بہ انداز وقار جس سے عزتِ نفس نہ ٹوٹنے پائے اور تمھاری سالاری کو بھی ٹھیس نہ لگنے پائے۔

ورنگل میں پرچم کشائی

جلسہ سالانہ مجلس اتحاد المسلمین ورنگل میں ۱۸ مارچ ۱۹۴۲ء
کو قائد ملت نے جو تقریر فرمائی ہدیۂ ناظرین ہے۔ بحوالہ رہبر دکن ۲۰ مارچ ۱۹۴۲ء

میں آج سرزمین ورنگل سے ایک مرتبہ پھر آپ کو مخاطب کر رہا ہوں۔ ورنگل کی سرزمین حیدرآباد کی تاریخ میں ایک بہت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ صوبہ کا صدر مقام ہونے کی حیثیت سے اس کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ مجلس اتحاد المسلمین نے جب مسلمانان دکن کو مستقبل کی طرف متوجہ کرنا شروع کیا تو ورنگل نے لبیک کہنے میں اپنے کو کسی سے پیچھے نہیں رکھا۔ ورنگل کو اللہ تعالیٰ نے ایک بہت اچھا قائد عطا فرمایا ہے۔ دیگر حضرات نے بھی مجلس کے کاروبار کو آگے بڑھانے کا عزم کر لیا ہے۔ آج میں خدائے قدوس کے نام سے اس جلسہ کا افتتاح کرتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آج کا جلسہ ہماری جدوجہد کے آغاز کی نشانی ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ اس جلسے کے

بعد آپ یہ نہ سمجھیں گے کہ ہم کو صرف جلسہ ہی نہ کرنا ہے۔ کہ جلسہ کو بانگ درا اور آوازِ جرس بنائیں گے اس کے ذریعہ سے سوئے ہوئے قافلے جاگ اٹھتے ہیں میں ان نیک تمناؤں کے ساتھ اس جلسہ کے افتتاح کی سعادت حاصل کرتا ہوں مسلمانوں سے میری مودبانہ درخواست ہے کہ وہ مجالس کے صحیح مقصد کو سمجھیں گے۔ قوموں کی زندگی میں انشار پردازوں کا وہ قلم کام نہیں کرتا جو جلسوں میں مقررین کی تقریریں کرتی ہیں۔ میں بہت خوش ہوں کہ آج کے جلسہ میں اطراف و جنگل کے تمام مسلمان شریک ہیں۔ میں صدر جلسہ استقبالیہ اور اُن کے رفقاء کو جلسہ کی کامیابی پر مبارک باد دیتا ہوں۔

دارالسلام میں جلسۂ سیرت

قائدِ ملّت کی تعارفی تقریر

اس جلسے میں جو ۱۰ مئی ۱۹۴۲ء کو مہاراجہ صاحب محمود آباد اور جمال میاں فرنگی محل مدعو تھے۔ ابتدائی تقریریں حضرت قائدِ ملت نے ہر دو اصحاب کا حاضرین سے تعارف کروایا۔ افتتاحی تقریر بھی ساتھ ہی درج ہے۔

(قائدِ ملّت نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا کہ جلسہ کی اہمیت سے ہم اچھی طرح واقف ہیں۔ ہم بے حد مصروف ہے اور ابھی صدر اعظم بہادر کے پاس سے چلے آرہے ہیں لیکن ہم نے ایک منٹ بھی وہاں فضول صرف نہیں کیا۔ میں اس وقت نہ صرف آپ سے بلکہ مسلمانانِ دکن کی جانب سے راجہ صاحب کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ مسلمانانِ دکن کے دلوں میں راجہ کا مقام بہت بلند ہے آج ہم ان راجہ صاحب کا ان

کی بلند مرتبگی ان کی وجاہت اور ان کی شان امارت کی وجہ وہ اودھ میں خاص مقام رکھتے ہیں یا وہ ہمارے ایسے روساء میں سے ہیں جن کا تمول اور جن کا خاندانی اعزاز باعث فخر و مباہات ہیں اگر اس حیثیت سے بھی احترام کریں تو حق بجانب ہوں گے لیکن آج ہم اس دنیا میں نام و نہاد کے لیے ان کا خیر مقدم نہیں کر رہے ہیں قطعاً ہم ان کی دولت اور خاندانی وجاہت سے ان کا احترام نہیں کر رہے ہیں بلکہ ان کے دل میں جو قوم کے لیے حقیقی تڑپ ہے اور اگر کوئی اپنے تمول کے باوجود فقر کو شان امارت سمجھتا ہو اور کسی کا قلب اگر قوم کے لیے محزون رہتا ہے تو وہ راجہ صاحب کا قلب ہے جس میں جذب کرنے کا وافر مادہ موجود ہے۔

آج آپ جس راجہ کو یہاں بیٹھا ہوا پا رہے ہیں وہ لاکھوں روپوں والا راجہ ہے جو کھدر کے لباس میں اطمینان قلب کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ یہ قائد اعظم محمد علی جناح کے دست راست ہیں جن پر قائد اعظم کو فخر حاصل ہے۔ راجہ صاحب سے میری ملاقات اپنی قومی خدمات کے سلسلہ میں ہوئی میں نے ان کو ایک بہترین سیاس، ایک اچھا مدبر اور ایک جانباز سپاہی پایا۔ راجہ صاحب کے ان ہی اوصاف نے مجھے مجبور کیا کہ میں ان سے محبت کروں۔ حیدرآباد قابل مبارک باد ہے کہ وہ ایسے جوان ہمت اور الوالعزم خادم ملت کے دیدار سے اپنے کو مشرف کر رہا ہے۔ راجہ صاحب

کی تشریف آوری چاہے کسی بناء پر اچانک ہی کیوں نہ ہوئی ہو لیکن انھوں نے میری درخواست قبول کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میں جلسہ میں ضرور شریک ہونگا لیکن میری شرکت خاموش رہے گی میں نے تو اپنا حق ادا کر دیا اب ان کی خاموشی آپ کے تقاضہ اور اثر پر منحصر ہے۔

(نوابہ ملت نے مولانا جمال میاں صاحب فرنگی محل کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ)

اس نوجوان اور محترم عزیز کے متعلق جن کو میں ہمیشہ رشک کی نگاہوں سے دیکھا کرتا ہوں مستقبل کی ساری توانائیوں کو پا رہا ہوں اور ان کا مستقبل مجھے ان کے حال سے زیادہ شاندار نظر آرہا ہے۔ مولانا جمال میاں صاحب فرنگی محل حضرت مولانا عبدالباری مرحوم کے فرزند ہیں آپ کو اپنے والد بزرگوار سے علم اور فضیلت ملی ہے۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔

اختتامی تقریر

آپ نے دو بہت ہی اچھی تقریریں سنیں ایک تقریر سے انکار سنا جو اپنی جگہ پر مکمل تقریر تھی میں سمجھتا ہوں ملک کو ہمیشہ ابوصاحب سے شکایت رہتی ہے کہ وہ بہت کم تقریریں کرتے ہیں اور یہ شکایت عام

ہے لیکن ان کی تقریریں عمل کا صحیح نمونہ ہوتی ہیں۔

میں نے آج جو آپ کو زحمت دی تو اس کی غرض صرف ایک تھی کہ آپ کے سامنے ہندوستان کی امارت اور تمول جو فی الحقیقت حیدرآباد کے لیے بہترین نمونہ بن سکتا ہے پیش کروں۔

ہمارے ہاں تین طبقے ہیں۔ ایک غریب طبقہ دوسرا متوسط الحال طبقہ اور تیسرا امیروں کا طبقہ لیکن ہر جگہ غریبوں ہی نے ملت کی لاج رکھی اور کل ہند مسلم لیگ کو بھی اپنے غریبوں کی پائی پائی سے امداد مل رہی ہے خدا غریب کو سلامت رکھے علامہ اقبال مرحوم نے صحیح فرمایا ہے۔

امرا نشۂ دولت میں ہیں غافل ہم سے
زندہ ہے ملت بیضا غربا کے دم سے

خدا ملت کے غربا کے دم کو سلامت رکھے لیکن ہمارے یہاں متوسطین کا جو طبقہ ہے وہ ملازمت کی مسلک میں ہے میں ان کی اس علیحدگی اور ملازمت پر ان سے نالاں نہیں ہوں۔ وکن میں ملازمت مسلمانوں کے اقتدار کا باعث ہے اور میں اس کو اقتدار کا ایک لہ تصور کرتا ہوں۔

تیسرا طبقہ امرا کا ہے جو اپنے کو حیدرآباد کی دولت کے وارث اور جائز مالک سمجھتے ہیں لیکن جسم ان کے اس بوجھ کو اٹھانے سے قاصر ہیں اور وہ اپنی دولت کے مصرف کو صحیح طور پر نہیں جانتے۔ میں ان ہی

امراء سے مخاطب ہو کر ان کے سامنے ایک نمونہ پیش کرنا چاہتا ہوں حقیقت کا اور صحیح امارت کا۔ اگر امیر اپنی امارت اور دولت کے صحیح مصرف کے لحاظ سے امیر کہلا سکتا ہے تو وہ راجہ محمود آباد ہے جن کے لیے قارون کا خزانہ نعمت الٰہی نہیں بلکہ عذاب الٰہی ہے۔ اگر میں راجہ محمود آباد کو قارون کی طرح پاتا تو ان کو آج امارت کا صحیح حامل نہیں سمجھتا۔ اس راجہ کی دولت سلیمان کی دولت ہے اور اس کی دولت عثمان غنی کی دولت ہے۔

مسلمانانِ دکن تم میں بھی ایسے امیروں کی کمی نہیں خدا نواب دوست محمد خاں صاحب کو سلامت رکھے ان کی دولت اور ان کی امارت مسلمانوں کے لیے وقف ہے اس کو سن کر آج مسلمان انتہائی فخر و مباہات حاصل کر رہے ہوں گے۔ خدا ہمارے امیروں کو نواب دوست محمد کا پرتو عطا فرمائے۔

ہز اکسلنسی قونصل جنرل مصر کے اعزاز میں عصرانہ

حضرت قائد ملّت کی عربی زبان میں تقریر

حیدرآباد۔ ۹ رآبان: ہز اکسلنسی قنصل جنرل متعینہ بمبئی کے اعزاز میں بیت الامت بیگم بازار میں قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر کی جانب سے عصرانہ ترتیب دیا گیا تھا جس میں علماء، امراء اعلیٰ عہدیداران سرکار عالی وکلاء و ارکان اتحاد المسلمین کے علاوہ اکثر معززین شریک تھے۔ نواب صاحب اپنے احباب کے ساتھ مہمانوں کا استقبال کررہے تھے۔ اختتام پر رائٹ آنریبل سر اکبر حیدری نے ہز اکسلنسی قنصل جنرل کو تمایلوں کی گونج میں پھول پہنائے اور نواب بہادر یار جنگ بہادر نے بزبان عربی ہز اکسلنسی کا خیر مقدم کرتے ہوئے تقریر کی جس کا جواب دیتے ہوئے ہز اکسلنسی نے نواب صاحب کی عربی تقریر پر اپنی مسرت کا اظہار کیا اور فرمایا کہ میں انگریزی میں تقریر کرتا لیکن اسلامی اجتماع میں عربی میں تقریر کرنے پر میں اپنے آپ کو

مجبور پاتا ہوں۔ مصر اور حیدرآباد دو حقیقی بھائیوں کے زیر سیادت ہیں۔ نواب بہادر یار جنگ بہادر نے ہز اکسلنسی کا خیر مقدم کرتے ہوئے عربی زبان میں تقریر فرمائی۔ تقریر بجواب ریڈیو دکن ۱۴ دسمبر ۱۹۴۲ء

حمد و ثناء اس خدائے بزرگ و برتر کے لیے سزاوار ہے جس نے ایمانی اخوت کو سب سے زیادہ مضبوط و استوار رشتہ اور اسلامی رابطہ کو ایک متعین و ناقابل شکست رابطہ بنایا اور درود اس برگزیدہ نبی عربی صلعم پر جس نے عرب و عجم کو ایک کلمہ پر جمع کر کے مشرق و مغرب میں مسلمانوں کو ایک امت ہونے کا شرف عطا کیا۔

صاحب المعالی میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے عطا کیے ہوئے اس بیش بہا موقع پر دولت آصفیہ اسلامیہ کے مسلمانوں کے وہ جذبات عقیدت و عقیدت جو ان کے دلوں میں موجزن ہے۔ خدا مصر کو بادشاہ کی عنایتوں سے مدت دراز تک مہر و اندوز ہونے کا موقع دے اچھا فرمانروا رعیت کے لیے اللہ کی بہترین نعمت ہے اور ایک باخبر بادشاہ رعایا کی خوشحالی کے لیے سب سے بڑی ضمانت ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ بعنایت آپ اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خاں بہادر شاہ دکن کی عنایتوں سے رفاقت و سعادت کی زندگی بسر کر رہے ہیں ہمارے

اعلیٰ حضرت وہ باخبر اور تجربہ دار فرمانروا ہیں جو رعایا کے سکھ چین کے لیے اپنے سکھ چین کو قربان کر دیتے ہیں وہ ہمارے لیے اللہ کی بڑی نعمت ہیں خلد اللہ ملکہٗ وسلطنتہ۔

اخلاء المنونون اخوۃ ہم مصر و حیدر آباد کو دو ایسے دیار سمجھتے ہیں جو دو حقیقی بھائیوں کے زیر سیادت ہوں میں پچھلے دنوں مصر جانے کی مسرت حاصل کر چکا ہوں مصریوں نے جس طرح مجھے خوش آمدید کہا ارباب حکومت اور علماء نے جس کشادہ پیشانی کے ساتھ میری مہمان نوازی کی اس کے نہ مٹنے والے نقوش میرے قلب پر مرتسم ہیں۔ آج جناب والا کو اپنے یہاں دیکھ کر میں محسوس کرتا ہوں کہ وہ تمام نقوش پھر سے تازہ ہو گئے ہیں۔

میرے محترم دوست دولت اسلامیہ آصفیہ اور دولت اسلامیہ مصر کے مابین روحانی اور مادی دونوں قسم کے ایسے روابط ہیں جو ہم کو ایک جماعت بنا دیتے ہیں۔ دینی اشتراک کے علاوہ عربی زبان کا واسطہ ایک مستحکم واسطہ ہے یہ عربی پڑھتے ہیں اور دولت آصفیہ اس کی ترویج کے لیے ہر طرح مساعی ہے۔ کوئی سرکاری یا غیر سرکاری مدرسہ ایسا نہیں جس میں اس زبان وحی کی تعلیم کا انتظام نہ ہو ان کے علاوہ جامعہ مصریہ اور جامعہ ازہر میں ہم اپنے بچوں کو تعلیم کے لیے بھیجتے

ہیں بہتر سے افراد اس وقت ہمارے ہاں عربی زبان کی خدمت کر رہے ہیں جنھیں مصری جامعات سے اعلیٰ سند رکھنے کی عزت حاصل ہے ہماری مصری ٹوپیاں اگر ہمیں وضع و شعار میں مصری بنا دیتی ہیں تو وہ نفیس مصری مصنوعات جن کی کثیر مقدار ہر سال درآمد کی جاتی ہے ہمارے افکار و خیالات کو مصری سانچہ میں ڈھالتی ہیں۔ بہت دن نہیں ہوئے کہ جامعہ ازہر کا ایک سرکاری وفد استحاد تعلیم اسلامی کی غرض سے ہمارے یہاں آیا ہم جناب والا کے واسطے سے ازہر کا تمام مسلمانوں کی طرف سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ وہاں سے اسلامی تعلیمات کے پھیلانے اور دین حق کی طرف دفاع کی خدمت انجام دینے کی مسلسل کوشش ہوتی رہی ہے۔

ہمیں معلوم ہے کہ جب کبھی اسلامی عقائد اور اسلامی ثقافت پر اندرونی و بیرونی حملہ کیا گیا ہے تو جامعہ ازہر جملہ اداروں کے مقابلہ میں سد سکندری ثابت ہوئی ہے۔

میرے محترم دوست دنیا نے ایسا خطرناک دور جس سے ہم گزر رہے ہیں شاید نہیں دیکھا ہوگا۔ اس کا احسان ہے کہ مسلمانوں کے لیے یہی خطرناک اور ان کے باہمی ارتباط تعاون اور بنیاد مرصوص ہو جانے کے لیے سب سے زیادہ سازگار ہے شاید اتنے مخلص زعما اتنے سمجھدار

اہلِ قلم اور اتنے صالح فرمانروا کبھی اکٹھا نہ کیے ہوں یہی وجہ ہے کہ میں ایک پرانی امید کے بر آنے کے لیے اپنے آپ کو بہت رجائی پاتا ہوں میں مسلمانوں کو چوکانا چاہتا ہوں کہ وقت کے ہاتھ سے چلے جانے سے پہلے وہ اس سے فائدہ اٹھالیں۔ اس سے زیادہ تصریح کی ضرورت میں محسوس نہیں کرتا۔ خصوصاً آپ جیسے بالغ نظر مدبر کے سامنے میرے دوست ہم پر اس نازک دور میں انفرادی و اجتماعی بہت سی ذمہ داریاں ہیں۔ سچ کہا ہے سچ کہنے والے نے جس کی صداقت پر قرآن گواہ ہے۔ کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ۔

آخر میں میں اپنی طرف سے اور تمام مسلمانوں کی طرف سے آپ کی خدمت میں معزز بھائیوں اور معمر کے محبوب فرمانروا کی خدمت میں پُرجوش تحیات پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی نعمتوں سے نوازے اور ناپسندیدہ حوادث سے دوچار نہ کرے۔

کارکنان مجلس اتحاد المسلمین چنچل گوڑہ سے

حضرت قائد ملّت کا خطاب

مجلس اتحاد المسلمین چنچلگوڑہ کے کارکنوں کے اجتماع میں حضرت قائد ملّت نے یہ تقریر ۱۷ر جولائی ۱۹۴۲ء کو فرمائی۔ بحوالہ رہبر دکن ۱۸ر جولائی ۱۹۴۲ء۔

میری طرف سے دلی تشکر و امتنان کا تحفہ قبول فرمایئے کہ آپ نے اپنے خادموں کی وہ قدر افزائی فرمائی جس کے وہ مستحق نہیں تھے میں اجتماع کو نفسیاتی نقطۂ نظر سے جائز رکھتا ہوں کیونکہ اس سے دوسروں کو بھی مجلس کی جانب متوجہ ہونے کا موقع ملتا ہے۔ میں جہاں آپ کا ممنون ہوں اور شکر گذار ہوں اپنی عادت کے مطابق میں نہایت برا مہمان ہوں اور کبھی میں نے اپنے میزبانوں کو خوش نہیں کیا۔ آپ کا اجتماع اور قدر افزائی درست لیکن یہ

پھولوں کے انبار اسراف سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ میں آپ کے دلوں کی کلیوں کے گوندھے ہوئے وہ ہار چاہتا ہوں جو قیامت تک مرجھا نہیں سکتے۔ میں اس مرجھانے والے پھولوں کے ہاروں کو صحیح قدر افزائی نہیں سمجھتا مجھے اپنے عزم صمیم اور عمل کے ہار دیجئے جن کو مجھ سے کوئی نہیں چھین سکے گا۔ معاف کیجئے میں اپنے نیر بانوں کو شکریہ کی بجائے شکایت پیش کر رہا ہوں۔

مجلس اتحاد المسلمین چنچل گوڑہ قابل مبارک باد ہے کہ اس نے آج پھر اپنا سالانہ جلسہ منعقد کیا۔ جس جوش سے آپ نے اس جلسہ کو منعقد کیا اگر اسی قدر جوش آپ کے عمل میں بھی رہا تو پیشگی مبارک باقبول فرمایئے۔

برادران! جنگ کی وجہ سے ساری دنیا پریشان ہے ہندوستان سے خطرہ قریب تر ہوتا جا رہا ہے خدا کرے جن دلوں تک میری زبان پہنچ سکی جن کانوں کو میرے نالے وا نہ کر سکے۔ کم از کم ان کو زمانے کی یہ کروٹ بیدار کر دے گی۔ اگر اس قیامت خیز کروٹ نے بھی حیدرآباد کے نوجوانوں کو بیدار نہ کیا تو میں سمجھوں گا کہ قدرت نے ان کے لیے فنا لکھ دیا ہے۔

نوجوانوں کو مشورہ

ہر حیدرآبادی مسلمان نوجوان کو اس عالم میں میرا یہ مشورہ ہے کہ اپنی ساری توانائیوں کو بیدار کرے اور اپنے دست و بازو کو مضبوط بنائے اور ملکی ضروریات کو انجام دینے کے لیے تیار ہو جائے۔ اے، آر، پی اور فرسٹ ایڈ کے میدان نوجوانوں کے لیے کھلے ہوئے ہیں۔

مجلس اتحاد المسلمین چنچل گوڑہ کا عشائیہ

اعلیٰ حضرت جلالت الملک کا جام صحت

۱۹ جولائی ۱۹۴۲ء کو مجلس اتحاد المسلمین چنچلگوڑہ نے سالار اجلاس کی تقریب میں عشائیہ ترتیب دیا۔ عشائیہ کے اختتام پر حضرت قائد ملت نے نظام دکن کا جام صحت تجویز کیا۔ اس موقع پر حضرت قائد ملت نے جو تقریر فرمائی تھی ہدیہ ناظرین ہے۔ بحوالہ رہبر دکن ۲۰ جولائی ۱۹۴۲ء

عشائیہ کے بعد کی تقریروں کا طریقہ ابتدائے اسلام سے رائج ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ضیافت کے بعد اپنے مہمانوں کو مخاطب فرمایا تھا۔ میں آج اس عظیم الشان ہستی کا جام صحت تجویز کر رہا ہوں جس کے دامن سے ہمارا مستقبل وابستہ ہے اور جو ہزاروں کی امیدوں اور آرزوؤں کا ملجا و ماویٰ اور مسلمانوں کے تمدنی و سیاسی اقتدار کا مظہر ہے۔

حریت و آزادی ایک فطری جذبہ ہے

جلسہ جشن یوم خود مختاری دولت آصفیہ

جلسہ یوم خود مختاری کا انعقاد بمقام پیلس ٹاکیز بصدارت حضرت قائد ملت مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۴۲ء صبح ۹ بجے ہوا۔ اس جلسہ میں حضرت قائد ملت نے دو تقریریں فرمائیں پہلی تقریر افتتاحی اور دوسری صدارتی۔ ہر دو تقریریں ہدیۂ ناظرین ہیں۔۔۔

تقریر بحوالہ رہبر دکن مورخہ ۱۵ اگست ۱۹۴۲ء۔

افتتاحی تقریر

ملکتی مجلس اتحاد المسلمین گذشتہ بارہ سال سے دولت آصفیہ کی آزادی و خود مختاری کی اس مقدس یادگار کو بالالتزام مناتی رہی ہے، گو چند سال سے حکومت نے بلدہ میں جلسہ منعقد کرنے کی اجازت نہ دی لیکن اضلاع پر مجلس کا دیا ہوا پروگرام ہر ابر مورہا تھا۔ آج

کے جلسہ کی خصوصیت یہ ہے کہ مجلس نے ان تمام بھائیوں کو اس میں شرکت کی دعوت دی ہے جو مجلس کے رکن نہیں ہیں یا نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ مجلس اس مسئلہ کو مملکت آصفیہ کے ہر باشندے کا سوال سمجھتی ہے اور حصول آزادی کی جدوجہد میں سب کو یکساں شریک پائی ہے۔ میں اپنے ہندو اور نیشنلسٹ بھائیوں کا ممنون ہوں کہ انھوں نے میری اس دعوت پر لبیک کہی اور اپنی شرکت سے ہمارے جلسہ کی رونق بڑھائی۔ ان میں سے بعض بھائیوں کی تقریروں سے بھی آپ استفادہ کریں گے۔

حیدرآباد کی معنوی خود مختاری و آزادی جس کی عملی حیثیت کو میں اپنی افتتاحی تقریر میں وضاحتاً ظاہر کروں گا ہمارے اسلاف کا ایک قابل احترام ترکہ ہے اور اس کی حفاظت ہم سب کا فرض ہے۔

کوئی قوم آزادی و حریت کی منزل تک نہیں پہنچ سکتی جب تک اس کے افراد جذبۂ آزادی و حریت سے معمور نہ ہوں اور اس کے حصول کی تڑپ ان کی زندگی کا لاینفک جزو نہ بن گئی ہو۔ اس جذبہ کو برقرار رکھنے اور اس کی پرورش کا سامان مہیا کرنے حضرت حکیم السیاست جلالت الملک خسرو دکن نے اعلان خود مختاری کی دو صد سالہ گرہ منائی اور اس موقع پر ایک بصیرت افروز خطبہ شاہانہ ارشاد فرمایا اور آج کے

دن کو یوم خود مختاری قرار دیا۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس دن سے صحیح طور پر فائدہ اٹھائیں اور اس کے ایک ایک لمحہ کو جذباتِ آزادی و حریت کی پرورش میں صرف کر دیں۔

اس سے قبل کہ میں تقریر شاہانہ کے پڑھنے کی سعادت حاصل کروں مجھے اجازت دیجئے کہ آج سے دو سو سال قبل کی تاریخ کے چند اوراق آپ کے سامنے کھولنے کی جرأت کروں۔

"حضرت آصف جاہ اول کا آخری دورِ حیات سلطنت مغلیہ کے زوال کی ابتداء کو دیکھ چکا۔ عالمگیر جیسے عظیم المرتبت فاتح ہندوستان کا سپہ سالار و صوبہ دار اشک آلود آنکھوں اور مغموم دل کے ساتھ اس عظمت کو مٹتا ہوا دیکھ رہا تھا جس کے پیدا کرنے میں اس کے دست شمشیر کا حصہ کسی اور سے کم نہ تھا جن درباروں میں عالمگیر کا فراست و تدبر کارفرما ہوا کرتا تھا وہاں چنگ و رباب کا تسلط ہو چکا تھا اور وہ ہندوستانی فوجیں جو اپنے حدود سے باہر نکل کر مملکت کی وسعت میں مشغول ہوا کرتی تھیں اب سمٹ کر دہلی کی فصیلوں میں جمع ہو چکی تھیں ایک طرف جنوب سے مرہٹے شورش کر رہے تھے تو دوسری طرف شمال سے نادر شاہی سیلاب ہندوستان کی طرف آ رہا تھا اور تیسری طرف سوداگر ہندوستان پر مغربی ممالک کے تجارتی جہاز سے آگے بڑھ کر

تخت و تاج کا سودا کرنے کی فکر کر رہے تھے حضرت آصفجاہ اول نے اپنے آقا عالمگیر کے اس متروکہ کو بچانے کی انتہائی سعی کی لیکن خود غرض درباریوں اور سیاست ناآشنا شہنشاہوں سے جب کچھ پیش نہ گئی اور ان کی آنکھوں نے مستقبل کے پردوں کو چاک کر کے وہ سب کچھ دیکھ لیا جو ۱۸۵۷ء میں ہونے والا تھا کشتی سلطنت کے اس تجربہ کار ملاح نے شب تاریک کی فکر نہ کی تھی بیم موج و گرداب اس پر کبھی طاری نہ ہو سکی تھی لیکن ناخدا کے خواب شیریں کو نہ برداشت کر سکتا تھا جب اس کو یقین کامل ہو گیا کہ اب یہ کشتی گرداب فنا سے نہیں بچائی جا سکتی تو اس نے عزم مصمم کر لیا کہ اس کے جن تختوں کو ساحل مراد تک پہنچایا جا سکتا ہے ان کو دست حوادث سے بچا لیا جائے۔

یہی پس منظر ہے ان کے اعلان خود مختاری کا ورنہ سلاطین مغلیہ کے ساتھ ان کی اولاد کی نسبتیں آخر وقت تک قائم رہیں۔ اعلیٰ حضرت نام الدولہ مرحوم نے اس وقت تک ہز میجسٹی کا لقب اختیار کرنا منظور نہ فرمایا جب تک لال قلعہ میں اکبر و عالمگیر کا کوئی جانشین موجود رہے۔

واقعات کا تجزیہ صاف طور پر یہ ظاہر کرتا ہے کہ آصف جاہ اول کا اعلان خود مختاری ڈوبتی ہوئی کشتی کے ایک حصے کو بچانے کے لیے تھا نہ کہ اپنے شہنشاہ سے بغاوت و سرکشی کے لیے آج دنیا انگلی کامیاب سیاست

نتائج دیکھ رہی ہے کہ سلطنت مغلیہ فنا ہوگئی لیکن ان کا صوبہ دکن اپنی ان ہی خصوصیات کے ساتھ آج تک ہندوستان کے نقشہ پر باقی ہے۔ اللہ اس کو ہمیشہ ہمیشہ باقی رکھے۔ حضرت آصف جاہ اول نے ایسی مبارک گھڑی میں اپنی خود مختاری کا اعلان کیا تھا کہ دو سو سال گذر گئے آج تک ان کی قائم کردہ اس سلطنت کو کسی دوسری طاقت نے مغلوب مفتوح نہیں کیا۔ اور ہم اسی آزادی کی یادگار منانے کے لیے اس وقت یہاں جمع ہوئے ہیں ــــ آیئے اب آپ ناطق شاہانہ کی سماعت کی سعادت حاصل کیجئے اور ایستادہ ہو جایئے۔

(اس کے بعد حضرت قائد ملّت نے پیام شاہانہ سنایا)

حضرت قائد ملّت کی اختتامی تقریر

حضرات میں ممنون ہوں کہ آپ نے اپنی شرکت سے اس جلسہ کو کامیاب بنایا اور انتہائی ضبط و نظم کے ساتھ اس کی تمام تقریروں کو سماعت فرمایا۔ آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں خود مختاری و آزادی حیدرآباد کی موجودہ حیثیت پر روشنی ڈالوں۔ میرے بھائی نواب اکبر علی خاں صاحب نے ہماری موجودہ حالت کی طرف ایک بہت اچھا اشارہ کیا تھا کہ اب ہماری آزادی کچھ زنگ آلود ہوگئی ہے مجھے اجازت دیجئے کہ اس

اجمال کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حقیقت کے چہرے سے نقاب کو
بالکل الٹ دوں بلا خوف لومتہ کم آپ کو بتاؤں کہ معاہدات کی سطریں
ہماری خود مختاری کی آئینہ دار تو ہوں لیکن عملاً ہم محکوم و مغلوب ہو چکے ہیں
مجھ پر سخت اعتراضات کیے جاتے ہیں کہ میں اس حقیقت کو کیوں بار بار
دُہراتا ہوں لیکن میں جانتا ہوں جب تک حقیقت آپ پر آشکار نہ ہو
آپ اصلاح حال کی کوئی سعی نہیں کر سکتے ایک زمانہ تھا کہ ہم سب
کچھ تھے اور ہماری طرف اعانت کے لیے دست سوال دراز کیا جاتا تھا ہم
نے بعض غریب الوطن سکیسوں کی کچھ امداد کی اور وفور مسرت و اخلاق
نے ان کو اپنا دوست بنایا لیکن رفتہ رفتہ ان کے تدبر و فراست اور ہماری
سادگی و خود فراموشی نے مل کر ہم کو جو سب کچھ تھے کچھ نہ رکھا اور وہ
جو کچھ نہ تھے سب کچھ بن گئے۔ آج ہم کہنے کو ملک بھی رکھتے ہیں اور بادشاہت
بھی۔ ہمارے سر پر تاج شاہی بھی ہے اور ہاتھ میں عصائے سلطانی بھی
لیکن ایک افسوس ناک اور دردانگیز حقیقت ہے کہ ملک پر ہمارا سکہ
چلتا ہے اور ہمارے قلوب پر غیروں کا۔ جہاں تک انگریزوں سے دوستی
کا تعلق ہے میں اس کا سب سے بڑا موئید ہوں۔ میں مسلمان ہوں اور
مسلمان کی فطرت ہوتی ہے کہ جب کسی سے دوستی اور محبت کا رشتہ
جوڑتا ہے تو اس وقت تک نہیں ٹوٹتا جب تک کہ دوسری طرف سے

نہ ٹوٹے مسلمان کی اس فطرت کا اندازہ صرف ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ عہد نبوت میں نجاشی شاہ حبش نے مصیبت زدہ مہاجرین مکہ کو جو حضرت جعفر طیار کی سرکردگی میں حبشہ گئے تھے اپنے ملک میں پناہ دی۔ مسلمانوں نے اس چھوٹے سے احسان کو آج تک فراموش نہیں کیا ان کی فتوحات کے جھنڈے کوہ قاف پر گڑے۔ خراسان و ہندوستان کے میدانوں کو ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں نے روندا۔ بحر اوقیانوس میں انھوں نے وضو کیا اور افریقہ کے صحرا میں انھوں نے نمازیں پڑھیں لیکن آج تک کسی مسلمان طاقت نے حبشہ کی طرف نظر بد اٹھا کر نہیں دیکھا۔ ہماری دوستی ہمیشہ اٹل ہوتی ہے اس لیے ہم اپنے دو سو سالہ دوستوں کو یقین دلاتے ہیں کہ ہمارے ہاتھوں ان کو کسی گزند کا اندیشہ نہ رکھنا چاہیے لیکن ہماری آزادی و حریت وہ عزیز ترین متاع ہے جس کو ہم کسی کی دوستی پر قربان نہیں کر سکتے۔ گاندھی جی نے آج "ہندوستان سے نکل جاؤ" کا نعرہ بلند کیا اور میں گذشتہ دو سال سے "حیدرآباد کو اپنے حال پر چھوڑ دو اور اس میں مداخلت نہ کرو" کا مطالبہ کر رہا ہوں۔ حریت و آزادی ایک فطرتی انسانی جذبہ ہے کوئی انسان جس میں شرافت و عزت نفس کا ذرہ برابر بھی شائبہ ہو اپنے ملک پر کسی دوسرے کی حکومت کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی ہندوستانی چاہے وہ کتنا ہی

ٹوڈی اور غلامانہ ذہنیت رکھنے والا کیوں نہ ہو کسی انگریز دوست سے قسم کھا کر بھی یہ کہتا ہے کہ وہ ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت چاہتا ہے تو وہ انتہائی جھوٹا ہے انگریزوں کو دھوکہ دے رہا ہے۔ اب مجھے اجازت دیجئے کہ آج سے دو سال قبل حیدر آباد کی آزادی و خود مختاری کے استقرار و استحکام کے لیے ہم نے جو عرض داشت اپنی حکومت کے سامنے پیش کی تھی اس کی مختصر توضیح و تشریح کروں اس میں ہم نے چند باتوں کا مطالبہ کیا ہے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ ہم نے اپنے دوستوں کی اعانت پر بھروسہ کر کے جو آج ہماری اعانت کے خواہش مند ہیں اپنی ساری حربی طاقتوں کو گھٹا کر نفی کے برابر کر دیا ہے۔ اب ہماری حکومت کو چاہیئے کہ فوراً اس طاقت کو بڑھانے کی طرف متوجہ ہو۔ آلات حرب کی تیاری کے عظیم الشان کارخانے قائم کرے۔ فوجیوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ کرے اور جلد سے جلد اس قابل بنے کہ اپنے حلیف کو امریکہ کی دور دراز سے آنے والی امداد سے مستغنی کر دے۔ دوستوں کو مجبور و معذور رکھ کر ان سے امداد کی توقع کرنا سو کے کنوئیں سے پانی نکالنے کی کوشش کے برابر ہے جن کی کمر میں صرف ایک لنگوٹی اور جسم پر صرف ایک کرتہ ہے وہ اپنا تن تو ڈھانک نہیں سکتے دوستوں کی کیا امداد کریں گے۔ اس لیے مجلس نے اپنی حکومت سے

کہا تھا کہ حیدر آباد کی طرف سے جو روپیہ امداد جنگ کے طور پر دیا جا رہا ہے اس کو حیدر آباد کی حربی طاقت پر صرف کیا جائے۔ ہم نے اس وقت تک اپنے حلیف کو جتنا روپیہ دیا وہ سب مل کر بھی ان کے ایک گھنٹہ کے اخراجات کے برابر نہیں ہوتا اور اس طرح جس کو ہم بڑی امداد سمجھ رہے ہیں وہ حقیر ہو کر رہ جاتی ہے۔ برخلاف اس کے اگر ہم نے اس روپیہ سے آلات حرب تیار کیے اور ان سے اپنے حلیف کی مدد کی یا فوجیں بڑھائیں اور ان کو حلیف کی امداد کے لیے دیا تو وہ زیادہ مفید اور کارآمد ہوگا۔

ہمارا دوسرا مطالبہ یہ ہے کہ اب جب کہ انگریز اپنے دشمنوں کو آزادی دینے آمادہ ہو چکے ہیں اور ختم جنگ کے ساتھ ہی ان کو قانون وسٹ منسٹر کے مطابق مقبوضاتی درجہ دینے کا وعدہ کر لیا ہے۔ ہم سے وعدہ کریں کہ ہندوستان کے مستقبل کے ساتھ قابل تجدید ہوں گے اور جو ہندوستان کی جدید حکومت سے تازہ معاہدات کر سکے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہمارا حلیف ہماری اس خواہش کی تکمیل آج ہی کر دے ہم اس کو دوستی کے خلاف سمجھتے ہیں کہ اس کی پریشانی کے عالم میں جب کہ وہ موت وحیات کی جنگ لڑ رہا ہے اس کو تجدید معاہدات کی الجھنوں میں مبتلا کریں لیکن جب کہ حکومت برطانیہ اپنے دشمنوں سے مستقبل کے متعلق وعدے

کر رہی ہے ہم اس کی دوستی کا واسطہ دیتے ہوئے بجا طور پر اس سے ایک واضح اور غیر مبہم وعدہ کا مطالبہ کر سکتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ایسا وعدہ جلد سے جلد کر کے ہم کو مطمئن کر دے۔

حکومت برطانیہ نے ہندوستان سے جو موا عید کیے ہیں ان کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جنگ کے ختم ہوتے ہی وہ مقبوضاتی مرتبہ ملے گا جس کو وزیر ہند دنیا کی سب سے بڑی آزادی سمجھتے ہیں دوسرے الفاظ میں اب سلطنت حیدر آباد کے اطراف میں بجائے برطانوی علاقوں کے جدید ہندوستانی حکومت کے علاقے ہوں گے اور وہ اغراض فوت ہو جائیں گے جن کی تکمیل کے لیے ہم نے یہ علاقے حکومت برطانیہ کو دیئے تھے اس لیے ہمارا نہایت ہی صحیح اور منصفانہ مطالبہ ہے کہ حکومت برطانیہ ہمارے دیئے ہوئے علاقوں کو ہندوستان سے جاتے ہوئے کسی غیر کے حوالے نہ کرے بلکہ ہمیں واپس کر دے۔ ہم اس کی تکمیل آج سے نہیں چاہتے مگر اس کے وعدے میں تاخیر کی کوئی وجہ نہیں سمجھتے۔

مختصر یہ کہ ہم حیدر آباد کو کیا بہ اعتبار اس کے رقبہ کے اور کیا بہ اعتبار اس کے اس اقتدار کے اس مقام پر دیکھنا چاہتے ہیں جہاں وہ اس وقت تھا جب کہ حضرت آصفجاہ اول نے اعلانِ خود مختاری کیا تھا اور جس کی یاد ہم آج

مختار ہے ہیں ہم اس کو برداشت نہیں کر سکتے کہ جلالت الملک عثمان علی خاں کے عہد کا حیدرآباد ان کے اجداد آصفجاہ اول و ثانی کے عہد سے کچھ کم ہو سکتا ہے کہ اپنی اس موجودہ حالت کو بعض مجبوریوں کی وجہ سے جلالت الملک میر عثمان علی خاں خود برداشت کر لیں لیکن اب ملک بیدار ہو چکا ہے اور اہل ملک میں شعور پیدا ہو چکا ہے ہم حیدرآباد کی موجودہ حالت کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتے۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ وقت کا تقاضہ نہیں بلکہ وہی بات ہے جو دو سال سے مجلس اتحاد المسلمین کہہ رہی ہے۔

مجلس اتحاد المسلمین اپنے ان مطالبات کے بعد خاموش ضرور رہی لیکن اپنے فرض سے غافل کبھی نہیں رہی۔ مجلس انشاء اللہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو کر رہے گی لیکن یہ سب کچھ مجلس اپنے پروگرام کے مطابق کرے گی۔ دوسروں کی سلگائی ہوئی آگ میں نہ کبھی جلے گی۔ اور ہندوستانی سیاسی تحریکات کی رو میں کبھی نہ بہے گی۔ ہمیں آزادی کی کوشش کرتے ہوئے اس بات کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہیئے کہ پاؤں کی زنجیر کٹ کر گلے کا طوق نہ بن جائے۔

میں حیدرآباد کے لیے آزادی کا ملہ چاہتا ہوں۔

ہیرا مونٹسی کے تصوّر کو برداشت کرنا میرے لیے قطعاً ناممکن ہے مجھے پہلے اطمینان کرنا ہے کہ ہندوستان کے مستقبل میں حیدرآباد کا موقف کیا ہوگا۔

میں باشندگانِ دکن سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنے آپ کو منظم کریں۔ اپنے قلوب میں حریت و آزادی کے جذبات صحیح پیدا کریں۔



ناگپور کی ادبی انجمنوں کے سپاسناموں کا جواب

ناگپور کی مسلم لائبریری (مومن پورہ) اور انجمن اشاعت اردو ناگپور نے ۸ ستمبر ۱۹۴۲ء کو ایک مشترکہ سپاس نامہ حضرت قائد ملت کی خدمت میں پیش کیا جس کے جواب میں نواب صاحب نے جو تقریر فرمائی تھی ہدیۂ ناظرین ہے۔ تقریر بحوالہ رہبر دکن مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۴۲ء۔

اگرچہ پٹھان اپنے جرگہ بندی کے اصول سے اپنے قومی امتیاز کے تحفظ کا سختی سے پابند ہے پھر بھی وہ اپنا سب کچھ ہندوستان کی نذر کر چکا ہے کئی پشت گزرے دس ملین مسلمانوں کے اجداد خاک ہند کے پیوند ہیں۔ کیا یہ تعلقات ایسے صنعی وجوہات سے منقطع ہو سکتے ہیں؟ مرکز جہاں دو تہذیب اور دو نصب العین ـــــ دو فرقوں یعنی ہندو اور مسلمان ـــــ کو یکجا کرتے ہیں وہ اردو ہے میں اس بین التہذیبی پہل کی ہر ممکنہ حفاظت چاہتا ہوں ہر ہندو

اور مسلمان کو چاہیے کہ اس مقصد کے لیے خود کو وقف کر دے۔
زبان اردو کو عربی الفاظ سے بوجھل کر دینا بھی میں نہیں چاہتا
اور اگر کبھی مجھ سے ایسی غلطی ہو جاتی ہے تو یہ راشٹرپتی مولانا
ابوالکلام آزاد سے میں نے سیکھا ہے جنھوں نے گیسوئے اردو
کو خوب سنوارا تھا لیکن جب سے راشٹرپتی میں تبدیلی واقع
ہوئی یہ ادب بھی تبدیل ہو گیا۔

مذہبی اعتقادات کی بنا پر میں یہ کہتا ہوں کہ ہندوستان
کو آزادی صرف مسلمانوں کی کوشش سے حاصل ہوگی۔ یہ محض
دھوکہ ہے جو کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے اشتراک کے بغیر ہی ہندوستان
کو آزادی حاصل ہو جائے گی۔ کانگریس نے اب وفاقی منطقوں
میں "ایسیڈیوری پاور" کو تسلیم کر لیا ہے۔ تین چار سال قبل یہ مسلم
لیگ کا انتہائی مطالبہ تھا۔ کانگریس ہائی کمان عموماً وقت کو ہاتھوں
سے ضائع کر رہی ہے اس کا عمل فعل اور فیصلہ عموماً اس وقت ہوتا ہے
جب موزوں وقت ہاتھ سے نکل جائے۔

میں مسرور ہوں کہ مسلمانوں نے کانگریس تحریک سے
خود کو بالکل جدا رکھا۔ انھیں چاہیے کہ وہ پرسکون رہیں اور
اپنی تنظیم پر پورا تمام تر توجہ مرکوز رکھیں۔

"ہم ہیزلین، ویسلین اور ٹائبلٹ کے دلدادہ بن چکے ہیں۔ یہ دلدادگی نتیجۃً ہم سے ہتیار چھین لی ہے۔ اپنے جسم اور اپنی عقلوں کو تربیت دو۔ آج تم نے والی بال میں مہارت حاصل کی ہے اور کل تمھیں دشمن کی پیٹھ پر بم پھینکنے کی مہارت حاصل کرنا ہوگا۔"

قائداعظم کی سالگرہ پر مبارک باد

حضرت قائد ملت کی صدارت میں قائداعظم محمد علی جناح کی ۶۴ ویں سالگرہ پر جلسہ عام کا انعقاد ۲۵ دسمبر ۱۹۴۲ء دارالسلام میں عمل میں آیا۔ قائد ملت نے جو ابتدائی تقریر اور صدارتی تقریر فرمائی وہ ہدیۂ ناظرین ہے۔ بحوالہ رہبر دکن ۲۶ دسمبر ۱۹۴۲ء۔

---

۲۵ دسمبر کو جو کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش کا دن ہے وہی قائداعظم کی پیدائش کا دن ہے۔ مسلمانوں کا یہ عظیم الشان اجتماع قرارداد تہنیت منظور کر رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قدرت جس سے چاہے کام لیتی ہے۔ مولانا محمد علی کے بعد جب کہ مسلمانوں کا شیرازہ بکھر رہا تھا۔ ملا بار ہل کی چوٹیوں سے ایک چمک پیدا ہوئی دامن کوہ کا ہر پتھر ہیرا نہیں ہوتا خدا جس کو چاہتا ہے خدمت خلق کے لیے اس کو منتخب کرتا ہے۔ قائداعظم نے گو اسلامی ماحول میں تربیت نہیں پائی لیکن اپنے دل میں وہ ایسی تڑپ رکھتے ہیں جو شاید ہی کسی کو نصیب ہوا انھوں

نے اقلیت کے خیال کو نکال دیا ان کا خیال ہے کہ دس کروڑ کی آبادی اقلیت نہیں ہو سکتی۔ جناح، جمال الدین افغانی کے خواب اور علامہ اقبال کی تمنا کو پورا کر رہے ہیں۔ ہم ان کی سلامتی کی دعا مانگتے ہیں۔ (اس کے بعد حسب ذیل قرارداد تہنیت پیش کی جس کو جلسہ نے باتفاق منظور کیا)۔

قرارداد تہنیت

"ملکتی مجلس اتحاد المسلمین کا یہ جلسہ سالانہ قائد اعظم ملت اسلامیہ ہند محمد علی جناح مدظلہ العالی کی چونسٹھویں سالگرہ پر ان کی خدمت میں بہ صمیم قلب ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہے۔ قائد اعظم کی بے مثل قیادت اور عدیم النظیر سیادت و سیاست نے ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کو ایک مرکز پر مجتمع کر دیا ہے اور ان ہی کی مدبر تدبر کا نتیجہ ہے کہ علامہ جمال الدین افغانی اور حضرت اقبال کا وہ خواب پورا ہوتا نظر آ رہا ہے جو آج پاکستان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ملکت حیدر آباد کے بائیس لاکھ مسلمانوں کی تمنا ہے کہ خدائے عزوجل قائد اعظم کو ملت اسلامیہ کی خدمت کے لیے تا بہ دیر زندہ و سلامت رکھے۔

نقادوں کیلیے ہماری آنکھیں فرش راہ ہیں ہمیں اپنی کوتاہیوں

کا اعتراف ہے۔ نقادوں کے لیے ہماری آنکھیں فرش راہ ہیں مجلس نے کچھ نہیں کیا تنقید کرنے والے آئیں (۵۰) ہزار کے مجمع کو دیکھیں جو ۱۴ ضلعوں کے باشندوں پر مشتمل ہے اعتراض کی خاطر اعتراض کر کے نقاد اپنے ضمیر کو مجروح کر لیتے ہیں۔ قائد ملت نے طنز فرمایا کہ نقاد آئیں اور میری ناکامیوں کا منظر "دارالسلام" کے ہجوم میں دیکھیں کیا ہم نے اصلاحات کے زمانہ میں کچھ کام نہیں کیا۔ کیا مسلمانوں میں شعور اور جذبۂ عمل پیدا نہیں کیا مملکتی مجلس مبارک باد کے قابل ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ زندگی مشکل ہو گئی تھی اس نے اپنے آپ کو باقی رکھا اگر کسی میں مسلمانوں کے سنبھالنے کی طاقت ہے تو وہ قوم کو اپنے ہاتھ میں لے لے۔ میں نے فوج تیار کر دی ہے، قوم کو شمشیر بران اور تیغ نیم کش بنا دیا ہے۔ میں بنیاد کا پتھر ہوں، بنیاد میں دب جانے کو فخر سمجھتا ہوں۔ آؤ اس بنیاد پر عمارت تعمیر کر لو۔ میری مجلس اشخاص اور اجا کی مجلس نہیں کام کرنے والوں کی مجلس ہے۔ "دارالسلام" سے مسلمان اپنے اپنے مقام پر ایک پروگرام ساتھ لے جائیں اور گلیوں میں کھڑے ہو کر بھونکنے والے بھونکتے ہی رہیں گے۔

میں مستعفی ہونے پر تیار ہوں

میں مستعفی ہونے پر تیار ہوں ابھی استعفیٰ پیش کرتا ہوں۔ میرے ساتھی میری خواہش صداقت

کو خوب جانتے ہیں۔ میں نے زمین تیار کر دی ہے، بیج ڈال دیا ہے لیکن ابھی جنگل سے حرص و ہوس کے درخت نہیں کاٹے۔ مجھے ان درختوں کو اکھاڑنا ہے۔ اگر میری تنظیم میں صداقت و اخلاص ہے اور اگر میری تنظیم میں صداقت و اخلاص ہے اور اگر میری خدمات خدا کے لیے ہیں تو وہ زندہ رہے گی ورنہ میں کبھی پنپ نہیں سکوں گا۔ اگر میں اپنے لیے کام کر رہا ہوں تو اپنی موت آپ مروں گا۔ مجھ میں اخلاص ہے تو مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ بہادر خاں کا کوئی مقام نہیں۔ صدر مجلس کی حیثیت سے میں ہر الزام سے بے پروا ہوں۔

تنقیح کے لیے دفتر کھلا ہوا ہے

حسابی بدعنوانیوں کا الزام لگانے والو "دروغ گویم بہ روئے تو" آؤ تنقیح کے لیے دفتر کا حساب کھلا ہوا ہے۔ ہر سال رپورٹ شائع کی جاتی ہے۔ ایک ایک پائی کا حساب دیا جاتا ہے۔ نکتہ چین حسابات کا قصہ اس لیے چھیڑ رہے ہیں کہ اکثر قومی ادارے حسابی معاملات میں بدنام ہو جاتے ہیں۔ مجلس کا حساب جتنا پاک ہے ہندوستان کے کسی ادارے کا بھی ویسا پاک نہیں۔

سلطنت کی کشتی ڈوب رہی تھی

نقاد ہمارا کام پوچھتے ہیں

لیکن ہمارے لبوں پر مہر لگی ہوئی ہے۔ اس خاموشی سے نکتہ چین فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ میں بدنامی کے لیے تیار ہوں لیکن جھوٹ بولنے کے لیے تیار نہیں۔ وہ دن قریب ہے جب کہ ساری قلعی اور پول کھول کر رکھ دیا جائے گا۔ سلطنت کی کشتی ڈوب رہی تھی۔ مجلس نے اس کو بھنور سے نکال لیا۔ اگر اس وقت مجلس نہ ہوتی تو آپ کہیں کے نہ ہوتے بلکہ کچھ نہ ہوتے ایگزیکٹی یا کونسل کی سفارشات کے مطابق اصلاحات آتے تو مسلمانوں کا کہیں مقام نہ ہوتا۔

میری جماعت اقتدار حاصل کرنا چاہتی ہے

یہ صحیح ہے کہ میں اپنی مجلس کے لیے عہدے حاصل کرنا چاہتا ہوں اگر بس چلے تو حکومت کی ایک ایک کرسی پر اپنے ایک ایک آدمی کو بٹھادوں یہاں تک کہ صدارت عظمیٰ کی کرسی بھی نہ چھوڑوں، اپنی مجلس کے لیے اپنے لیے نہیں۔ دنیا میں ہر جماعت اقتدار حاصل کرنا چاہتی ہے۔ صندل پیسنے اور مہندی لگانے کے لیے نہیں ہوتی۔ شرم ہے کہ مسلمان گالیاں سنتے ہیں۔ مرکزی نظام کی برائی سنتے ہیں اور خاموش بیٹھے ہیں معلوم نہیں کہ ان کی حمیت اور شرم کو کیا ہوا۔ ان کی خاموشی مخالفین کی جرأت کو بڑھا رہی ہے۔

میں وزارتیں نہیں تو کیا بھنگیوں کی خدمت حاصل کروں میں مسلمانوں کو غلام بنانا نہیں چاہتا۔ غلام بن کر رہنے والوں کا میرے پاس کام نہیں۔ پانچ ہزار نامردوں کی نہیں مجھے پانچ مردوں کی ضرورت ہے، الوالعزموں کی ضرورت ہے میں اپنی ذات کے لیے کچھ نہیں چاہتا لیکن مجلس کے لیے سب کچھ چاہتا ہوں۔ یہی میرا مسلک ہے میں شاہین بن کر رہنا چاہتا ہوں۔ مجھے سونے کا پنجرا بھی پسند نہیں میں وہاں تڑپ کر مر جاؤں گا لیکن اپنے ساتھی کو بڑے سے بڑے مقام پر دیکھوں گا میرا ساتھی وہی ہے جو میرا ہم مسلک ہے۔ معاشی پروگرام اور تعمیری نظام کی عدم تکمیل کا مجھے اعتراف ہے لیکن سمنٹ کی سڑکوں پر مفت کی موٹریں دوڑانے والوں کو معلوم نہیں کہ رسم مشق کس قدر کٹھن منزل ہے۔ معترض میرے ساتھ (۲۳) گھنٹے گزارے تو اس کا کچھ اندازہ ہو عمل کی دنیا سے بے خبر رہنے والو آؤ میرے ساتھ کچھ دور چلو دیکھو قوم کا کیا حال ہے۔ جب تک میرے پاس صداقت کی تلوار ہے اس سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ اور جب صداقت اور ضمیر کی آواز نہیں رہے گی یہ تلوار مجھ پر ہی ٹوٹ کر برس پڑے گی۔

مجلس کی واحد نمائندگی کا مسئلہ

ایک مسئلہ ملک میں

بڑی بے چینی پیدا کر رہا ہے وہ مجلس کی واحد نمائندگی کا مسئلہ ہے مجلس علمائے دکن جس کی بنیاد مجلس اتحاد المسلمین نے رکھی تھی کیا وہ سیاسی ادارہ ہے۔ میں ان بزرگوں کا دل سے احترام کرتا ہوں۔ کیا انجمن اسلامیہ سیاسی ادارہ ہے۔ کیا تحریک خاکساران سیاسی ادارہ ہے جس کے نائب حاکم اعلیٰ مقتدر خاں ہیں۔ ہرگز نہیں۔ کیا اتحاد و ترقی مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہے اس کے متعلق میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ یہ ساڑھے تین آدمیوں کا ادارہ آدھا تیتر آدھا بٹیر ہے۔ اگر نارائن داس۔ پریم جی ڈنستا اٹالیہ مسلمان ہونے تیار ہیں تو اتحاد و ترقی کو مسلمانوں کا سیاسی ادارہ تسلیم کرنے تیار ہوں۔ مسلم تاجروں کی جماعت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ خواجہ بہاؤالدین سے ایسی توقع نہیں۔ میں ان کے ادارے کو مسلمانوں کا واحد سیاسی ادارہ کیسے تسلیم کروں۔ اس نظام شمسی میں رہتے ہوئے آفتاب مرکزیت مجلس اتحاد المسلمین سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

آئینی کمیٹیاں مجلس اتحاد المسلمین آئینی کمیٹیوں میں کیوں جاتی ہے کہ اس کے سوائے اس میں کوئی اور ہو اور اس لیے کہ وہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ مسلمانوں کا اس کو اعتماد حاصل ہے وہ مسلمانوں

کی نمائندگی کرتی رہی اور کر رہی ہے۔ کیا اتحادوں کے سوا مسلمانوں کا کسی اور پر اعتماد ہے (مجمع سے آواز آنے لگی نہیں نہیں)

ہم نے اس جنگ کے زمانہ میں جب کہ ہماری حکومت اپنے حلیف کی امداد میں سرگرم ہے کوئی ایسی حرکت نہیں کی جس نے انعرام جنگ میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو۔ ہم نے کوئی چیز کھوئی نہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ طاقت کا صحیح استعمال کرنا ہی کمال ہے۔ فوج کو غلط راستہ پر ڈالنا اور اس کو کٹانا بہت آسان ہے۔ میں اپنے آپ پر اعتماد رکھتا ہوں اسی وجہ سے اپنے کو آپ کے اعتماد کا مستحق بھی سمجھتا ہوں۔ دل ہمالیہ کی طرح مطمئن ہے اسی وجہ سے زبان میں تیر و نشتر کی تیزی ہے جو تمہارے دلوں سے ٹکراتی ہے۔ ہم نے اس زمانہ میں اپنی پالیسی کو انتہائی معتدل رکھا۔ ہمیں حکومت سے شکایت پیدا ہو گئی حکومت نے ہمیں دانستہ نقصان پہنچایا۔ ہم نے اس کی بقاء کے جو سامان کیے اور اس کی جو خدمت کی ہمیں اس کا کیا صلہ ملا۔ وہ ہماری ناراضی کو دوسروں کی جنگ سے بڑھ کر سمجھتی ہے مجھے اپنوں اور پرائیوں سے بھی رونا ہے کہ ان کی فکر کے زاویے اور نگاہ کے نقطے بدل گئے ہیں۔ اپنے اور پرائے کی تمیز باقی نہیں رہی۔ مسلمانوں کے حقوق کے لیے میں کسی طاقت سے ٹکر لیتے ہوئے

دریغ نہیں کروں گا۔ خدا کرے کہ ایسا وقت نہ آئے۔ مسائل آسانی سے طے ہو جائیں۔ مجھ سے گلہ کیا جاتا ہے کہ تم اپنے ہو کر نظم و نسق کو برا کہتے ہو۔ کیا اس خوف سے حکومت آصفیہ کے دامن کو داغ دار رہنے دوں۔ یاد رکھو میری تنقید میل ہے جس سے داغ پڑتے ہیں وہ بدنام کرنے کے لیے تنقید کرتا ہے۔ میں نیک نام کرنے کے لیے۔ میری تنقید نشتر فساد ہے۔ دوسروں کی تنقید خنجر قاتل میرے نشتر میں زندگی ہے دوسرے کے خنجر میں موت۔ میں نظم و نسق پر تنقید کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا۔ اقربا پروری اور دوست نوازی نہیں کرنے دوں گا حکومت کے معاملات میں ذاتی بدلے نکالنے کا کیا مطلب۔

پرو وائس چانسلر جامعہ عثمانیہ

کیا توسیع نہ دینے کی نسبت حکومت نے طے نہیں کیا تھا پھر توسیعیوں کے کیا معنی معتمد ہو کہ ناظم مجھے اس سے بحث نہیں۔ اہلکاروں کے معاملہ میں نہیں پڑتا۔ توسیعیں دے کر ملک کے قابل فرزندوں کو ان کے جائز حقوق سے کیوں محروم کیا جا رہا ہے۔ کبھی جامعہ عثمانیہ کے نائب معین امیر جامعہ کو بدلنا ضروری سمجھا جاتا ہے اور کبھی نہیں ملک کے باہر دورے دورجب نظریں پڑتی ہیں تو اس کی خدمت کو بدلنا

ضروری ہے سمجھا جاتا ہے اور جب ملک کے فرزند کا نام آتا ہے تو تبدیلی کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔

تعمیرات کے چیف انجینئر

یہ کیا تماشہ ہے کہ تعمیرات کا کام چلانے کے لیے ایک چیف انجینئر کی ضرورت سمجھی جاتی ہے اور ایک سے تین کیے جاتے ہیں۔ کبھی تین سے دو۔ بالآخر تناد لے ہو جاتے ہیں رخصتیں لے لی جاتی ہیں ع جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا۔

مملکتی مجلس کی منزل متعین ہے وہ حیدرآباد میں حقیقی اسلامی حکومت چاہتی ہے اس سے یہ مطلب نہیں کہ ہندوؤں کے گلے پر چھری پھیر دی جائے یا ان کو مار دیا جائے اسلامی حکومت سے مراد یہ ہے کہ شرعی قانون نافذ ہو۔ زنا اور شراب نوشی کا سدباب ہو۔

آزادی کیسے حاصل کی جاتی ہے

آزادی چائے کی پیالی میں نہیں حاصل کی جا سکتی۔ آزادی حاصل کرنے کا طریقہ بزن نہیں ہے۔ سیاست دماغ کی بازی ہے۔ عقل کی بازی ہے بلکہ وہ دل کی بازی بھی بن جاتی ہے۔ آزادی کی تمنا کو پروش کرو اور مجلس کی آواز پر کان رکھو۔ آزادی مل جائے گی۔ آزادی حاصل کرنے کا یہی طریقہ اور یہی راستہ ہے۔

جلسہ سالانہ مجلس اتحاد المسلمین ورنگل

رسم پرچم کشائی میں قائد ملت کی تقریر

۵ مارچ ۱۹۴۳ء کو جلسہ سالانہ ورنگل میں رسم پرچم کشائی کے موقع پر حضرت قائد ملت نے جو تقریر فرمائی ہدیۂ ناظرین ہے۔
بحوالہ رہبر دکن ۶ مارچ ۱۹۴۳ء۔

گزشتہ مرتبہ میں نے اسی مقام پر پرچم آصفی کو بلند کرتے ہوئے حالات حاضرہ کا ایک صحیح نقشہ اور تصور پیش کیا تھا۔ (۱۲) مہینے گزر گئے لیکن ابھی ہم حالات کو خوشگوار نہیں پاتے۔ جنگ کی رفتار کا صحیح تعین دشوار ہے۔ بڑے بڑے ماہران فن سیاست اور واقفان حرب اپنے بیخبر کا اظہار کر رہے ہیں کہ وہ کوئی رائے جنگ کے نتائج کے متعلق قائم نہیں کر سکتے۔ ہمارے حلیف اور اس کے متحدین افریقہ کے شمال

میں روس کے محاذ پر اور مشرق بعید میں کامیاب لڑائیاں لڑ رہے ہیں۔ ہندوستان میں ہمارا دشمن مشرقی ہندوستان پر پہلی مرتبہ وقفہ وقفہ سے حملہ کرتا رہا۔ اس کے مدنظر حیدرآباد کو اگر ہم طوفان حوادث سے محفوظ تصور کر رہے ہیں تو فی الحقیقت حالات کا صحیح اندازہ نہیں کر رہے ہیں جنگ کے شعلوں نے سارے کرۂ زمین کو گھیر لیا ہے۔ دنیا کی تاریخ میں ایسی عالمگیر جنگ کا پتہ نہیں چلتا۔ اکثر سلطنتیں جن کی آزادی اور عظمت کا سکہ دنیا کے مختلف حصوں میں چل رہا تھا وہ اس چار سال میں تباہ و برباد ہو کر رہ گئیں۔ پولینڈ، ڈنمارک، ناروے، ہالینڈ، بلجیم فرانس اور بلقان کی ریاستیں محوری پنجہ میں گرفتار ہو کر رہ گئی ہیں کتنے علم تھے جو سرنگوں ہو گئے، اور کتنے علم ہیں جن کے مستقبل آج بھی کانپ رہے ہیں۔ اللہ کے سپاہی بن کر ملت کے جان نثار ہونے کا دعویٰ کر کے اس اسلامی پرچم کے سامنے کھڑے ہونے والو اپنی عقیدت اور اعتماد کا ہدیہ پیش کرنے والو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ پرچم جو دو سو سال سے سرزمین دکن پر لہراتا ہے اس کا مستقبل کیا ہوگا۔ حقیقت میں سلطنت کا مستقبل اس کے افراد کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔ میں قرآن کی روشنی میں اقبال کے اس نظریہ کا قائل ہوں کہ قومیں اپنی تقدیر خود بنایا کرتی ہیں اس لیے میں اس اسلامی پرچم کے متعلق

کوئی اندازہ کر سکتا ہوں تو وہ یہ ہے کہ اس کا مستقبل تمہارے مستقبل سے وابستہ ہے۔ تمہاری قومیت تمہاری وابستگی اور اس پرچم کے ساتھ تمہارا والہانہ عشق اس کے مستقبل کا ضامن ہے۔ تمہارے دلوں میں جو ارتعاش پیدا ہوا ہے وہ اس قسم کے جلسوں کی حد تک۔ محدود ہے تو اس پرچم کا کچھ زیادہ شاندار مستقبل نظر نہیں آتا۔

اسلامی پرچم اور اسلامی سلطنت

میں علی الاعلان کہتا ہوں کہ یہ علم چین قلیچ خاں آصفجاہ اول یا نواب میر عثمان علی خاں کا نہیں ہے۔ اگر اشخاص کا علم ہے تو میں اس کے لیے مرنے کو تیار نہیں ہوں۔ میں اس کو شخصی علم نہیں سمجھتا میرا اور مجلس اتحاد المسلمین کا یہی مسلک ہے کہ یہ اسلامی پرچم ہے کیوں کہ ہم اپنے بادشاہ کو اپنے تمدنی اقتدار کا مظہر سمجھتے ہیں اس لیے اس پرچم کی حفاظت اور عظمت اسلامی پرچم کی حیثیت سے کرتے ہیں۔ اس سلطنت کی خدمت اسلامی سلطنت کی حیثیت سے کرتے ہیں چاہے وہ کتنی ہی غیر اسلامی کیوں نہ ہو گئی ہو۔

جب کبھی میں (اعلیٰ حضرت جلالت الملک میر عثمان علی خاں

کے اقتدار کا نام لوں تو یہ تصور میرے مخالفوں اور دوستوں کے ذہن نشین ہونا چاہیئے کہ میرا مطمع نظر غیر اسلامی نہ تھا اور اور نہ ہے۔ یہ سلطنت ایک اسلامی سلطنت ہے۔

اعلیٰ حضرت خلد اللہ ملکہٗ ہمارے اقتدار کے مظہر ہیں اور ہمارے آقائے مجازی ہیں۔ ان کی اطاعت کو ہم اسلام کی سربلندی کی خاطر قبول کرتے ہیں۔

حضرت قائدِ ملت کا خطاب

جلسہ سالانہ مجلس اتحاد المسلمین ورنگل، ۷ مارچ ۱۹۴۳ء
بحوالہ رہبر دکن۔

گو میں آجکل بعض نہایت اہم اور پیچیدہ مسائل میں الجھا ہوا ہوں لیکن ورنگل کے مسلمانوں کی پرخلوص دعوت مسترد کرنا میرے لیے ممکن نہ تھا۔ اس لیے میں پھر ایک مرتبہ آپ کی سالانہ کانفرنس کے افتتاح کی مسرت حاصل کر رہا ہوں۔ مجھے افسوس ہے اور میں آپ سے معافی چاہتا ہوں کہ کل اپنے پروگرام کے مطابق میں نہ آسکا۔ اس کی میں نے کوشش کی کہ اپنی مجلس عاملہ کے تمام ارکان کو اپنے ساتھ یہیں لے آؤں اور ان اہم مسائل پر جو پیش نظر تھے یہیں بیٹھ کر غور کرلوں لیکن دور دراز اضلاع سے ان ارکان عاملہ نے شرکت کی تھی۔ ان کی مجبوریاں قابل لحاظ تھیں اور ضروری تھا کہ ان کی موجودگی ہی میں ان مسائل کو طے کیا جائے۔ میرا کل نہ آنا ایک دوسری حیثیت

سے آپ کے لیے یوں مفید ہوا کہ آپ کے اس اجلاس کے انعقاد میں جو رکاوٹیں پیدا ہوگئی تھیں وہ اس آسانی سے دور نہ ہوسکتیں اگر میں یہاں کل آجاتا۔ اس لیے اس رکاوٹ کو منجانب اللہ تصور کرتا ہوں۔

صدر صاحب مجلس استقبالیہ کا خطبہ فہم صحیح اور طرز ادا کے اعتبار سے ایک شاہکار تھا میں ایسے قابل کارکنوں کی موجودگی پر جو ضلع ورنگل کو خدا کی طرف سے عطا کیے گئے ہیں وہاں کے مسلمانوں کو قابل مبارک باد سمجھتا ہوں۔ صدر صاحب مجلس استقبالیہ نے اپنے خطبہ میں تقریباً سارے اہم مسائل پر نہایت خوبی کے ساتھ روشنی ڈالی ہے انھوں نے سچ کہا کہ ملک کے موجودہ مسائل میں اہم ترین مسئلہ اشیائے ما یحتاج پر گرانی اور قیمتوں کا تعین ہے مملکتی مجلس اتحاد المسلمین کے گزشتہ سالانہ اجلاس میں جو قرارداد منظور ہوئی تھی حکومت نے اس کے بعض اہم اجزاء پر توجہ کی ہے جس کے لیے میں اسکو مبارکباد دیتا ہوں۔ کل کے اخبارات میں آپ نے پڑھا ہوگا کہ ارکان باب حکومت پر مشتمل ایک بورڈ تیار کیا گیا ہے۔ میں اس میں صرف ایک ضرورت کو محسوس کر رہا ہوں اور وہ اس بورڈ میں پبلک کارکنوں کی کمی ہے جو لوگ پبلک سے راست تعلق نہیں رکھتے وہ اس کی ضروریات کا

اتنا صحیح اندازہ نہیں کرسکتے جتنا سلک کارکنوں کو ہو سکتا ہے جن کی زندگی پبلک ہی کے ساتھ بسر ہوتی ہے اور جن سے پبلک دل کھول کر اپنی شکایات کو بیان کرسکتی ہے اس لیے ضرورت ہے کہ اس بورڈ آف ڈائرکٹرز میں پبلک کارکنوں کے ایک بڑے عنصر کو شریک کیا جائے محض گنہ داران و تاجران اجناس کا اس میں موجود ہونا کافی نہیں ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کے مفادات اس کاروبار سے متعلق ہیں اور جس کے مفادات متعلق ہوں اس کی رائے انتہائی خلوص کے باوجود متاثر رائے ہوتی ہے اور یہ تاثر عین تقاضۂ فطرت ہے۔ بعض اضلاع مرہٹواڑی سے اطلاعیں وصول ہوئی ہیں کہ حملکتی مجلس کی تحریک کے مطابق حکومت نے وہاں کی پیداوار اجناس کو اپنے قبضہ میں لینے کی کوشش بھی شروع کی ہے جو مستحسن بھی ہے۔ ضرورت ہے کہ اعلیٰ نگرانی سے زیادہ ملازم سرکار پر نگرانی رکھی جائے جن کا اس کاروبار میں راست تعلق ہے اس قسم کی اطلاعیں وصول ہو رہی ہیں اور شکایت عام ہے کہ یہ راست نگرانی رکھنے والے عہدیدار اپنے خفیف اور موقتی ناجائز فائدے کو ملک کے حقیقی اور دیرپا فوائد پر ترجیح دیتے ہیں جس کا لازمی نتیجہ وہ بے چینی ہے جس کے مظاہرے اکثر اضلاع میں ہو رہے ہیں اور جس کی ایک مثال اسی مہینہ

ورنگل میں بھی مشاہدہ کی گئی۔

میں چاہتا تھا کہ آج کے جلسہ میں شرکت سے قبل آپ کے ضلع کا تفصیلی دورہ کروں۔ اپنے ذاتی مشاہدہ سے آپ کی تنظیم سے متعلق رائے قائم کروں لیکن افسوس ہے کہ بعض ناگزیر وجوہ کی بناء پر میں اس کے لیے وقت نہ نکال سکا مجلس ضلع کے دفتر کی سرسری تنقیح سے میں نے کچھ نتائج اخذ کیے ہیں اور آپ کے معتمد صاحب کی رپورٹ سننے کے بعد اس قابل ہو سکوں گا کہ آپ کے ضلع کی تنظیم پر تبصرہ کروں۔

آپ کے صدر مجلس استقبالیہ نے اپنے خطبہ کے آخری حصہ میں ان خبروں سے آپ کے تعلق خاطر کا اظہار کیا ہے جو ملک میں مشہور ہوگئی ہیں۔ میں آپ کے اس تعلق خاطر اور بے چینی کا صحیح اندازہ رکھتا ہوں۔ میں حیران ہوں کہ حیدرآباد میں خبروں کو کس طرح پر لگ جاتے ہیں اور کس طرح بہت سی باتیں جن کو وقت سے پہلے آپ کے سامنے نہ آنا چاہیے۔ ملک کے طول و عرض میں پھیل جاتی ہیں۔ آج کل میری ڈاک میں مشکل سے کوئی خط ایسا ہے جو اس سلسلہ میں استفسارات سے بھرا ہوا نہ ہو۔ صدر مجلس استقبالیہ نے مجھ سے خواہش کی ہے کہ میں ان خبروں کی نسبت اپنی اس تقریر میں توضیح کروں اگر میں ان خبروں سے بالکل انکار کروں گا تو میرا انکار جھوٹ کے مترادف ہوگا اور اگر

اقرار کروں اور اس کی پوری وضاحت کروں تو اس وقت جب کہ کاروائی جاری ہے اس کو نامناسب تصور کرتا ہوں۔ آپ کے سپاہی خدمت گذار آپ کی زبان اور آپ کے ترجمان کی حیثیت سے میری زندگی میں ایسے مواقع کا آنا غیر فطری نہیں ہے اور نہ آپ کو اپنے خدمت گزاروں کی ہر ایسی مشکل سے پریشان ہونا چاہیئے۔ اس موقع پر آپ سے میری فقط اتنی خواہش ہے کہ جو واقعات پیش آرہے ہیں ان کو اپنی حالت پر چھوڑیں۔ ان سے اپنی مجلس عاملہ مملکتی کو نبٹنے دیں اور خود پورے انہماک کے ساتھ اپنے صفوں کو مضبوط کر کے اپنے پروگرام کو مکمل کرنے اور اپنی پبلک میں شعور پیدا کرنے میں اپنی پوری صلاحیتوں کے ساتھ معروف ہو جائیں۔ کیونکہ ہر سیاسی مقصد میں کامیابی اور ناکامی کا انحصار ان عارضی پیش آنے والے حالات پر نہیں ہوتا بلکہ اس جماعت کی تنظیم کے استحکام پر ہوتا ہے جس کے نمائندے عوام کی ترجمانی کر رہے ہوں۔ آپ کے لیے اتنا معلوم کر لینا کافی ہے کہ دنیائے فانی میں منافقت ہمیشہ آرام و راحت کا اور حق گوئی اپنی خطر کی تلخیوں کی وجہ سے ہمیشہ آلام و مصائب کا ذریعہ رہی ہے۔ میری دعا ہے کہ خدا ہم کو صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھے اور ہم کو وہی کام کرنے کی توفیق فرمائے جو اس کی مشیت اور علم میں ملت اسلامیہ

کے لیے مفید اور کار آمد ہوں۔ اب خدا کے اسم گرامی پر اور اس کی توفیق و طاقت کے بھروسہ آپ کی اس کانفرنس کا افتتاح کرتا ہوں اور اس سے صحیح رہنمائی و ہدایت کے لیے دست بہ دعا ہوں آج کے جلسہ کی صدارت کے لیے آپ کی مجلس اتحاد المسلمین نے ایک بہترین اور مخلص ترین کارکن کا انتخاب کیا ہے جس کی قیادت نے عملی حیثیت سے ضلع ناندیڑ کو ہماری تنظیم کا ایک بہترین نمونہ بنا دیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی یہ کانفرنس ان کی صدارت میں کامیاب ہوگی۔ آئندہ سال تک آپ اپنے ضلع کی تنظیم کو خود ان کے لیے باعث رشک بنا دیں گے۔

حضرت قائدِ ملت کا رضاکارانِ ورنگل سے خطاب

۷ر مارچ ۱۹۴۳ء کو ورنگل کے رضاکاروں کو مخاطب فرمایا
یہ تقریر ہدیۂ ناظرین ہے: بحوالہ رہبر دکن ۸ر مارچ ۱۹۴۳ء۔

آج کے جلسہ کی شرکت سے میں کل سے زیادہ خوش ہوں۔ عمارت کی مضبوطی کا اظہار اس کے نقش و نگار سے نہیں بلکہ اس کی بنیاد سے ہوتا ہے۔ آریہ سماجی تحریک مسلمانوں کی سیاست پر نزلہ بن کر ٹپکی تو مجھے ہر قسم کا جو شاندہ مسلمانوں کو پلانا پڑا۔ اس سے فائدہ یہ ہوا کہ یہ نزلہ نزلہ ہی رہا انفلوئنزہ نہیں بن سکا جب مجھ میں دوا کی طلب پائی گئی تو خود دوائیں میری طرف آنے لگیں۔

صدر استقبالیہ عبدالعلیم صاحب نے کل قابلانہ خطبۂ استقبالیہ پڑھا تھا لیکن آج کا خطبۂ صدارت جو مولوی قربان احمد صاحب نے پڑھا اس سے کم نہیں ہے جامع اور غور کردہ ہے خطبہ میں مستقبل کا اچھا علاج پیش کیا ہے۔ میرے مارخ میں (۲۰ لاکھ

درخت ہیں لیکن ان میں گھن لگا ہوا ہے۔ جڑیں سوکھی ہوی ہیں۔ مجھے ان میں سے ایسے پودے پیدا کرنا ہے جن پر باغ ناز کر سکے۔ ہمارے مستقبل کی ساری توقعات رضا کاروں سے وابستہ ہیں۔ ہمارے سارے قائدین ان ہی میں چھپے ہوے ہیں۔ جب تک ان میں سے کوئی صحیح آدمی پیدا نہ ہوجائے میں اپنے آپ کو عارضی لیڈر سمجھتا ہوں۔ ذہنی انقلاب کا دوسرا اقدام عملی انقلاب ہے۔

خواتین کانفرنس

بعد مغرب خواتین کے اجتماع کو مخاطب کرتے ہوے حضرت قائد ملت نے جو تقریر فرمائی ہدیۂ ناظرین ہے۔ بحوالہ رہبر دکن ۸ مارچ ۱۹۴۳ء

قرآن ہی مسلمان کا مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ عورتوں کو اس مسئلہ میں مردوں سے پیچھے نہیں رہنا چاہیئے کیوں کہ ان ہی کی گود میں مستقبل کی پرورش ہو رہی ہے۔ اگر وہ اپنی اولاد کی ابتدائی تربیت میں مذہب کو مرجع رکھیں گی تو یہ تقوش عمر بھر ان کی اولاد کے سینوں پر مرتسم رہیں گے۔

شعلہ نوائیاں

نواب بہادر یار جنگ کی تاریخی تقریروں کے اقتباسات

آج سے ستائیس برس پہلے کی بات ہے۔ قیام پاکستان کی منزل ابھی ساڑھے تین برس دور تھی اسی شہر کراچی میں جو ایک دن نئی مملکت کا دار الحکومت بننے والا تھا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ۲۶ دسمبر ۱۹۴۳ء کو منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں نواب بہادر یار جنگ نے ایک تقریر کی۔ ایک یادگار تقریر ۴۰ء ہی سے یہ معمول ہو گیا تھا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے ہر سالانہ اجلاس میں وہ نمائندگان ملت اسلامیہ کے عظیم الشان اجتماع سے خطاب کرتے تھے۔ وہ سحر بیان خطیب جس کو خدا نے علم و فضل کے ساتھ انسانیت کا درد بخشا تھا چشم بصیرت اور خراستِ ایمانی عطا کی تھی اور مرد آخر میں بنایا تھا جس کی آواز دلوں کو تڑپنے کی ادا سکھاتی تھی۔ یہ اسی خوش نوا کی تقریر ہے

جس کی نظر مستقبل قریب پر نہیں مستقبل بعید پر تھی جو آنے والے زمانے کو دیکھ رہا تھا۔ یہ تقریر اس لیے بھی اہم ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاسوں میں گونجنے والی اور ذہن و فکر عملی پر صیقل کرنے والی یہ آخری تقریر تھی۔ اس کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس پھر کوئی نہ ہوا۔ اور خود یہ دلِ درد آشنا بھی اس کے بعد زیادہ دنوں تک نہ دھڑک سکا۔ زمانہ اسے کہا گیا ؎

خوش درخشیدے شعلہ مستعجل بود

(روزنامہ جسارت، کراچی ۲۵ جون ۱۹۷۰ء بہادر یار جنگ ایڈیشن)

(۱)

دوستو! دنیا کے کسی فرد نے تکلیف کے بغیر آرام و راحت کی صورت دیکھی نہ کسی قوم نے جس کو تلاش لاحق ہے اس کو پہلے مبتلائے مصائب ہونا چاہیے ہمارا عہد حاضر کا شاعر کہتا ہے ؎

آ میں تجھ کو بتاؤں تقدیرِ امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

جن قوموں نے اس رازِ حیات اور معمہ زندگی کو پہچانا ان کی رفعت و مرتبت کا پہچاننا دنیا والوں کے لیے مشکل ہو گیا لیکن جن

امتوں نے عالم ذلت و رسوائی میں بھی شمشیر و سناں سے بیگانہ ہو کر چنگ و رباب سے دوستی کی وہ دنیا میں کسی کے لیے قابل رشک نہیں رہیں کیا تم کو ان دنوں کی یاد دلانے کی ضرورت ہے جب کہ دو جہاں کے سردار صاحب لولاک خاتم النبیؐ اور رحمۃ اللعالمین اپنی راتیں گھوڑوں کی ننگی پیٹھوں پر بسر کرتے تھے اور راتوں کو جاگتے جاتے آپ کے قدم مبارک متورم ہو جایا کرتے تھے کیا تم نے تاریخ کے ان ایام پر نظر نہیں ڈالی جب کہ فاروق اعظم میدان جنگ سے آنے والے نامہ بر کی تلاش میں مدینہ سے میلوں دور نکل جایا کرتے تھے کیا تم نے ان دنوں کو بھلا دیا جب کہ دنیا سے چھوٹے بڑے امیر و غریب اور عرب و عجم کا فرق مٹانے والا کفر و ایمان کے درمیان ایک خندق کے ذریعہ حد فاصل کھینچ رہا تھا اور اسکے شکم اطہر پر پتھر بندھے ہوئے تھے اگر یہ سب کچھ تم کو یاد ہے تو پھر مجھے تمہاری اس زحمت پر اظہار تاسف و ہمدردی کی ضرورت نہیں جو تم نے یہاں برسوں سے برداشت کی ہے۔

زحمت ناآشنائی اور محنت ناآشنائی ہی تو ہماری اس نکبت و ذلت کی ذمہ دار ہے جس کو محسوس کر کے پھر ایک مرتبہ ہم آمادہ عمل نظر آتے ہیں۔ خدا ہمارے ارادوں میں برکت اور ہمتوں میں بلندی عطا کرے۔

دوستو! دنیا کی تاریخ اٹھا کر پڑھو تو معلوم ہوگا کہ کثرت تعداد میں نہیں بلکہ قلت و تنظیم میں قوموں کی فتح مندی کا راز پوشیدہ ہے دنیا کے کسی فاتح کا نام نہ لے سکو گے جس نے اپنی مفتوح قوم کے مقابلے میں ان کی تعداد زیادہ سے زیادہ فوج لے کر چڑھائی کی ہو۔ عمر بن عاص کے دس ہزار ساتھیوں سے اور ہندوستان کے فاتح محمد بن قاسم کے مٹھی بھر تیر آزماؤں سے ہزار گنا بڑھ کر رہی ہو۔ اصل چیز کثرت ایمان اور قوت تنظیم ہے۔ اگر تمہارے بعض ساتھی اس میدان عمل و ابتلاء میں ثابت قدم نہ رہ سکے اور ہٹ گئے تو فکر نہ کرو۔ دنیا میں آئے دن یہی ہوتا رہتا ہے آسمان سے لاکھوں قطرے برستے ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک موتی نہیں ہوتا دامن کوہ میں لاتعداد و لاشمار پتھر پھیلے ہوتے ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک اس قابل نہیں کہ کوہ نور کی طرح زینت تاج خسرو بنے۔ امتحان عمل میں آنے کے بعد صرف خالص سونا ہی سلامت نکل سکتا ہے۔ میل کچیل ہمیشہ سونے کے ساتھ داخل تو ہوتے ہیں لیکن تاب سوختن و تپیدن نہیں لا سکتے اور فنا ہو جاتے ہیں۔ (۳)

مجھ کو کرسی وزارت پر بیٹھ کر مہمات مملکت پر غور کرنے کے لیے نہیں بلکہ گرد کوچہ و بازار بن کر قلوب کی دنیا میں طوفان برپا کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اقبال کے الفاظ میں شاہین زادہ ہوں اور

میرا مقام صرف دامن کوہ اور وسعت صحرا ہے۔
میں وہ مزدور ہوں جو راستہ تیار کرتا ہے کہ ملت اسلامیہ کی گاڑی آسانی سے منزل تک پہنچ جائے۔

(۴)

مومنوں کی آزادی بازار کا سودا اور نمائش کی جنس نہیں کہ چند ٹکے جیب میں ڈال کر گئے اور خرید لیا، یہ وہ جنس بے بہا ہے جس کی قیمت ہماری جمع کی ہوئی دولت ہماری اعتباری عزت ہماری زندگی کا آرام و سکون و چین بھی نہیں ہو سکتی۔ یہ منزل رسوائی سر بازار چاہتی ہے، ہنگامۂ دار و رسن چاہتی ہے اور وہ جنس معاوضہ میں چاہتی ہے جو ہم کو سب سے زیادہ عزیز ہے (مجمع نے چلا کر کہا "جان" ہم جان دینے کے لیے تیار ہیں)

(۵)

ہر مسلمان اعلائے کلمۃ الحق کے لیے خدا کی قوم کا ایک سپاہی ہے اگر عہد حاضر کے مسلمان سیاست کی طرف سے غفلت برت رہے ہیں تو یقیناً وہ اپنے رسول کی پیروی سے غفلت برت رہے ہیں۔ آقائے دو جہاں کا مقروکہ نہ درہم تھے نہ دینار، نہ لونڈیاں تھیں نہ غلام نہ املاک تھے نہ تجارت اگر امہات المومنین کے حجرے آپ کے کسی اثاثہ اور

متروکہ سے سجے ہوئے تھے تو وہ آپ کی تلواریں آپ کی زرہیں آپ کے خود اور آپ کی کمانیں تھیں۔ میں مسلمانوں کو اسوۂ حسنہ کے اس پہلو کی طرف بطور خاص متوجہ کرتا ہوں میں ان کے ہر ایک فرزند کو خالد بن ولید کا غلام دیکھنا چاہتا ہوں۔

(۶)

میں بقول اقبال اپنی "کشت ویراں سے پُر امید ہوں" حوادث کے عالم کے ابر برس رہے ہیں اور اس کے نم ہونے میں بہت تھوڑی کسر دکھائی دے رہی ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس کی زرخیزی ایک مرتبہ پھر دنیا کو حیران کر دے گی۔

مجھ سے بار بار سوال کیا جاتا ہے کہ اب ہم کیا کریں۔ اس سے قبل کہ میں اس کا جواب دوں کہ تم سے جواب چاہتا ہوں۔ تم نے مجھے خوف زدہ تو نہیں پایا (ہرگز نہیں) اب تم بتاؤ کہ تم خود کیا کرنا چاہتے ہو (مجمع نے کہا ہم آپ کے ہر اشارے پر جان دینے کو تیار ہیں) میرے لیے جان دے کر اپنی موت کو مُردار نہ کرو۔ جو غیر اللہ کے لیے جان دیتا ہے وہ مُردار موت مرتا ہے اور تمھاری جان کی اس وقت کوئی ضرورت نہیں۔ میرے آشیانے پر بجلی چمک رہی ہے اس کو جل جانے دو تمھارے لیے یہ مبارک فال ہے۔ یہ ابر تمھارے گلشن حیات

پر برسیں گے اور بہت جلد اس میں بہار آئے گی۔

میں اپنے اجڑے ہوئے آشیانے کی خاکستر پر بیٹھا اس بہار کا لطف اٹھاؤں گا۔ ہوائیں چل رہی ہیں ابر چھٹیں گے آفتاب امید چمکے گا اور دنیا دیکھے گی کہ حق ہمیشہ کامیاب ہوتا ہے باطل کے پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی طرح اڑتے ہوئے نظر آئیں گے۔

(۷)

سیاسی اجتماعی اداروں کی زندگی کا وہی دور سب سے زیادہ صبر آزما ہوتا ہے جب کہ غلط فہمیاں پیدا کی جارہی ہوں اپنوں کو غیر بنایا جارہا ہو اغراض پردازوں کے غلط شوشے اٹھ رہے ہوں آشیانے کو آگ لگ رہی ہو اور وہی پتے ہوا دے رہے ہوں جن پر تکیہ کیا گیا تھا یہی وقت آپ کے شعور و فہم کی آزمائش کا ہے اگر اس وقت حق و باطل میں تمیز کریں کھوٹے کھرے کو پہچان لیں اور دوست دشمن میں تمیز کریں۔

(۸)

قرآن ہمارے گھروں میں اب تک اچھے لفافوں میں لپٹا ہوا اور اچھے اچھے غلافوں میں رکھا ہوا محفوظ ہے۔ مجھے معاف فرمائیں قرآن نہ اس لیے آیا تھا کہ اسے زینتِ طاق بنایا جائے نہ اس کا اس طرح ہونا اس کی دلیل ہو سکتا ہے قرآن ہدایت ہے قرآن نصیحت ہے

قرآن باطل کے مقابلے میں حق کے لیے نازل ہوا ہے، قرآن دلوں کی بیماری کے لیے شفاء ہے نیکوکاروں کے لیے بشیر ہے اور بدکاروں کے لیے نذیر ہے اور اس کے یہ تمام مقاصد و منشا نزول قیامت تک پورے نہیں ہو سکتے اگر وہ غلافوں میں محفوظ اور طاق کی زینت بنا رہے۔

قرآن کو بھیجنے والا یہ جانتا تھا کہ جب آپ کو دعوت تدبر و تفکر دی جائے گی تو آپ میں سے ہر ایک جماعت اٹھے گی اور کہے گی کہ قرآن پڑھنا صرف ان ہی کا حق ہے جو اپنے ساتھ مسند علم و فضل رکھتے ہوں، اور اسی طرح کوشش کرے گی کہ رفتہ رفتہ قرآن بندوں کا گائیتری منتر بن کر رہ جائے۔ اور مسلم برہمنوں کا یہ گروہ اپنی دکانوں کی آراستگی میں اس سے مدد لیتا ہے۔ آپ کے راستے میں دنیا کی کوئی طاقت روڑہ نہیں بن سکتی یاد رکھو برق و باراں سے زیادہ سخت خدا کا وہ عذاب ہے جو قوموں پر محرومیٔ فکر صحیح کی صورت میں نازل ہوتا ہے خدا ہم کو اس عذاب سے محفوظ رکھے۔

قائدِ ملّت نواب بہادر یار جنگ کی تاریخی تقریر

اجلاس کل ہند مسلم لیگ منعقدہ کراچی ۲۶ دسمبر ۱۹۴۳ء

حضرت قائدِ ملّت کی یہ یادگار تقریر ۳۲ صفحات پر مشتمل بہادر یار جنگ اکیڈیمی کراچی سے فوٹو آفسیٹ پر بڑے اہتمام سے مولوی وحید الدین خاں صاحب بوزئی معتمد بہادر یار جنگ اکیڈیمی نے شائع فرمائی ہے۔

ابتدائیہ مولوی احمد خاں صاحب صدر بہادر یار جنگ اکیڈیمی کراچی نے تحریر فرمایا ہے اور آخر میں صفحہ ۲۷ سے ۳۲ تک مختار مسعود صاحب کا تجزیہ و تبصرہ کے زیرِ عنوان حضرت قائدِ ملّت کی خطابت پر بے مثال تبصرہ بھی شریک کتاب ہے۔

ہم بہادر یار جنگ اکیڈیمی کراچی کے شکریہ کے ساتھ حضرت قائدِ ملت کی اس تقریر کو شاملِ کتاب کر رہے ہیں۔

[illegible] دبی زبان سے مجھے اپنی اس بدگمانی کا اظہار بھی کر لینے

دیجئے کہ اس تقریر کے پھول کی پنکھڑیوں میں کچھ پنکھڑیوں کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ امید کہ یہ کھٹک۔ دوسری بار تقریر کی اشاعت پر دور ہو جائے گی۔ (مرتب)

برادرانِ ملت!

مسلم لیگ کا اجلاس ہو چکا اور حسب روایت قدیم میں آپ کو مخاطب کرنے کھڑا ہوا ہوں۔ اس اجلاس کو میں مسلم لیگ کی زندگی کا نیا باب تصور کرتا ہوں اور اس کی منظور کردہ چھ میں سے تین قراردادیں میرے نزدیک سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں یعنی کونسل آف ایکشن کی قرارداد، پنج سالہ پروگرام بنانے والی کمیٹی کی قرارداد اور نئے الیکشن کے مطالبہ کی قرارداد۔ آخرالذکر کے متعلق کوئی گفتگو نہیں کروں گا۔ صرف اسی قدر کہنا کافی تصور کرتا ہوں کہ میرے پنجابی احباب سر فضل حسین کی روحِ پُرفتوح کے لیے چاہے کتنے شکرگزار ہوں۔ پھر بھی اگر نئے الیکشن ہوئے تو بقول غالب

بھرم کھل جائے ظالم تیرے قامت کی درازی کا
اگر اس طرۂ پُرپیچ و خم کا پیچ و خم نکلے

صبحِ امید مجھے دوسری دونوں قراردادوں کے

متعلق گفتگو کرنی ہے۔ میں ان قرار دادوں کو دورِ نو کا آغاز صبحِ اُمید کا نشان تصور کرتا ہوں، مسلم لیگ کے مستقبل کی درخشانی کی علامت سمجھتا ہوں اور اپنے قائد سے داغ کے الفاظ میں یہ کہنے کی اجازت چاہتا ہوں ؎

تیور ترے اے رشکِ قمر دیکھ رہے ہیں
ہم شام سے اندازِ سحر دیکھ رہے ہیں

حضرات! مسلم لیگ کا احیاء اور ترقی ایک فطری احیاء اور فطری ترقی ہے جو بتدریج اور بہ استقلال عمل میں آئی اور آئندہ بھی جاری رہے گی۔ اس نے ہماری سیاسی حیات کو اچانک اور یکدم منقلب نہیں کیا بلکہ آہستہ آہستہ ہمیں منزل کی طرف بڑھایا تاکہ ہمارا قدم آگے بڑھے اور ہم پیچھے نہ ہٹنے پائیں۔

دو قومی نظریہ

قائداعظم نے جس وقت لیگ کے نظام اپنے ہاتھوں میں لی ہمارے دماغوں پر مختلف باطل تصورات چھائے ہوئے تھے۔ برادرانِ وطن نے بہ انداز دوستی ہم کو یقین دلایا تھا کہ ہم دس کروڑ کی تعداد میں ہونے کے باوجود ہندوستان میں ایک اقلیت ہیں، یہ احساس کمتری

ہمارے ہر چھوٹے بڑے میں سرایت کر گیا تھا۔ قائداعظم نے ہم کو یہ بتلایا کہ ہم اقلیت نہیں ہیں۔ دس کروڑ کی تعداد رکھنے والی کوئی جماعت اقلیت نہیں کہلا سکتی۔

"تم ایک قوم ہو مستقل قوم، جس کا قوام اقوام عالم سے بالکل مختلف اور جدا ہے اور جس کی بنیاد و ترتیب جغرافیہ، نسل و رنگ کی ادنیٰ تفریقات سے بالاتر ہے۔"

اقبال کا خواب

جب قوم میں یہ خیال عام ہو گیا کہ ہم ایک اقلیت نہیں ہم ایک مستقل قوم ہیں تو انھوں نے ہمیں سمجھایا کہ جس ملک میں دو قومیں آباد ہوں اور دونوں کے مذہبی اور ثقافتی تصورات میں بُعد المشرقین ہو تو اس ملک میں جمہوریت صحیح طرز حکومت نہیں ہو سکتی۔ جب اس نظریے نے سبھی مسلم عوام کے قلوب میں جگہ پیدا کر لی تو قائداعظم نے اقبال کے خواب کو آشنائے تعبیر کیا اور ہندوستان کے شمال مشرقی اور شمال مغربی علاقوں میں آزاد مسلم ریاستوں کا مطالبہ کیا جس کو اب عرفِ عام میں پاکستان کہتے ہیں۔

نعرۂ جنگ آج سے تین سال پہلے خود ہم میں

سے بہت سے لوگ یہ کہتے تھے کہ مسلم لیگ کا یہ مطالبہ پورا نہ ہو سکے گا۔ لیکن ہندوستان میں کرپس کی آمد اور موجودہ پُر امید حالات نے پاکستان کے عنقریب حاصل ہونے کا یقین پیدا کر دیا ہے۔ مسلمان زیادہ سے زیادہ اس مطالبہ سے وابستہ نظر آ رہے ہیں۔ اب وقت آ گیا تھا کہ مسلم لیگ اس جنگ کی تیاری کا آخری قدم اٹھائے۔ دہلی میں ہم نے حکومت برطانیہ کو آخری تنبیہ دی اور آج آل انڈیا مسلم لیگ نے کونسل آف ایکشن کی تجویز پاس کر کے اس عزم کا اظہار کیا کہ اگر پاکستان انہا ما نہیں مل رہا ہے تو ہم یہ بزور بازو حاصل کریں گے۔

حضرات! وہ قائد یا سپہ سالار جس کے سپاہی مفلوج و ناکارہ ہوں کسی مہم کو کامیابی کے ساتھ سر نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ نعرۂ جنگ بلند کرنے سے پہلے اپنی فوجی طاقت کا اندازہ کر لے۔ یہ کونسل آف ایکشن اس لیے مقرر کی گئی ہے کہ وہ ہر ایک صوبہ میں نہ صرف اپنی طاقت کا اندازہ کر لے بلکہ نئی طاقت پیدا کرے اور اس کو اس کے لیے تیار کرے جب قائد کی طرف سے کوچ کا حکم ملے۔

میدانِ کارزار

مسلمانانِ ہند! جلسوں کا منعقد کر لینا، تجاویز پاس کر لینا

تقریریں کرنا، تقریریں سُننا کسی قوم کی زندگی میں انقلاب پیدا نہیں کر سکتا۔ جہاں تک آپ کے ذہن اور فکر کی تربیت کا تعلق تھا وہ منزل گزر چکی۔ اب عمل اور صرف عمل کا وقت ہے۔ اگر آپ اس کی طاقت نہیں رکھتے تو پاکستان کا مطالبہ کر کے اس کو ذلیل نہ کیجئے۔

داغ گو شاعرِ بزم تھا مگر بعض دفعہ اس نے بڑے پتے کی باتیں کہی ہیں۔ کہا تو اس نے رندی اور سرمستی کے انداز میں ہے لیکن شاید ہم ہی سے مخاطب ہو کر کہا ہے کہ ؎

نہ تھمی تاب اے دل تو کیوں چاہ کی
بڑا تیر مارا اگر آہ کی

اس لیے تیار ہو جاؤ اور اپنے محتاط اور عاقبت بیں قائد کو یقین دلاؤ کہ اس کی پوری قوم ہر مرحلے میں اس کے ساتھ ہے۔

قائداعظم! آپ مایوس نہ ہوں۔ آپ کے دوست اور پرانے ساتھی حضرتِ اقبالؔ نے شاید آپ ہی سے مخاطب ہو کر کہا ہے ؎

اے رہبرِ فرزانہ مایوس نہ ہو ان سے
کم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی

ممکن ہے آپ کو اس طبقہ سے آپ کے کام کے آدمی نہ ملیں جس کو اعلیٰ طبقہ کہتے ہیں لیکن آپ کی قوم جانباز سپاہیوں سے خالی نہیں ہے۔

عہدِ وفا

قائداعظم آپ کے ایک ادنیٰ سپاہی کی حیثیت سے اجازت دیجئے کہ سب سے پہلے میں اپنے آپ کو پیش کروں جو فہرست آپ کی کونسل آف ایکشن مرتب کرے اس کے لیے حکم دیجئے کہ آپ کے اس سپاہی کا نام سب سے پہلے درج کر لیا جائے۔ میں آپ کو اس اخلاص کے سارے شرکار کو، سفناق ہوئی ہواؤں کو اس پنڈال پر چمکتے ہوئے سورج، چاند و ستاروں کو، سارے لوہوں کو اور خود خدائے قادر و قیوم کو حاضر و ناظر جان کر عہد کرتا ہوں اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ مجھے اس راستے کی کسی کٹھن منزل میں کبھی پیچھے نہ پائیں گے۔

آں نہ من باشم کہ روزِ جنگ بینی پشتِ من
آں منم کاندر میانِ خاک و خوں بینی سرے

نذرانۂ جاں

قائداعظم! وہ دن میرے لیے عید کا دن ہوگا جس دن ملتِ محمدیؐ کے راستے میں اپنے گھر کی آخری پائی اور اپنے خون کا آخری قطرہ نچھاور کر کے فخر و ناز کروں گا جس دن میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پیر

پاؤں میں بیڑیاں ہوں گی اور جس دن میرا جسم زخموں سے چُور ہوگا۔
(مجمع سے فلک شگاف نعرے بلند ہوئے کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں)
اس قدر جلد فیصلہ نہ کیجئے۔ میں نے اپنے جس عزم کا اظہار آج کیا ہے وہ میرے بارہ سال کی شبانہ روز غور و فکر کا نتیجہ ہے۔ میں نے اس کی تیاری کی اور اس پر عمل بھی شروع کر دیا ہے۔ جاؤ اپنی بیویوں کے تابناک چہروں کو دیکھو، اپنے بچوں کی مسکراہٹ کو اپنی زندگی کی ہر خوشی کو آنکھوں کے سامنے رکھ کر فیصلہ کرو۔ اپنی تجارت اور ذرائع معیشت کی ساری تباہیوں کا بغور تصور کر کے ایک مرتبہ تصفیہ کرو۔

مسلمانو! وہ فیصلے جو جوش کے عالم میں دوسروں کی تقلید میں کر دیئے جاتے ہیں بسا اوقات آفی اور اسی لیے فانی ہوتے ہیں آج ہمیں ان کی ضرورت نہیں جو شجر ملت پر پھول بن کر کھلنا چاہتے ہوں اور پھل بن کر کام و دہن کو شیریں کرنا چاہتے ہوں ہمیں ان کی ضرورت ہے جو کھاد بن کر زمین میں جذب ہوتے ہیں اور جڑوں کو مضبوط کرتے ہیں، جو مٹی اور پانی میں مل کر رنگین پھول پیدا کرتے ہیں، جو خود فنا ہوتے ہیں اور پھلوں میں لذت و شیرینی پیدا کرتے ہیں۔ ہم کو ان کی ضرورت نہیں جو کاخ و ایوان کے نقش و نگار بن کر نگاہ نظارہ باز کو خیرہ کرنا چاہتے

ہوں۔ ہم ان بنیاد کے پتھروں کو چاہتے ہیں جو ہمیشہ کے لیے زمین میں دفن ہو کر اور مٹی کے نیچے دب کر استحکام عمارت کی ضمانت دے سکتے ہوں۔ میں نے کل کہا تھا اور آج پھر بتا دینا چاہتا ہوں کہ ؎

ایسی کوئی دنیا نہیں افلاک کے نیچے
بے معرکہ ہاتھ آئے جہاں تخت جم و کے

پاکستان کا تعمیری لائحہ عمل

حضرات! اس اجلاس کی دوسری خصوصیت پلاننگ کمیٹی یعنی پنجسالہ پروگرام یا لائحہ عمل مرتب کرنے والی جماعت کا قیام ہے۔ فارسی کا قول ہے ؎ مرد آخر بیں مبارک بندہ اوست

آج دنیا میں وہ لوگ بھی جو عالمگیر جنگ کی کشمکش میں مبتلا ہیں اور جس کی فتح و شکست کے متعلق کوئی قطعی رائے قائم نہیں کی جا سکتی، اس وقت جب کہ ان کی کشتی حیات گرداب فنا میں چکر کھا رہی ہے۔ ساحل کے نقشے تیار کر رہے ہیں، ہر جگہ تعمیر بعد از جنگ کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ ہم نے بھی پاکستان کو اپنے سامنے پا کر اگر پاکستان کے مستقبل، ترقی و خوشحالی کے متعلق سوچنا شروع کر دیا تو حقیقت یہ ہے کہ بہت صحیح قدم اٹھایا ہے۔

پاکستان کا دستوری نظام

حضرات! پاکستان کا حاصل کر لینا اتنا مشکل نہیں جتنا پاکستان کو پاکستان بنانا اور قائم رکھنا مشکل ہے۔ آپ کے قائد نے ایک سے زائد مرتبہ اس کا اعادہ فرمایا ہے کہ مسلمان اپنی حکومتوں میں کسی کسی دستور اور قانون کو خود مرتب کرنے کا حق نہیں رکھتے ان کا دستور مرتب و متعین ان کے ہاتھوں میں موجود ہے اور وہ قرآن مجید ہے، کتنی صحیح نظر اور کتنے صحیح فیصلے ہیں۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ہم پاکستان صرف اس لیے نہیں چاہتے کہ مسلمانوں کے لیے ایک ایسی جگہ حاصل کر لیں جہاں وہ شیطان کے آلۂ کار بن کر ان ہی دستاتیر کا فرانہ پر عمل کریں جس پر آج ساری دنیا کاربند ہے اگر پاکستان کا یہی مقصد ہے تو کم از کم میں ایسے پاکستان کا حامی نہیں ہوں، اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہم پاکستان اس لیے چاہتے ہیں کہ وہاں قرآنی نظام حکومت قائم ہو ــــ یہ ایک انقلاب ہوگا، یہ ایک نشاۃ ثانیہ ہوگی، یہ ایک حیات نو ہوگی جس میں خوابیدہ تصورات اسلامی ایک مرتبہ پھر جاگیں گے اور حیات اسلامی ایک مرتبہ پھر کروٹ لے گی۔ پلاننگ کمیٹی آپ کے لیے جو دستوری اور سیاسی

نظام مرتب کرے گی، اس کی بنیادیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر ہوگی، سن لیجئے اور آگاہ ہو جایئے کہ جس سیاست کی بنیاد کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ پر نہیں ہے وہ شیطانی سیاست ہے اور ہم ایسی سیاست سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔

(قائداعظم نے زور سے اور بڑے جوش سے میز پر مکا مار کر فرمایا: "تم بالکل درست کہتے ہو۔")

لیجئے قائداعظم نے میرے اس قول پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

پاکستان کا تعلیمی نظام

اس پلاننگ کمیٹی کا مقصد یہ ہے کہ وہ مسلمانان ہند کو عموماً اور مسلمانان پاکستان کو خصوصاً پاکستان میں زندہ رہنے کے قابل بنائے اور پاکستان کے لیے خالص اسلامی نقطہ نظر سے معاشرتی تعلیمی، معاشی اور سیاسی نظام عمل مرتب کرے۔

دنیا جانتی ہے کہ دنیا کا کوئی انقلاب عملی صورت نہیں اختیار کر سکتا جب تک پہلے ذہنی حیثیت سے مکمل نہ ہو جائے۔ تاریخ عالم گواہی دیتی ہے کہ ہر انقلاب کو عملی صورت اختیار کرنے سے پہلے ذہنی انقلاب سے گزرنا پڑتا ہے۔

تاریخ انقلاب میں صرف محمدیؐ انقلاب ہی ایک ایسا انقلاب تھا جس نے بائیس برس کی قلیل مدت میں ان دونوں منزلوں کو طے کیا۔ ذہنی انقلاب کے پیدا کرنے کی ایک صورت تو یہی اجتماعات اور محفلیں ہیں لیکن انقلاب کو وجود میں لانے کا مستقل اور بنیادی ذریعہ صحیح اور موثر تعلیمی نظام کی ترویج ہے۔

ہندوستان کی سب سے بڑی بدبختی یہی تھی کہ یہاں کا تعلیمی نظام اس قوم نے مرتب کیا جو نہ صرف ہندوستان کی سرزمین اور اس کے معاشی ذرائع پر قابض ہونا چاہتی تھی بلکہ اس کی ذہن و فکر پر بھی اپنا قبضہ جمانا چاہتی تھی اس مقصد کے لیے اس نے ہماری تاریخ کو اس انداز سے ہمارے سامنے پیش کیا کہ ہم ایک دوسرے کے دشمن اور خون کے پیاسے بن کر رہ گئے جس نے ہم میں خود فراموشی کو بڑھایا اور خود اعتمادی کو گھٹایا، جس نے ہماری مشرقی خصوصیات کو ختم کیا، اور ہمیں مغربی غلامی کی زنجیروں میں جکڑا۔ ضرورت ہے کہ مستقبل کے لائحہ عمل میں سب سے پہلا مقام تعلیمی نظام کو دیا جائے۔ ایسا تعلیمی نظام جس کی بنیاد کتاب اللہ و سنت رسول اللہ پر ہو جس نظام تعلیم سے گزرنے کے بعد مسلمانوں کا بچہ اسلامی نظام میں نشو و نما پائے تاکہ وہ اپنی عملی زندگی میں ملت اسلامیہ کی صحیح خدمت انجام دے سکے۔

میں اعلیٰ تعلیم کے مقابلہ میں ابتدائی تعلیم کو زیادہ اہمیت دیتا ہوں۔ ابتدائی تعلیم بنیاد ہے جس کی مضبوطی پر عمارت کے استحکام کا انحصار ہے۔ ہم وارد ھا اسکیم کی مخالفت میں آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں اس کے مصنفین کے خلاف سب و شتم کا ہنگامہ بپا کرتے ہیں جس کی وجہ سے ہمارے پنڈال کی فضا گونجنے لگتی ہے لیکن اگر کوئی پوچھے کہ تم کیا چاہتے ہو تو ہمارے پاس متبادل اسکیم کی صورت میں کوئی جواب نہیں ہوتا۔ آپ کی یہ پلاننگ کمیٹی مفکرین اسلام کے مشورے سے پاکستانی مسلمانوں کی تعلیم کے لیے اپنا ہی نظام مرتب کرے گی۔ یاد رکھو قوم کی بے عملی صرف اخلاقی پستی پیدا نہیں کرتی بلکہ اس قوم کی سیاسی غلامی کا سب سے بڑا سبب ہوتی ہے۔ آپ کا فرض ہے کہ آپ اپنے تمام وسائل اس کمیٹی کی کامیابی کے لیے استعمال کریں۔

پاکستان کا معاشی نظام

دوسرا اہم مسئلہ جو اس کمیٹی کے دائرہ کار میں شامل ہوگا آپ کی معاشی تنظیم کا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ دنیا کی موجودہ کشمکش سرتاسر معاشی ہے جو لڑائی اس وقت لڑی جا رہی ہے اس کے اسباب پر اگر گہری نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ معاشی اور صرف معاشی مسائل

اس کی تہہ میں کارفرما ہیں۔

اسلام کا آفتاب دنیا کے افق پر اس وقت طلوع ہوا جب کہ دنیا کے ایک طرف سیم و زر کے فلک بوس پہاڑ تھے اور اس کی دوسری طرف نکبت و افلاس کے عمیق غار نظر آرہے تھے۔ نام نہاد پیشواؤں نے مذہب کو آلہ کار بنا کر بنی نوع انسان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے اور خود ساختہ اصول کے تحت اعلیٰ و ادنیٰ کا امتیاز قائم رکھا تھا شہنشاہیت اور سرمایہ داری کا دور دورہ تھا۔ محمد رسول اللہ نے بہ یک جنبش لب لا الہ الا اللہ کہہ کر عظمت و جلال حق سے باطل کی ساری عمارتوں کو مسمار کر دیا اور تبلیغ و توحید سے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان غاروں کو بھرا جو افلاس و نکبت نے پیدا کر دیئے تھے اور انسانیت کی سطح ایک کر دی تھی۔ محمد عربیؐ کی محفل میں ہم بلال حبشیؓ کو ہم دوش ابوبکرؓ اور عمار یاسرؓ کو ہم نشین ابن خطابؓ دیکھتے ہیں۔ امتناع سود سے سرمایہ داری کی جڑیں کٹ گئیں۔ وراثت کے قانون نے دولت کے جمع ہونے کے راستے روک دیئے۔ زکوٰۃ نے اس دولت کو جو کسی نہ کسی طرح ان موانع کی موجودگی میں جمع ہوتی جبراً تقسیم کر دیا اور ارتکاز دولت یا جمع مال کی مذمت اور انفاق فی سبیل اللہ کی تلقین نے مدنیہ میں عہد رسالت کے آخری ایام کو مسکین کے وجود سے خالی کر دیا۔ الارض اللہ کا قرآنی

پیغام سنا کر نبی امیؐ نے زمین کی ملکیت صرف خدا اور اس کے خلیفہ یعنی اسلامی اسٹیٹ کے لیے مخصوص کر دی۔ نہریں، جنگل، معدنیات وغیرہ یہ سب اسٹیٹ کی مشترک ملک قرار پائے اور کسی فرد واحد کا یہ حق نہ رہا کہ ان کے ذریعہ دولت کے ڈھیر جمع کرے۔ زکوٰۃ کے تعلق سے اجمالاً و اشارتاً یہ بات ذہن نشین رکھنے کے قابل ہے کہ یہ اسلامی ٹیکس آمدنی پر وصول نہیں کیا جاتا بلکہ سرمایہ پر وصول کیا جاتا ہے اور ان سارے ٹیکسوں سے بڑھ جاتا ہے جو آج ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد انسانیت نے اپنی ترقی یافتہ ضرورتوں کے نظر وضع کیے ہیں کیا اس نظام کی موجودگی میں کسی اور معاشی نظام کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی بھی ضرورت ہے؟

میں محسوس کر رہا ہوں اور پوری شدت کے ساتھ محسوس کر رہا ہوں کہ روس کی اس جنگ میں انگلستان کے ساتھ شرکت نے ہندوستان کے لیے کمیونزم کی تبلیغ اور دعوت کے دروازے کھول دیئے ہیں اور کمیونسٹ مبلغین کو موجودہ گرانی اور قلت اجناس نے موقع بہم پہنچایا ہے کہ غریبوں کے سامنے روٹی اور کپڑے کا نعرہ بلند کر کے ان کو کمیونزم کی طرف گھسیٹیں میں اپنے نوجوانوں کو ہندو نوجوانوں سے زیادہ اس مذہب معاش کی طرف متوجہ ہوتا

دیکھ رہا ہوں اگر کمیونزم کے معنی صرف یہ ہیں کہ دنیا سے غربت و افلاس کو مٹایا جائے اور ہر انسان کو روٹی اور کپڑا مہیا کیا جائے تو میں اپنے آپ کو سب سے بڑا کمیونسٹ کہہ سکتا ہوں اور اگر اس کے پیچھے یہودی کارل مارکس کا وہ فلسفہ کام کر رہا ہے جس کی بنیاد انکار خدا پر ہے تو میں کمیونزم سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔

اسلام کی بنیاد وجود باری کے عقیدے پر رکھی گئی ہے اور اگر مسلمان اس سے ہٹ رہا ہے تو اسلام سے ہٹ رہا ہے سیدھے راستے ہٹ رہا ہے خیر سے ہٹ کر شر کی طرف جا رہا ہے، سلامتی کی منزل سے منہ موڑ کر تباہی کے غار میں گرنا چاہتا ہے۔ میں اس اجلاس میں اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ:

"ہمارے پنڈال سے وہ لوگ اٹھ جائیں جو خدا کے انکار پر اپنے معاشی نظام کی بنیاد رکھتے ہیں۔ قرآن کے واضح اور اٹل احکامات میں تحریف و اضافہ کر کے مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں اور جو روٹی کپڑے کے بدلے مسلمان کا ضمیر اور اس کا ایمان خریدنا چاہتے ہیں۔"

(مجمع سے بے پایاں شور بلند ہوتا ہے: "ہم صرف اسلامی نظام چاہتے ہیں۔")

مجھے یقین ہے کہ ہماری پلاننگ کمیٹی جب پاکستان کے لیے معاشی نظام مرتب کرے گی تو اس کی بنیاد قرآنی و اسلامی نظام معاشی پر ہوگی۔

(قائدِ ملت زندہ باد، قائدِ اعظم زندہ باد کے فلک شگاف نعرے)

قائدِ اعظم! میں نے پاکستان کو اسی طرح سمجھا ہے اور اگر آپ کا پاکستان یہ نہیں ہے تو ہم ایسا پاکستان نہیں چاہتے۔

(قائدِ اعظم نے مسکراتے ہوئے فرمایا "آپ مجھے قبل از وقت کیوں چیلنج دے رہے ہیں۔")

نہیں قائدِ اعظم! میں چیلنج نہیں دے رہا ہوں۔ میں اس چیلنج کے ذریعہ آپ کے عوام کو یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ آپ ایسا ہی پاکستان چاہتے ہیں جس کا اس وقت اجمالی تصور پیش کیا گیا ہے۔

نشاۃ ثانیہ

برادرانِ ملت! یاد رکھیئے پلاننگ کمیٹی کا تقرر آپ کی سیاسی زندگی کی نشاۃ ثانیہ ہے وہ قوم جو تعلیمی اور معاشی حیثیت سے آزاد نہ ہو سیاسی حیثیت سے کبھی آزاد نہیں ہو سکتی تعلیمی اور معاشی غلامی کے ساتھ سیاسی آزادی غلامی کی بدترین قسم ہے۔

اپنی تقریر کو ختم کرتے ہوئے میں آپ کی توجہ اس امر کی جانب خصوصیت سے مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ پاکستان کا مطالبہ کر کے اگر آپ ایسا ملک چاہتے ہیں جس میں پاک لوگ بستے ہوں اور جو خیالات کے اعتبار سے افکار و اعمال اور کردار کے لحاظ سے پاک ہوں تو میرے دوستو یاد رکھو کہ جسمانی ناپاکی دور ہو سکتی ہے اور آسانی سے دور ہو سکتی ہے لیکن ذہن و عمل کی ناپاکی وہ گندگی ہے جس کو دور کرنے کے لیے خدا نے انبیاء جیسی ہستیاں پیدا کی ہیں وہ اسی وقت دور ہو سکتی ہے جب نبی کی اتباع کی جائے کیا ان ناپاکیوں میں آلودہ ہو کر جھوٹ کو اپنا شعار بنا کر مکر و فریب میں مبتلا رہ کر ظلم و استبداد کو جاری رکھ کر کیا ہم یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہم پاک ہیں اور اگر ہم ان گندگیوں سے پاک نہ ہوئے اور ہمیں ہندوستان کے دونوں گوشوں میں خود مختار حکومت مل بھی گئی تو کیا وہ پاکستان کہلانے کی مستحق ہوگی؟

پاک بننے کی اس کوشش کو آج سے شروع کر دو اور یاد رکھو کہ نہ صرف پاکستان میں رہنے کے لیے پاک بننے کی ضرورت ہے بلکہ پاکستان کے حصول کے لیے بھی پاک بننے کی ضرورت ہے مکر و فریب کی سیاست طالبانِ پاکستان کی سیاست نہیں ہو سکتی۔

آپ کی کونسل آف ایکشن کا سب سے پہلا طریقہ یہ ہوگا کہ

پاکستان کی جنگ لڑنے والے سپاہیوں کو آج سے پاک بنانا شروع کردے۔ مگر آہ! یہ ایک حقیقت ہے کہ سپاہی اس وقت تک پاک نہیں ہوسکتا جب تک کہ ایک ایک سپہ سالار پاک نہ ہوجائے۔

سُن لو اور یاد رکھو! اسلام کے عہدِ حاضر کا سب سے بڑا مفکر کیا کہہ رہا ہے۔

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی
دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللہی

(شہ نشین پر بیٹھنے والوں کی طرف مخاطب ہوکر قائدِ ملت نے فرمایا)

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

نوائے سروش

برادرانِ ملت! اس زندگی ناپائیدار میں انسان کا عمل ہی اسے حیاتِ دوام بخشتا ہے، آپ نے جس توجہ، خلوص اور محبت کے ساتھ میرے خیالات کو سُنا ہے اس کے لیے میں آپ کا بہ صمیم قلب شکر گزار ہوں۔

ہماری منزل اگرچہ نمایاں ہوکر نگاہوں کے سامنے آچکی ہے

اور ہمیں اس بات کا یقین ہو چکا ہے کہ ہم اپنے عظیم قائد کی رہنمائی میں منزل سے ہمکنار ہو کر رہیں گے لیکن راستے کے خطرات سے آگاہ کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وقت کے تند و تیز طوفانوں میں ابھی امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ابتلا و آزمائش کٹھن ساعتوں میں کتنے ہی سپاہی بچھڑ سکتے ہیں بھی ہو سکتا ہے کہ میں آئندہ آپ کے درمیان نہ رہوں اسی لیے میں نے آپکا بہت قیمتی وقت لیا ہے میری آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے عظیم مقصد میں عظیم کامیابی عطا فرمائے۔

آخر میں اس مختصر سی دعا کے ساتھ جس کی برکات بے اندازہ ہیں رخصت ہوتا ہوں۔

یا ربنا یا ارحم الراحمین
رحم کن بر حالِ ما یا رحمتہ اللعالمین
خدا حافظ